حقوق طبع بحق مصنف محفوظ ہیں

چوتھا ایڈیشن نومبر ۱۹۹۲ء

ذاکرین، مقررین، واعظین کے لئے نایاب تحفہ

المجالس المرضیہ

فی

اذکار العترۃ النبویہ

(اخرٰی)

اُستاد العلماء علامہ سید محمد باقر شاہ اعلی اللہ مقامہ
جن کا مزار کہاوڑ کلاں ضلع بھکر میں ہے

مرتبہ:۔ استاد العلماء علامہ حسین بخش جاڑا اعلی اللہ مقامہ
بانی جامعہ علمیہ باب النجف ۔ جاڑا ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

ناشر:۔ مکتبہ انوار النجف ۔ دریا خان ۔ ضلع بھکر ۔ قیمت ۸۰ روپے

پہلی مجلس

دربیان تقویٰ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰادِقِیْنَ پ۱۱ سورہ توبہ

تمام انبیاء اپنی امتوں کو تقویٰ کی وصیّت کرتے چلے آئے ہیں کیونکہ خداوندکریم کی جانب سے ان کو تعلیم یہی دی گئی۔ چنانچہ ارشاد باری ہوتا ہے: اَنْ اَنْذِرُوْا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ۔ ترجمہ اپنی امت کو انذار کرو یعنی ڈراؤ کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں لہٰذا مجھ سے ڈرو۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَاِیَّاکُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ وَاِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَکَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیْدًا۔ ترجمہ ہم نے ان لوگوں کو وصیت کی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تمہیں بھی وصیت کی جاتی ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اگر تم کفر کروگے تو اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکوگے، کیونکہ زمین وآسمان کی تمام چیزیں تو اسی کی ملکیت میں داخل ہیں اور اللہ لائق حمد وستائش ہے اور جناب رسالتمآبؐ کو اول بعثت میں یہی حکم ہوا۔ یَاۤ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ اے لحاف اوڑھنے والے پیغمبر اٹھو اور ڈراؤ۔ اور اس کی آخری آیت جو آپ نے تلاوت فرمائی وہ یہ تھی: وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ پ۳ ترجمہ اور ڈرو اس دن سے جس دن تم اللہ کی جانب پلٹائے جاؤگے اور ہر نفس کو اپنی کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان کو خسارہ نہ دیا جائے گا۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے: یَا عِبَادِ فَاتَّقُوْنِ۔ میرے بندے مجھ سے ڈرو۔ نیز فرماتا ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ۔ میرے نزدیک تم میں سے زیادہ لائق عزت وکرامت وہی ہے جو زیادہ ڈرنے والا ہو۔

(اوّل) اعمال میں سے جو عمل تقویٰ سے ہوتا ہے وہ قابل قبول ہوتا ہے اور جو عمل روح تقویٰ سے خالی اور ظاہرداری پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ خالی از فائدہ ہوا کرتا ہے۔

چنانچہ ہر عمل کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن (اور صرف ظاہری عمل کا کوئی فائدہ نہیں جب تک اس کا باطن درست نہ ہو) مثلاً ایک طرف اشارہ ہے: اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ۔ نماز مومن کی معراج ہے۔

اور دوسری جگہ خدا خود فرماتا ہے: وَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ پ۳۰۔ ان نمازگذاروں کے لیے ویل ہے جو نماز میں بے توجہی کرتے ہیں یعنی وہ نماز پڑھتے ہیں لیکن ان کی نماز روح تقویٰ سے خالی ہوتی ہے۔ اسی طرح روزہ کے متعلق ایک مقام پر حدیث قدسی میں ہے: اَلصَّوْمُ لِیْ اَنَا اُجَازِیْ بِهٖ روزہ میرے لیے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا یعنی یہ میری پسندیدہ عبادت ہے اور اس کی جزا بھی بہترین جزا ہوگی۔ اور دوسرے مقام پر حدیث میں ارشاد ہے: رُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ حَظُّهٗ مِنَ الصَّوْمِ اِلَّا الْجُوْعُ وَالْعَطَشُ۔ یعنی بعض روزہ دار ایسے بھی ہوتے ہیں کہ روزہ سے اس کا حصہ بھوک اور پیاس کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوا کرتا۔

حج کے متعلق ایک جگہ فرماتا ہے: لِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ پ۴ الخ۔ لوگوں پر اللہ کے لیے ہی حج بیت اللہ ضروری ہے اور دوسرے مقام پر ابوبصیر روایت کرتا ہے کہ اس نے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے عرض کی: مَا اَکْثَرَ الْحَجِیْجَ حضور اس سال حاجی کسقدر زیادہ ہیں؟ تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: لَا بَلْ مَا اَقَلَّ الْحَجِیْجَ وَاَکْثَرَ الضَّجِیْجَ نہیں بلکہ حاجی تھوڑے ہیں اور شوروغل زیادہ ہے۔ قربانی کے متعلق ارشاد فرماتا ہے: لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰکِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ۔ (یعنی گوشت وخون اللہ کی بارگاہ میں نہیں پہنچا کرتا بلکہ اس کی بارگاہ قبولیت میں تمہارا تقویٰ ہی پہنچتا ہے اور فرمایا: اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ بجز اس کے نہیں کہ خدا تو تقویٰ والوں سے ہی قبول کیا کرتا ہے۔

(عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو خدا سے خوفزدہ نہ ہو۔ آپ اگر عالم سفلی سے لیکر عالم علوی تک کی تمام مخلوق خواہ مادی ہوں یا روحانی اور خاکی ہوں یا نورانی کا جائزہ لیں گے تو آپ کو ہیبتِ پروردگار سے عالم کا ہر فرد خوف کرتا ہوا نظر آئے گا۔ مثال کے طور پر آپ ملاحظہ فرمائیں۔

خوفِ ملائکہ

ارشاد قدرت ہے، یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ رعد اس کی حمد کی تسبیح کرتا ہے اور ملائکہ اس کے خوف سے اس کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں) یُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ۔ شب و روز اس کی تسبیح کرتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ۔ درحالیکہ وہ اس کے رعب و جلال سے خوف زدہ ہیں۔

خوفِ انبیاء و اوصیاء

ارشاد قدرت ہے، اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا۔ جب ان پر آیات خداوندی کی تلاوت کی جائے تو سجدہ کرتے ہوئے اور گریہ کرتے ہوئے جھک جاتے ہیں۔ جنابِ رسالت مآبؐ کے متعلق ارشاد ہے، قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ فرما دیجیے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اوصیائے طاہرین کے متعلق ارشاد فرماتا ہے: اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا۔ ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف کرتے ہیں جو سخت و دشوار ہوگا۔

خوفِ جمیع اشیاء

جناب رسالتمآبؐ ارشاد فرماتے ہیں کوئی ملک مقرب اور آسمان و زمین، ہوا و پہاڑ اور بحر و بر میں سے کوئی ایسی چیز نہیں جو بروز جمعہ قیام قیامت سے خوفزدہ نہ ہوتی ہو (بحار الانوار) حتیٰ کہ شیطان بھی ایک مقام پر اپنے اندر خوف محسوس کرتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے، كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (شیطان کی

طرح کہ جب وہ انسان کو کفر کی تعلیم دیتا ہے۔ پس جب وہ کفر کرتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ میں تجھ سے بیزار ہوں میں تو خدا سے ڈرتا ہوں جو عالمین کا پروردگار ہے) لیکن صد افسوس ہم پر کہ کسی وقت بھی ہم اپنے اندر اپنے پروردگار کا ذرہ بھر خوف محسوس نہیں کرتے

تقویٰ کی علامت

خداوند کریم نے تقویٰ کی چند علامتیں بیان فرمائی ہیں،

(۱) وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (اور جو بھی شعائر اللہ کی تعظیم کرے تو وہ دل کے تقویٰ میں سے ہی ہے) کعبہ اور مسجد الحرام وغیرہ کو خداوند کریم نے اپنے شعائر قرار دیا ہے۔ لیکن عین وقتِ حج میں حضرت سید الشہداءؑ نے احرام حج کھول کر وہاں سے روانگی اختیار فرمائی اور ارشاد فرمایا، اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّسْتَبَاحَ بِيْ حُرْمَةُ الْبَيْتِ الْحَرَامِ۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری وجہ سے بیت اللہ کی حرمت ضائع نہ کر دی جائے۔

۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى (اور وہ لوگ جو جنابِ رسالتمآبؐ کے حضور میں اپنی آوازوں کو نیچا رکھتے ہیں وہ وہ ہیں کہ تقویٰ کی کسوٹی پر ان کے دل پرکھے جا چکے ہیں) ایک اور مقام پر صریح لفظوں میں رسولؐ پر اپنی آوازوں کو بلند کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے، لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ان کو با آواز بلند پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو، ورنہ تمہارے عمل ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو گی) مروی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد جناب رسالت مآبؐ نے اپنے حسن خلق اور کمال مہربانی کے پیش نظر یہ دستور بنا لیا تھا کہ اگر کوئی شخص حضرت سے اونچی آواز میں بات کرتا تو آپ اس کی آواز سے بلند آواز میں اس کو جواب مرحمت فرماتے تاکہ اس کی آواز رسولؐ کی آواز سے

اونچی نہ رہ جائے اور وہ اس معاملہ میں اللہ کے نزدیک گنہگار نہ ہو۔

پس ایسے مجسمۂ رحمت اور سراپا شفقت رسول کی اس قسم کی مہربانیوں اور دلداریوں کے باوجود پھر بھی کوئی شخص اگر ان کے فیوض سے استفادہ نہ کر سکے تو اس کی عین بدبختی اور کمال نالائقی ہے۔ اور اس قدر رحمت و شفقت کے باوجود اگر وہ کسی کو فرما دیں۔ قُوْمُوْا عَنِّیْ۔ چلے جاؤ تو ایسے انسان کا کیا حشر ہوگا؟ آیت مجیدہ میں تو صرف آواز کے بلند کرنے کی نہی ہے، خواہ وہ آواز لہجہ محبت میں ہی ہو۔ لیکن اگر آواز بلند بھی ہو، اور لہجہ بھی اس قدر کرخت ہو جو کسی شریف انسان کے لیے قابل برداشت نہ ہو کہنے والے مہربان کی بات جو مبنی برخلوص و نصیحت ہو، اس کو تسلیم کرنا تو درکنار اگر سنجیدگی سے ٹال دیا جائے تو شاید اس قدر دل شکنی نہ ہو لیکن اگر اسے صاف صاف لفظوں میں نہایت تند اور بے باک ہو کر کہا جائے: اِنَّ الرَّجُلَ لَیَهْجُرُ (تحقیق یہ شخص ہذیان کہہ رہا ہے۔ نسیم الریاض۔ نہایہ ابن اثیر) تو شریف انسان کی طرف سے یہی جواب ہو سکتا ہے کہ نکل جاؤ۔ حالانکہ قرآن مجید میں تمام اہل اسلام کو اپنے تنازعات میں اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تقویٰ کی حقیقت

ایک مرتبہ ہمام نامی ایک شخص نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے عرض کی کہ حضور! آپ مجھے متقین کے اوصاف اس طرح سنائیں کہ گویا اُس کا منظر میرے سامنے آجائے۔ آپؑ نے اس کے جواب کو ٹالتے ہوئے فرمایا: ہمام! اللہ سے ڈرو اور نیکی اختیار کرو۔ تحقیق اللہ ڈرنے والوں اور نیکی کرنیوالوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن ہمام اس جواب سے مطمئن نہ ہوا اور آپؑ سے دوبارہ قسم دیکر خواہشمند ہوا آپ کھڑے ہو گئے اور اللہ کی حمد و ثنا اور درودِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے بعد فرمایا: خدا نے جس قدر مخلوق جس جس وقت میں پیدا فرمائی ہے وہ ان کی نہ اطاعت کا محتاج ہے اور نہ ان کی نافرمانی سے خوفزدہ ہے کیونکہ جس طرح اس کو کسی کی نافرمانی

ذرہ بھر نقصان نہیں دے سکتی۔ اسی طرح اس کو کسی کی اطاعت نفع نہیں پہنچا سکتی اس نے مخلوق میں رزق کو تقسیم فرمایا اور ہر ایک کو اپنی اپنی جائے رہائش عطا فرمائی۔ پس اس سے تقویٰ کرنے والے ہی فضائل کے مالک ہیں۔ جن کی گویائی صحیح۔ لباس درمیانہ اور رفتار خاکسارانہ ہے انہوں نے اپنی آنکھوں کو اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچا رکھا ہے اور اپنے کانوں کو صرف نفع رساں علم تک محدود کر دیا ہے۔ ان کے نفوس بدحالی اور خوشحالی میں یکساں رہتے ہیں اور اگر موت کے لیے ایک مقرر شدہ وقت نہ ہوتا تو ان کے ارواح اجسام عنصریہ سے کوچ کر جاتے اور پلک جھپکنے تک بھی نہ ٹھہرتے اس لیے کہ ان کے دلوں میں ثواب کا اشتیاق اور عذاب کا حقیقی خوف موجود ہے اور چونکہ ان کے نفسوں میں خالق کی عظمت گھر کر چکی ہے۔ لہذا باقی تمام چیزیں ان کی نظروں میں حقیر ہیں ان کی نگاہیں جنت پر اس طرح جمی ہیں کہ وہ گویا اسے دیکھ چکے ہیں اور اس میں رہ رہے ہیں اور دوزخ ان کے سامنے اس طرح ہے کہ گویا وہ اس کو دیکھ رہے ہیں اور اس میں جل رہے ہیں ان کے دل مغموم رہتے ہیں اور ان کے شر سے لوگ محفوظ ہوتے ہیں ان کے جسم کمزور۔ طلب معمولی اور نفس پاکباز ہوتے ہیں وہ تھوڑے دن صبر کی زندگی گذارنے کے بعد ایک طویل عیش و آرام کی زندگی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ یہ خوف نفع مند تجارت ہے جس کے لیے خدا نے ان کو موفق کیا ہے ان کو دنیا چاہتی ہے لیکن وہ دنیا کو نہیں چاہتے ان پر دنیا نے اپنا پھندا ڈالا لیکن وہ فدیہ دیکر اس کی قید سے بچ نکلے۔ رات کے وقت ان کے قدم صف بستہ رہتے ہیں۔ اور وُہ رات بھر اجزائے قرآن کی ترتیل سے تلاوت کرتے ہیں وہ اپنے نفسوں کو غمزدہ کرتے ہیں اور اپنی بیماریوں کا علاج وہ اسی سے ہی چاہتے ہیں جب کسی ایسی آیت پر پہنچتے ہیں جس میں نعمات جنت کی طرف دعوت ہوتی ہے تو اس کی طرف جھکتے ہیں اور کثرت شوق سے ان کے نفوس اس کی طرف جھانکنے لگتے ہیں۔ پس وہ اسی کو ہی اپنا نصب العین سمجھتے ہیں لیکن جب کسی آیت پر پہنچتے ہیں

جس میں جہنم کی تخویف ہوتی ہے تو اپنے گوش ہوش سے اس طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور وہ جانتے ہیں کہ گویا جہنم کے شعلوں کی آواز اور دھڑک ان کے کانوں تک پہنچ رہی ہے پس وہ کمربستہ ہو کر اپنے منہ، ہتھیلیاں، گھٹنے اور پاؤں کی انگلیاں زمین پر ٹیکتے ہوئے اللہ سے جہنم سے آزادی کی دعائیں مانگتے ہیں اور دن کے وقت وہ لوگ حلماء، علماء، ابرار اور اتقیاء کے رنگ میں ہوا کرتے ہیں۔ خوف خدا نے ان کا گوشت گھلا دیا ہے دیکھنے والا یوں سمجھے گا کہ یہ لوگ بیمار ہیں حالانکہ ان کو کوئی بیماری لاحق نہیں ہوا کرتی۔ ہاں ایک امر عظیم نے ان کے اندر جگہ لے لی ہے وہ اپنے عمل میں سے تھوڑے پر راضی نہیں ہوتے اور زیادہ کو زیادہ سمجھتے نہیں اور اپنے نفسوں کو کوتاہی سمجھتے ہیں اور وہ بالآخر اپنے عمل سے خوف زدہ ہی رہا کرتے ہیں اگر ان کی تعریف کی جائے تو اپنی تعریف کئے جانے سے بھی خوفزدہ رہتے ہیں لہذا از روئے تردید کہہ دیتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو خود اچھا جانتا ہوں اور میرا رب مجھ سے بھی مجھے خوب جانتا ہے۔ اے پروردگار! ان لوگوں کی باتوں سے مجھے گرفت نہ کرنا۔ اور مجھے توفیق مرحمت فرما کر ان کے گمان سے بھی میں اچھا ہو جاؤں اور میرے وہ گناہ بخش جن کو لوگ نہیں جانتے اور ایسے لوگوں کی علامات یہ ہوں گی۔ (۱) دین میں قوت (۲) نرم مزاجی کے ساتھ پختگی ارادہ (۳) ایمان جو یقین کے ساتھ ہو (۴) علم میں حرص (۵) حلم در علم (۶) غنا کے باوجود درمیانہ روی (۷) عبارت میں خشوع (۸) فقر و فاقہ میں خودداری (۹) سختی میں صبر (۱۰) طلب حلال (۱۱) ہدایت میں نشاط (۱۲) لالچ سے پرہیز (۱۳) اعمال صالحہ بجا لائے گا لیکن پھر بھی ڈرتا رہے گا (۱۴) شام کریگا اور اس کا مقصد اہم شکر پروردگار ہی ہوگا (۱۵) صبح اٹھے گا تو اس کا اہم مقصد ذکر پروردگار ہی ہوگا (۱۶) رات کو غفلت سے خوفزدہ ہوگا (۱۷) صبح کو تجدید نعمت و فضل پر مسرور ہوگا (۱۸) اگر اس کا نفس کسی ناپسندیدہ چیز پر شدت سے خواہش کرے تاہم یہ اس کو اس کی مرغوب چیز دینے کو تیار نہیں ہوتا (۱۹) اس کی آنکھ ان چیزوں سے ٹھنڈک محسوس کرتی ہے جو

پائیدار ہوں (۲۰) وہ ان چیزوں سے پرہیز کرتا ہے جو فانی ہوں (۲۱) وہ علم و حلم دونوں کو پاس رکھتا ہے لہذا اس میں جاہلانہ طیش نہیں آسکتا (۲۲) اس کا قول و فعل متحد ہوا کرتا ہے (۲۳) اس کی خواہشات کم ہوں گی (۲۴) لغزشیں تھوڑی ہوں گی (۲۵) دل میں خضوع (۲۶) نفس میں قناعت (۲۷) کھانا کم (۲۸) اسباب زندگی مختصر (۲۹) دین محفوظ (۳۰) شہوت مردہ (۳۱) غصہ میں ضبط (۳۲) اس سے اچھائی متوقع ہوگی (۳۳) اس سے برائی کا امن ہوگا (۳۴) اگر وہ غافلین سے ہوگا تاہم ذاکرین میں اس کا نام لکھا جائے گا اگر ذاکرین سے ہوگا تو قطعاً غافلین میں نہ لکھا جائے گا (۳۵) اپنے ظالم سے درگذر کرے گا (۳۶) محروم کرنے والوں کو عطا کرے گا (۳۷) قاطع الرحم سے صلہ رحمی کریگا۔

(۳۸) فحش گوئی اس سے دور ہوگی (۳۹) اس کی بات نرم (۴۰) اس کی برائیاں غائب (۴۱) اس کی نیکیاں حاضر (۴۲) اس کی خیر سامنے (۴۳) اس کا شر پیچھے کی طرف (۴۴) لغزشوں کے مقام پر وہ باوقار (۴۵) مقام تشدد میں صبر (۴۶) خوشحالیوں میں شاکر (۴۷) اپنے دشمن پر زیادتی نہیں کرتا (۴۸) اور اپنے محبوب کے بارے میں مبتلائے گناہ نہیں ہوتا (۴۹) گواہی دینے سے پہلے حق کو پہچان لیتا ہے (۵۰) جس کو یاد کرتا ہے اس کو فراموش نہیں کرتا (۵۱) جس کو محفوظ کرتا ہے اس کو ضائع نہیں کرتا (۵۲) کسی کو برے یا ادھورے نام سے نہیں پکارتا (۵۳) ہمسایہ کو ضرر نہیں پہنچاتا (۵۴) کسی کے دکھ پر خوشی کا اظہار نہیں کرتا (۵۵) باطل میں داخل نہیں ہوتا (۵۶) حق سے خارج نہیں ہوتا (۵۷) اگر وہ چپ ہو تو اپنی چپ سے ملول نہیں ہوتا (۵۸) اگر ہنسے تو اس کی آواز بلند نہیں ہوتی (۵۹) اگر اس پر بغاوت کی جائے تو وہ صبر کرتا ہے یہاں تک کہ خدا ہی اس کا انتقام لے لیتا ہے (۶۰) اس کا نفس اپنی روش سے تنگ ہوتا ہے لیکن لوگ اس سے راحت میں ہوتے ہیں (۶۱) وہ آخرت کی خاطر ہی اپنے نفس کو تنگی میں رکھتا ہے اور لوگوں کو راحت دیتا ہے (۶۲) اس کی کسی سے دوری زہد کی بنا پر ہوگی (۶۳) اور اس کا کسی سے قرب رحمت و نرمی کی

بنا پر ہو گا(۶۴) اس کی کسی سے دوری تکبر و بڑائی کی بدولت نہیں ہوتی(۶۵) اس کا کسی سے قرب ہونا مکر و فریب کے پیش نظر نہیں ہوا کرتا۔

پس آپ کا بیان اس مقام تک پہنچا ہی تھا کہ ہمام نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور اسی میں اس کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرمانے لگے بخدا میں ایسی بات سے تو ڈرتا تھا۔ پھر فرمایا۔ مواعظ بالغہ اپنے اہل پر یہی اثر رکھتے ہیں ایک شخص نے وہیں سوال کر دیا کہ یا امیر المومنینؑ پھر آپ پر ان چیزوں کا اثر کیوں نہیں ہوتا؟ آپ نے فرمایا تیرے اوپر وائے ہو۔ موت کے لیے ایک وقت ہوتا ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا اور ہر شی کے لئے سبب ہوتا ہے کہ وہ اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ خبردار! ایسی بات نہ کہنا کیونکہ تیری زبان پر شیطان بول رہا ہے۔

متقی کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ باوجودیکہ وہ اعمال صالحہ کرتا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ خوفزدہ رہتا ہے۔ مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام علی زین العابدینؑ دوران حج میں سواری پر سوار ہو کر مشغول "تلبیہ" تھے کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے، جب افاقہ ہوا تو آپ سے سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ تصور آ گیا کہ لبیک کہتے ہوئے کہیں مجھے لا لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ نہ کہا جائے۔

اندازہ فرمائیے۔ حضرت امیر المومنینؑ جن کی عبادت کی حد کیا بیان کی جائے جس کے ہاتھ کی ایک ادنیٰ ید اللّٰہی جنبش اوپر سے نیچے کی طرف ہوئی جس میں شاید ایک سیکنڈ کا وقت خرچ ہوا ہو وہ قیامت کے جنوں اور انسانوں کی عبادت سے بڑھ گئی اور اس کے علاوہ دیگر شب و روز کے اعمال کا بھی پھر جائزہ لیجئے! اور ان تمام باتوں کے باوجود شب تاریک میں گھر سے نکل پڑتے ہیں اور جنگل کا رُخ کر لیتے ہیں اور ریش مبارک کو ہاتھ میں پکڑ کر فرماتے ہیں

آہ مِنْ قِلَّۃِ الزَّادِ وَبُعْدِ الطَّرِیْقِ۔ ہائے زادِ راہ کم اور راستہ لمبا ہے۔

بہائی نے کامل میں اور نیز صاحبِ استیعاب نے بھی ذکر کیا ہے ضرار جب معاویہ

کے ہاں وارد ہوا تو معاویہ نے اس سے خواہش ظاہر کی کہ میرے سامنے کچھ علیؑ کی تعریف کیجیے ضرار نے کہا۔ پھر اگر میں علیؑ کے فضائل کے متعلق کہہ دوں، تو بُرا نہ منانا اور معاف کرنا معاویہ نے کہا میری طرف سے معافی ہے بلکہ تجھے سوگند ہے کہ جسقدر علیؑ کی تعریف تجھ سے ممکن ہے اس میں کمی نہ کرنا۔ ضرار نے کہا کہ پس اب مجھ پر واجب ہو گیا ہے کہ کچھ کہوں پس شروع ہو گیا کہ وہ وہ شخص تھا جس کے ارادے بلند۔ قوت مضبوط تھی۔ اس کی بات ایک ہوتی۔ اس کا فیصلہ عادلانہ ہوتا تھا۔ اس کے پہلوؤں سے علم کے چشمے پھوٹتے تھے۔ اس کی زبان پر حکمت کا پہرہ تھا وہ دنیا اور اس کی بہاروں سے غیر مانوس تھے اور بجائے اس کے رات اور اس کی تاریکی سے ان کو انس تھا وہ گہری سوچ بچار کے مالک تھے خوف خدا میں ان کے آنسو نہیں رکتے تھے کبھی اپنے نفس سے خطاب فرماتے اور کبھی خدا سے مناجات کرتے تھے سخت لباس ان کو پسند تھا اور خشک روٹی کے دلدادہ تھے خدا کی قسم انہوں نے ہم میں عام زندگی بسر کی تھی جب ہم ان کے پاس آتے تھے تو وہ ہمیں اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے اور جب ہم ان کو دعوت دیتے تھے تو وہ بھی ہمارے ہاں بنفسِ نفیس تشریف لانے سے گریز نہ فرماتے تھے اور باوجود ہم سے اس قدر قریب ہونے کے ان کی جلالت قدر و ہیبت کی وجہ سے ہم میں جرأت نہ ہو سکتی تھی کہ ان سے آزادانہ بات کر سکیں وہ جب مسکراتے تھے تو ان کے دہان اقدس سے موتیوں کی بارش ہوتی معلوم ہوتی تھی وہ دیندار لوگوں کو شرف قرب بخشتے اور مسکین آدمیوں کو نوازتے تھے کوئی طاقتور غلط طریق سے ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا اور کوئی کمزور ان کے عدل سے مایوس نہیں ہوتا تھا۔ اور خدا کی قسم میں نے بعض حالات میں ان کو دیکھا ہے۔

قَدْ اَرْخَی اللَّیْلُ سُدُوْلَہٗ — کہ رات اپنے پردے ڈال چکی ہے
وَغَارَتْ نُجُوْمُہٗ وَھُوَ قَائِمٌ — ستارے محوِ خاموشی ہیں اور آپ (یعنی
فِیْ مِحْرَابِہٖ قَابِضٌ عَلٰی لِحْیَتِہٖ — حضرت علیؑ) محراب عبادت میں اپنی ریش

وَهُوَ يَتَمَلْمَلُ تَمَلْمُلَ السَّلِيْمِ
وَيَبْكِيْ بُكَاءَ الْوَالِهِ الْحَزِيْنِ
فَكَأَنِّيْ الْآنَ اَسْمَعُهُ وَهُوَ
يَقُوْلُ فِيْ بُكَائِهِ يَادُنْيَا
اِلَيْكِ عَنِّيْ اَبِيْ تَعَرَّضْتِ
اَمْ اِلَيَّ تَشَوَّقْتِ لَاحَانَ
حِيْنُكِ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ
غُرِّيْ غَيْرِيْ لَاحَاجَةَ
لِيْ فِيْكِ وَقَدْ طَلَّقْتُكِ
ثَلَاثًا لَارَجْعَةَ لِيْ فِيْكِ
فَعَيْشُكِ قَصِيْرٌ وَخَطَرُكِ
يَسِيْرٌ وَاَمَلُكِ حَقِيْرٌ
آهٍ آهٍ مِنْ قِلَّةِ الزَّادِ
وَطُوْلِ الطَّرِيْقِ وَبُعْدِ
السَّفَرِ وَعَظِيْمِ الْمَوْرِدِ
وَخُشُوْنَةِ الْمَضْجَعِ

مبارک کو پکڑے ہوئے سانپ کے ڈسے ہوئے کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ اور اس طرح روتے ہیں جس طرح کوئی غم کا مارا رویا کرتا ہے گویا اب بھی آپ کے پُردرد کلمات میرے کانوں میں گونج رہے ہیں کہ وہ اپنے گریہ میں کہتے ہیں۔ اے دنیا دفع ہو جا۔ کیا تجھے مجھ سے مطلب ہے یا تجھے میری شوق ہے؟ وہ وقت خدا کرے نہ آئے اور یقیناً نہ آئے گا۔ میرے علاوہ کسی اور کو دھوکا دے مجھے تیری ضرورت نہیں ہے میں تجھے تین طلاقوں سے آزاد کر چکا کہ مجھے تجھ میں رجوع کا حق بھی نہیں رہا۔ تیری زندگی تھوڑی تری بڑی نعمت بھی معمولی اور تیری امیدیں حقیر ہیں۔ ہائے ہائے زاد کم اور راستہ لمبا اور سفر دور اور جائے ورود بہت بڑی اور سونے کی جگہ بہت سخت ہے۔

معاویہ نے جب یہ کلمات سنے تو اس کے چہرے پر آنسوؤں کی ایک تار بندھ گئی اور حاضرین مجلس بھی رو دیئے۔ معاویہ نے کہا وَاللّٰهِ كَانَ اَبُوالْحَسَنِ كَذَالِكَ۔ خدا کی قسم ابوالحسن یعنی علیؑ ایسا ہی تھا۔ لیکن میں حکم دیتا ہوں کہ میرے اصحاب میرے بعد

ایسی باتیں نہ کریں۔ رات کا وقت ہے سب آدمی سو رہے ہیں مگر حضرت امیرؑ خوف خدا سے مضطرب ہیں۔ ہم آپ کی توجہ ایک اور مقام کی طرف منعطف کرانا چاہتے ہیں جو عامۂ خلق کے لیے مقام اضطراب ہے۔ فرشتے کہہ رہے ہیں تَهَدَّمَتْ وَاللّٰهِ اَرْكَانُ الْهُدٰى (خدا کی قسم دین کے ستون گر گئے) مگر علیؑ کو کوئی اضطراب نہیں انیسویں ماہِ رمضان کی صبح سجدے سے سر اٹھاتے ہیں اوپر تلوار زہر آلود کا وار پڑتا ہے اور ابرو پر جا کر وہ وار رُکتا ہے۔ مگر اس نازک اور خوفناک حالت میں علیؑ نہایت اطمینان سے فرماتے ہیں فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ (کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہوا) اس کا نام ہے تسلیم و رضا و استقلال۔ موقع ہے کہ ہم ایک نفس مطمئنہ راضیہ مرضیہ کے کلماتِ تسلیم و رضا مختلف مقامات سے آپ کے سامنے پیش کریں۔

روانگی از مدینہ

سید الشہداءؑ وداع قبرِ رسولؐ کے لئے جاتے ہیں۔ چند رکعات نماز پڑھی اور دست مناجات بلند کئے۔ ترجمہ۔ اے اللہ یہ تیرے نبی کی قبر ہے اور میں تیرے نبی کی شہزادی کا فرزند ہوں اور میرے سامنے جو معاملہ درپیش ہے اسے تو خوب جانتا ہے میں معروف کو محبوب رکھتا ہوں اور منکر سے نفرت کرتا ہوں اے جلال و اکرام کے مالک میں اس قبر اور صاحبِ قبر کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے ایسے امر کی توفیق مرحمت فرما جس میں تیری اور تیرے رسولؐ کی خوشنودی ہو۔

روانگی مکہ معظمہ

اور یہ وہ مقام ہے جس کے متعلق ارشاد قدرت ہے وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا (اس میں جو داخل ہوگا با امن رہے گا) لوگ عرفات کا احرام باندھ رہے ہیں مگر حضرت احرام سے سبکدوش ہو رہے ہیں اور ان الفاظ میں اپنی روانگی کا اعلان فرماتے ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ اَمَّا بَعْدُ۔ ترجمہ۔ بنی آدم کیلئے

موت کو گلے کا ہار بنا دیا گیا ہے۔ مجھے اپنے اسلاف کی خدمت میں پہنچنے کا ایسا ہی اشتیاق ہے جس طرح حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کی طرف تھا۔ میرے لیے دائمی خواب گاہ جس کی تجویز کی جا چکی ہے۔ میں نے وہاں ضرور پہنچنا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے اعضاء کو نانے کی امت کے انسان نما جنگلی خونخوار درندے صحرائے کربلا میں ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں اور میرے خون سے اپنی (ہوس کی) خالی اوجھریوں اور انتڑیوں کو پُر کر رہے ہیں۔ مجھے اس دن سے چھٹکارا نہیں جو قلم قضا سے میرے لئے مقدر کیا گیا ہے۔ ہم اہل بیتؑ اللہ کی رضا پر راضی اور اس کی آزمائش پر صابر ہیں۔ خدا ہمیں صابرین کا پورا اجر عطا فرمائے گا۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا۔ جو شخص ہماری محبت میں اپنی جانیں پیش کرنے والا ہو اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہو تو وہ ہمارے ساتھ چلے میں انشاء اللہ کل صبح یہاں سے چلا جاؤں گا۔ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے ان فقرات میں اس ظاہری زندگی سے ناامیدی کا اظہار بھی ہے۔ اور جوانمردی اور ثباتِ قدم سے موت کی طرف اقدام کی جرأت کا اظہار بھی۔ اس میں غیب کی خبر بھی ہے۔ اور امر خداوندی کی تسلیم اور قضائے خالق پر رضامندی کا اعلان بھی ہے۔

حضرت سید الشہداء علیہ السلام کا یہ فقرہ کہ میرے اعضاء کو جنگلی خونخوار درندے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں۔ اس میں کئی چیزوں کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

(۱) ممکن ہے اس جگہ اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے مراد اولاد و برادران و اصحاب کی شہادت آپؑ مراد لے رہے ہوں۔

(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی طرف اشارہ ہو کہ میرے ہاتھ، میری انگلی، میری رگ ہائے گردن اور باقی اعضاء کو قطع کر ڈالیں گے۔

(۳) شاید اس فقرہ میں آپ لاشوں کی پامالی کی طرف اشارہ فرما رہے ہوں۔

ملہوف سے مروی ہے کہ عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس دونوں حضرت کے

پاس آئے اور دونوں نے حضرت کو اپنے ارادہ سے روکنا چاہا تو آپؑ نے فرمایا۔ مجھے اپنے نانا نے جو حکم دیا ہے میں اسے کر گذروں گا۔ پس ابن عباس واحسینا کی صدا بلند کرتے ہوئے واپس چلا گیا اور مدینۃ المعاجز سے مروی ہے کہ ابن عباس نے عورتوں کے ساتھ جانے سے روکا تو آپ نے جواب میں اشارہ فرمایا۔ میں نے خواب میں اپنے نانا جناب رسالت مآبؐ کو دیکھا ہے اور انہوں نے مجھے جو حکم دیا ہے میں اس کے خلاف ہرگز نہیں کر سکتا۔ اور انہوں نے ان عورتوں کو ساتھ لے جانے کا حکم بھی دیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اے ابن عم یہ رسولؐ اللہ کی امانتیں ہیں۔ میری نظر میں کوئی ایسا آدمی موجود نہیں جو ان کا شایان شان احترام کر سکے۔ اور ساتھ یہ بات بھی ہے کہ وہ میری جدائی کو بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ اتنے میں ابن عباس نے پس پردہ رونے کی آواز سنی اور صدا آئی اے ابن عباس! کیا تو ہمارے آقا و مولا کو ہمیں ساتھ نہ لے جانے کا مشورہ دے رہا ہے؟ کہ وہ ہم کو چھوڑ کر تنہا چلا جائے؟ خدا کی قسم یہ ہرگز نہ ہوگا۔ ہم نے جینا بھی ان کے ساتھ ہے اور ہم نے مرنا بھی ان کے ہمراہ ہے (کاش حسرت پوری نہ ہو سکی) کیا زمانہ میں ان کے علاوہ ہمارا کوئی دوسرا سہارا ہے؟ پس ابن عباس روتا ہوا واپس آیا۔

ملہوف سے منقول ہے کہ عبداللہ بن عمر نے آپ کو صلح کرنے اور قتل و قتال سے باز رہنے کا مشورہ دیا تو آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ دنیا کی بے قدری کی دلیل ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا کا سر ایک بدکار عورت کو ہدیہ بھیجا گیا تھا۔ اور بنی اسرائیل طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک ستّر ستّر نبیوں کو قتل کرتے تھے اور پھر بازار میں خرید و فروخت میں اس طرح مشغول ہو جاتے تھے جس طرح کہ انہوں نے کچھ کیا بھی نہیں ہے تاہم فوراً خدا نے ان کو عذاب میں گرفتار نہیں کیا اور اس کے بعد جب ان کو عذاب کی گرفت میں لیا تو اس طرح کہ جس طرح کوئی طاقتور اپنا انتقام لیا کرتا ہے۔ اے ابو عبدالرحمٰن اللہ سے ڈرو اور میری نصرت سے کنارہ کشی نہ کرو۔ اس کے بعد ابن عمر نے

آپ سے خواہش ظاہر کی کہ آپ مجھے اس جگہ کا بوسہ لینے دیں جہاں رسول اللہؐ بوسہ لیا کرتے تھے تو آپ نے اپنی قمیضِ مبارک اپنے بطنِ مبارک سے اٹھائی اور ابن عمر نے آپ کی ناف مبارک پر تین مرتبہ بوسہ دیا اور بہت رویا اور وداع کرتے ہوئے آپ کو شہادت کی خبر سنا کر چلا گیا۔

نیز ملہوف سے مروی ہے کہ سحر کے وقت حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے تیاری فرمائی جب محمد بن حنفیہ کو یہ خبر پہنچی تو حاضر ہوئے اور آپ کی ناقہ کی مہار کو تھام کر عرض کرنے لگے۔ بھائی جان! میں نے جو گذارش کی تھی اور آپ نے بھی نظرِ ثانی کا وعدہ فرمایا تھا۔ پھر کیوں اس قدر عجلت فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ تیرے چلے جانے کے بعد مجھے نانا کی زیارت ہوئی تو انہوں نے فرمایا۔ حسینؑ! چلے جاؤ خدا کو تیری شہادت محبوب ہے۔ محمد بن حنفیہ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ پڑھتے ہوئے عرض کی۔ پھر اپنے ساتھ پردہ داروں کو لے جانے کا کیا مقصد ہے؟ منتخب میں ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے نانا نے یہ بھی خبر دی ہے کہ مصلحت ایزدی میں یہی ہے کہ وہ قید و بند کی صعوبتیں دیکھیں اور نیز وہ مجھ سے جدا ہونا بھی پسند نہیں کرتیں جب تک میں زندہ ہوں۔ یہ سنتے ہی محمد بن حنفیہ نے بہت سخت گریہ کیا اور آخر کار یہی کلمات عرض کئے۔ حسینؑ! اللہ کے حوالے۔

حسینؑ کے ثبات و استقلال کو ملاحظہ فرمائیے۔ علاوہ ان اخبارِ صادقہ کے جو آپ کو اپنے جدّ بزرگوار سے پہنچی تھیں جو شخص بھی مخالف یا موافق آپ کی خدمت میں پہنچتا ہے اس کی زبان سے آپ کے قتل کا لفظ ہی نکلتا ہے۔ جیسا کہ ابن عمر کے متعلق بھی تقاضا گوش گذار کی جا چکی ہے۔ لیکن آپ اپنے عزم کو پورا کرنے میں کسی مصیبت کی پرواہ نہیں فرماتے۔

کتاب ارشاد میں منقول ہے کہ:۔ تَوَجَّہَ الْحُسَیْنُ مُغِذًّا لَا یَلْوِیْ اِلٰی شَیْئٍ حَتّٰی نَزَلَ ذَاتَ عِرْقٍ۔ حسینؑ نے بہت تیزی سے سفر کیا اور کہیں نہ رکے یہاں تک

کہ منزل ذاتِ عرق پر نزول اجلال فرمایا۔ (گویا مکہ کے بعد آپ کی پہلی منزل ذات عرق تھی) اس مقام پر آپ کو ایک خط پہنچا، اور وہ حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار نے لکھ کر اپنے دونو شہزادوں عون و محمد کو دے کر روانہ کیا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اما بعد۔ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ جس طرف جا رہے ہیں اس میں آپ کی ہلاکت اور اہل بیتؑ کی بربادی کا خطرہ ہے لہٰذا آپ ذرا صبر فرمائیں۔ یقیناً آپ کی موت سے زمینِ خدا آپ کے نور سے محروم ہو جائے گی کیونکہ آپ طالبانِ ہدایت کے لئے علمِ ہدایت اور ایمان والوں کی امیدوں کا سہارا ہیں۔ پس آپ عجلت سے کام نہ لیں اور میں اس خط کے پیچھے خود بھی حاضر ہو رہا ہوں۔ والسلام

ملہوف و کامل سے مروی ہے کہ عراق سے آتے ہوئے بشر بن غالب آپ کو ملا اور آپ نے اس سے عراقیوں کی احوال پرسی کی تو اس نے جواب دیا کہ لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں بنوامیہ کے ساتھ ہوں گی۔

ارشاد میں فرزدق شاعر سے مروی ہے کہ سنہ ۶۰ھ میں اپنی ماں کو حج کرانے جا رہا تھا اور اپنی ماں کی سواری کو ہانک رہا تھا کہ مکہ سے باہر میں نے امام حسینؑ سے ملاقات کی تلواریں اور ڈھالیں بھی آپ کے ہمراہ تھیں تو میں نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں؟ مجھے جواب دیا گیا کہ یہ حسینؑ بن علیؑ کا قافلہ ہے۔ پس میں نے حاضر خدمت ہو کر سلام عرض کیا اور گذارش کی کہ خدا آپ کو اپنے مقاصد میں کامیاب فرمائے اور میرا ماں باپ آپ پر فدا ہوں فرزند رسولؐ! آپ حج سے پہلے کیوں کوچ فرما رہے ہیں؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر نہ جاؤں تو گرفتار کر لیا جاؤں گا۔ فرمایا۔ تو کون ہے؟ تو میں نے عرض کی کہ عرب کا باشندہ ہوں۔ خدا کی قسم آپ نے مجھ سے مزید دریافت کرنے کی زحمت نہ فرمائی۔ ہاں اتنا فرمایا کہ لوگوں کے نظریات کس قسم کے ہیں؟ تو میں نے عرض کی حضور! دل آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں بنوامیہ کے ساتھ ہوں گی۔ قضا کا فیصلہ

آپ سے خواہش ظاہر کی کہ آپ مجھے اس جگہ کا بوسہ لینے دیں جہاں رسول اللہؐ بوسہ لیا کرتے تھے تو آپ نے اپنی قمیضِ مبارک اپنے بطنِ مبارک سے اٹھائی اور ابن عمر نے آپ کی ناف مبارک پر تین مرتبہ بوسہ دیا اور بہت رویا اور وداع کرتے ہوئے آپ کو شہادت کی خبر سنا کر چلا گیا۔

نیز ملہوف سے مروی ہے کہ سحر کے وقت حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے تیاری فرمائی جب محمد بن حنفیہ کو یہ خبر پہنچی تو حاضر ہوئے اور آپ کی ناقہ کی مہار کو تھام کر عرض کرنے لگے۔ بھائی جان! میں نے جو گذارش کی تھی اور آپ نے بھی نظرِ ثانی کا وعدہ فرمایا تھا۔ پھر کیوں اس قدر عجلت فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ تیرے چلے جانے کے بعد مجھے نانا کی زیارت ہوئی تو انہوں نے فرمایا۔ حسینؑ! چلے جاؤ خدا کو تیری شہادت محبوبؐ ہے۔ محمد بن حنفیہ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ پڑھتے ہوتے عرض کی۔ پھر اپنے ساتھ پردہ داروں کو لے جانے کا کیا مقصد ہے؟ منتخب میں ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے نانا نے یہ بھی خبر دی ہے کہ مصلحت ایزدی میں یہی ہے کہ وہ قید و بند کی صعوبتیں دیکھیں اور نیز وہ مجھ سے جدا ہونا بھی پسند نہیں کرتیں جب تک میں زندہ ہوں۔ یہ سنتے ہی محمد بن حنفیہ نے بہت سخت گریہ کیا اور آخر کار یہی کلمات عرض کئے۔ حسینؑ! اللہ کے حوالے۔

حسینؑ کے ثبات و استقلال کو ملاحظہ فرمائیے۔ علاوہ ان اخبارِ صادقہ کے جو آپ کو اپنے جدّ بزرگوار سے پہنچی تھیں جو شخص بھی مخالف یا موافق آپ کی خدمت میں پہنچتا ہے اس کی زبان سے آپ کے قتل کا لفظ ہی نکلتا ہے۔ جیسا کہ ابن عمر کے متعلق بھی تذکرہ گوش گذار کی جا چکی ہے۔ لیکن آپ اپنے عزم کو پورا کرنے میں کسی مصیبت کی پرواہ نہیں فرماتے۔

کتاب ارشاد میں منقول ہے کہ۔ تَوَجَّہَ الْحُسَیْنُ مُغِذًّا لَا یَلْوِیْ اِلٰی شَیْءٍ حَتّٰی نَزَلَ ذَاتَ عِرْقٍ۔ حسین نے بہت تیزی سے سفر کیا اور کہیں نہ رکے یہاں تک

کہ منزل ذاتِ عرق پر نزول اجلال فرمایا۔ (گویا مکہ کے بعد آپ کی پہلی منزل ذات عرق تھی) (اس مقام پر آپ کو ایک خط پہنچا، اور وہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار نے لکھ کر اپنے دونو شہزادوں عون و محمد کو دے کر روانہ کیا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اما بعد۔ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ جس طرف جا رہے ہیں اس میں آپ کی ہلاکت اور اہل بیتؑ کی بربادی کا خطرہ ہے لہذا آپ ذرا صبر فرمائیں۔ یقیناً آپ کی موت سے زمینِ خدا آپ کے نور سے محروم ہو جائے گی کیونکہ آپ طالبانِ ہدایت کے لئے علم ہدایت اور ایمان والوں کی امیدوں کا سہارا ہیں۔ پس آپ عجلت سے کام نہ لیں اور میں اس خط کے پیچھے خود بھی حاضر ہو رہا ہوں۔ والسلام

ملہوف و کامل سے مروی ہے کہ عراق سے آتے ہوئے بشر بن غالب آپ کو ملا اور آپ نے اس سے عراقیوں کی احوال پرسی کی تو اس نے جواب دیا کہ لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہوں گی۔

ارشاد میں فرزدق شاعر سے مروی ہے کہ سنہ ۶۰ھ میں اپنی ماں کو حج کرانے جا رہا تھا اور اپنی ماں کی سواری کو ہانک رہا تھا کہ مکہ سے باہر میں نے امام حسینؑ سے ملاقات کی تلواریں اور ڈھالیں بھی آپ کے ہمراہ تھیں تو میں نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں؟ مجھے جواب دیا گیا کہ یہ حسینؑ بن علیؑ کا قافلہ ہے۔ پس میں نے حاضر خدمت ہو کر سلام عرض کیا اور گذارش کی کہ خدا آپ کو اپنے مقاصد میں کامیاب فرمائے اور میرا ماں باپ آپ پر فدا ہوں فرزند رسولؐ! آپ حج سے پہلے کیوں کوچ فرما رہے ہیں؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر نہ جاؤں تو گرفتار کر لیا جاؤں گا۔ فرمایا۔ تو کون ہے؟ تو میں نے عرض کی کہ عرب کا باشندہ ہوں۔ خدا کی قسم آپ نے مجھ سے مزید دریافت کرنے کی زحمت نہ فرمائی۔ ہاں اتنا فرمایا کہ لوگوں کے نظریات کس قسم کے ہیں؟ تو میں نے عرض کی حضور! دل آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہوں گی۔ قضا کا فیصلہ

ہوکر رہتا ہے اور خدا جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا تو نے سچا کہا اور اللہ کے ہاتھ میں سب کچھ ہے جس مقصد کے لیے ہم جا رہے ہیں اگر فیصلہ قضا ایسا ہی ہوا تو اس کی نعمات پر شکر کریں گے اور ادائیگی شکر میں بھی اسی سے ہی مدد درکار ہے اور اگر امیدوں کے آگے قضا حائل ہو گئی تو جس کی نیت حق اور باطن تقویٰ ہو تو اس کو کیا پرواہ ہے۔ میں نے عرض کی۔ جی ہاں! آپ درست فرماتے ہیں خداوند کریم آپ کو اپنے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے اور خطرات سے محفوظ رکھے۔ اس کے بعد میں نے مناسکِ حج کے متعلق کچھ مسائل دریافت کئے جن کا آپ نے جواب دیا اور اس کے بعد اپنی سواری کو حرکت دی اور سلام علیک کہہ کر چلے گئے۔ ہائے میرے مولا! ایسے وقت میں آپ کے قلب مبارک پر مناسکِ حج ادا نہ کر سکنے کا کتنا صدمہ پہنچا ہوگا؟

جناب مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر پہنچنے کے بعد جو کلمات آپ کی زبان درفشاں سے سرزد ہوئے۔ ملہوف میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ خدا مسلم پر رحم کرے وہ اللہ کی روح و ریحان اور جنت و رضوان میں پہنچ گیا۔ وہ اپنا فریضہ ادا کر چکا اور ہم پر باقی ہے دیکھئے استقلال اور ثباتِ قدم کا کس شان سے مظاہرہ فرما رہے ہیں؟ اور سنیئے حضرت عبداللہ بن یقطر کی موت کی خبر پہنچتی ہے۔ تو فرماتے ہیں۔ میرے اللہ! ہمارے اور ہمارے شیعوں کے لئے اپنے پاس منزل کریم قرار دے اور ہمیں اور ہمارے شیعوں کو اپنی رحمت کی قرارگاہ میں جگہ عنایت فرما۔ تحقیق تو ہر شئی پر قدرت رکھنے والا ہے یہ ہے وہ استقلال اور تسلیم و رضا کا پیکر جس کی نظیر زمانہ پیش نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد سنیئے؛

خاک و خون میں غلطاں ہیں لیکن زبان درفشاں پر یہ کلمات جاری ہیں۔ چنانچہ ابو مخنف کہتا ہے؛

بَقِيَ الْحُسَيْنُ مَكْبُوبًا عَلَى الْأَرْضِ	کہ حسین منہ کے بل زمین پر خون میں

مُلَطَّخًا بِدَمِهٖ ثَلٰثَ	غلطاں پورے تین گھنٹے دن کے
سَاعَاتٍ مِنَ النَّهَارِ رَامِقًا	پڑے رہے اور کنارہ چشم سے آسمان
بِطَرْفِهٖ اِلَى السَّمَاءِ	کی طرف دیکھتے ہوئے عرض کر رہے تھے
وَهُوَ يَقُوْلُ صَبْرًا عَلٰى	(اے اللہ) میں تیری رضا پر راضی ہوں۔
قَضَائِكَ لَا اِلٰهَ سِوَاكَ يَا	تیرے سوا۔۔۔۔ کوئی معبود نہیں اے
غِيَاثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ	فریادیوں کے فریادرس۔

غالباً حضرت قائم آلِ محمد عجل اللہ فرجہ کے الفاظ ہیں، لَقَدْ عَجِبَتْ مِنْ صَبْرِكَ مَلَائِكَةُ السَّمٰوٰتِ۔ تحقیق آپ کے صبر کے مظاہرے سے ملائکہ آسمان بھی محو حیرت ہیں۔

آپ نے تسلیم و رضا کے اس بلند زینے پر قدم رکھا ہے کہ اس کو سوچنے سے عقول دریائے دہشت میں ڈوب جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے مدارج تمام سے بلند تر اور ان کی مصیبت تمام سے عظیم تر ہے۔

فوائد المشاہد میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت حسینؑ اپنے نانا کی خدمت میں حاضر تھے حضورؐ ناز برداری میں مصروف تھے اور حسینؑ کے ساتھ مسکرا رہے تھے۔ حضرت عائشہ نے سوال کیا۔ آپ اس بچہ کو بہت زیادہ چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہ ہو یہ میرے دل کا میوہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ہاں میری امت اس کو بے جرم قتل کرے گی جس نے اس کی وفات کے بعد اس کی زیارت کر لی تو اس کے نامۂ اعمال میں میری حجوں میں سے ایک حج لکھی جائے گی۔ حضرت عائشہ نے عرض کی۔ ازراہ تعجب۔ آپ کی حجوں میں سے ایک حج؟ آپ نے فرمایا دو حج۔ پھر اس طرف سے سوال ہوا تو جواب میں آپ اضافہ فرماتے گئے یہاں تک کہ فرمایا میری حجوں میں سے نوے (۹۰) حج اور عمرہ کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں درج ہو گا۔

لیکن اس کی وجہ میں آپ کی خدمت میں عرض کروں۔

حسین علیہ السلام بڑے حج گزار تھے آپ نے پچیس حجیں پا پیادہ کی تھیں حالانکہ سواریاں ساتھ ساتھ ہانکی جایا کرتی تھیں اوران حجوں کے علاوہ حسینؑ نے ایک حج وہ کی جو اول سے آخر تک کوئی نہ کرسکا۔ بلکہ ایک نہیں پانچ حجیں کیں جو اپنے اپنے مقام پر بے نظیر تھیں۔

پہلی حج حسینؑ کی مدینہ منورہ کو خیرباد کہہ کر رحلت کر کے مکہ معظمہ کی طرف تشریف آوری۔

دوسری حج مکہ سے ظاہری حج کے احرام سے سبکدوش ہوکر روانگی اور کربلا تک سفر

تیسری حج یار و انصار کی شہادت کے بعد خیام سے پردہ داروں اور بچوں کیساتھ وداع کر کے روانگی بسوئے مقتل گاہ۔

چوتھی حج۔ شہادت کے بعد نوک نیزہ پر سواری کر کے مقتل گاہ سے روانگی بسوئے کوفہ۔

پانچویں حج۔ نوک نیزہ پر سوار ہو کر کوفہ سے شام تک کا سفر۔

اوران ہر پانچ مرحلوں میں آپ نے تسلیم و رضا کے جو نمونے پیش فرمائے وہ صرف آپ ہی کا کمال تھا۔

آپ کی تیسری حج جو خیام سے مقتل گاہ تک آپ نے انجام دی ہے۔ اس میں آپ کا احرام بھی ایک عجیب قسم کا تھا۔ خیام میں تشریف لاتے ہیں اور اپنی ماں جائی سے خطاب کر کے فرماتے ہیں۔

اِیْتِیْنِیْ بِثَوْبٍ عَتِیْقٍ لَا یَرْغَبُ فِیْهِ اَحَدٌ اَجْعَلُهٗ تَحْتَ ثِیَابِیْ

مجھے ایک پرانا لباس لا دیجئے۔ جس کی طرف رغبت کرنے والا کوئی نہ ہو میں اس کو اپنے لباس کے نیچے پہن لوں

لِئَلَّا اُجَرَّدَ۔ تاکہ میری لاش کو عریاں نہ کیا جائے۔

آپ نے وہ لباس منگوایا۔ اور روایات میں ہے۔ فَخَرَّقَهٗ وَ مَزَّقَهٗ کہ آپ نے اس کو اور بھی پھاڑ دیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

پس جب وہ پھٹا ہوا لباس پہن کر روانہ ہوئے تو پردہ داروں اور بچوں سے وداع کر کے اس طرح روانہ ہوئے جس طرح واپس نہ آنے والا انسان وداع کر کے جاتا ہے اور فرمایا: اَللّٰهُ خَلِیْفَتِیْ عَلَیْکُمْ۔ آپ کا خدا نگاہ بان ہو گا۔

حسینؑ نے دنیا کی ہر شیئ کو الوداع کہہ دیا۔ اور وہ صرف اللہ کی خوشنودی کیخاطر۔ پہلے پہل اپنے نانا کے حرم کو الوداع کہا پھر اللہ کے حرم کو الوداع کہا جو ہر چیز کے لئے باعث امن قرار دیا گیا تھا۔ پھر کربلا پہنچ کر اپنے خیام اور مال و متاع کو الوداع کیا۔ اصحاب و اقربا اور اولاد کو الوداع کیا۔ تنہا میدان میں پہنچے تو تلوار کو الوداع کیا پھر گھوڑے کو الوداع کر کے رخصت کر دیا۔ اور اس کے بعد زینت کی کون سی چیز ہے جس سے حسینؑ نے الوداع نہ کیا ہو۔ ہاں آپ نے ایک انگوٹھی پہنی تھی وہ بھی اتار دی۔ صرف انگوٹھی نہیں بلکہ انگوٹھی کے ساتھ انگلی بھی دے دی۔ بدن کے کپڑے بھی دیدیئے۔ کاش! وہ پرانی قمیض جو آخری وقت پہن کر آئے تھے وہ تو زخمی بدن پر رہ جاتی۔

البتہ حسینؑ نے اس لباس کے بدلہ میں دو لباس پہن لئے تھے۔ ایک صحرائے کربلا کی اڑتی ہوئی گرم خاک کا لباس اور دوسرا سر سے پاؤں تک خون سرخ کا رنگین لباس۔ حتیٰ کہ محشر میں انہی دو لباسوں کے ساتھ آئیں گے۔ ارشاد ہو گا اے فاطمہؑ آپ جنت میں داخل ہو جائیں تو عرض کریں گی۔ لَا اَدْخُلُ حَتّٰی اَعْلَمَ مَا صُنِعَ بِوَلَدِیْ میں جنت میں داخل نہ ہوں گی۔ جب تک معلوم نہ کر لوں کہ میرے فرزند کے ساتھ کون سا برتاؤ کیا گیا ہے۔ پس ارشاد ہو گا اے فاطمہؑ۔ اُنْظُرِیْ اِلٰی قَلْبِ الْمَحْشَرِ

آپ محشر کے وسط کی طرف نگاہ کریں۔ جب دیکھیں گی تو کیا ہوگا ؟ فَاِذَا الْحُسَیْنُ قَائِمٌ بِلَا رَأْسٍ وَّاَوْدَاجُہٗ تَشْخَصُ دَمًا فَاِذَا رَأَتْہُ صَرَخَتْ صَرْخَۃً پس دیکھیں گی کہ حسینؑ کے بدن پر سر موجود نہیں اور رگ ہائے گردن سے تازہ خون بہ رہا ہے پس یہ حالت دیکھ کر ایک چیخ ماریں گی اور اپنے آپ کو ناقہ سے گرا دینگی۔

پس رسالت مآب بھی ان کے گریہ سے متاثر ہو کر آہ و بکا کریں گے اور ملائکہ میں ماتم بپا ہوگا۔ پھر حسینؑ کی وہی خون آلودہ قمیص ہاتھوں پر اٹھا کر عرض کریں گی۔ اِلٰہِیْ ھٰذَا قَمِیْصُ وَلَدِیْ۔ میرے اللہ یہ میرے فرزند حسینؑ کی قمیص ہے آپ سمجھے کہ جناب زہراؑ میدان محشر میں حسینؑ کی قمیص کو کیوں پیش کریں گی۔ غالباً وجہ یہ ہے کہ قمیص پر تیروں تلواروں اور نیزوں کے بے شمار زخم ہوں گے اور خاتون اپنے بیٹے کی مظلومی کی گواہی کے طور پر اس کو پیش کریں گی۔

یا اس لئے کہ حسرت ظاہر کرتی ہوں گی کہ کاش یہ پرانی قمیص تو میرے فرزند کے بدن سے جدا نہ کی جاتی۔

بعض ذاکرین و واعظین بیان کرتے ہیں کہ عالیہ بی بی کے پاس اس وقت حضرت علیؑ کا خون آلود عمامہ حضرت حسن مجتبیٰؑ کی زہر آلود قمیص اور حضرت عباس کے بازو بھی ہوں گے نیز گود میں حضرت محسن کی لاش بھی ہوگی۔ جب آپ بارگاہ پروردگار میں مقدمہ پیش کریں گی تو ان چیزوں کو بطور گواہ پیش کریں گی۔ پس عرصۂ محشر میں کہرام ماتم بپا ہوگا اور آخر میں حضرت امام حسینؑ کے رونے والے شیعان علیؑ کے حق میں شفاعت کریں گی جو مقبول ہوگی۔ (وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۔)

دوسری مجلس

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ

تقویٰ کی علامات جو قرآن مجید میں بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں :۔

(۱) ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

یہ (کتاب) ہدایت ہے متقین کے لئے وہ وہ ہیں جو غیب سے ایمان رکھتے ہیں اور نمازیں قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے سے خرچ کرتے ہیں اور وہ جو ایمان رکھتے ہیں اس پر جو نازل کی گئی طرف آپکی۔ اور وہ جو نازل کی گئی آپ سے پہلے اور آخرت کا وہ یقین رکھتے ہیں۔ وہ لوگ ہی ہدایت پر ہیں۔ اپنے پروردگار کی طرف سے اور وہی ہیں چھٹکارا پانے والے۔

(۲) زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَۃِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَۃِ وَالْحَرْثِ ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ؁ قُلْ اَؤُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِکُمْ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَھَّرَۃٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ

زینت دی گئی لوگوں کیلئے خواہشات کی محبت عورتوں اور بچوں سے اور سونے چاندی کی پر تھیلیوں سے اور علامت دار گھوڑوں سے اور کھیتیوں سے یہ سب دنیاوی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے نزدیک بہترین بازگشت ہے۔ فرما دیجئے کیا میں تم کو بتاؤں بہتر ان چیزوں سے (وہ یہ کہ) تقویٰ کرنیوالوں کیلئے اپنے پروردگار کے نزدیک جنات ہیں جنکے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور بیبیاں ہیں پاک و پاکیزہ اور خوشنودیٔ خدا۔ اور اللہ اپنے بندوں

بِالْعِبَادِ ۚ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝

سے آگاہ ہے۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں اے پروردگار ہم ایمان لائے پس بخش ہمارے گناہ اور بچا ہمیں جہنم کے عذاب سے۔ صبر کرنیوالے۔ سچ بولنے والے۔ قنوت کرنیوالے۔ خرچ کرنیوالے اور سحور کے وقت استغفار کرنے والے ہیں۔

(۳) وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝

اور جلدی کرو طرف بخشش پروردگار کے اور ایسی جنت کے جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو تیار کیگئی ہے تقوی کرنیوالوں کیلئے وہ جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی اور تنگدستی کے زمانہ میں ضبط کرنیوالے ہیں غصہ کو اور معاف کرنیوالے ہیں لوگوں کو اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو اور وہ لوگ کہ جب کوئی برا کام کر بیٹھیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کریں۔ تو اللہ کو یاد کرکے اس سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں۔ اور کون گناہ بخش سکتا ہے سوائے خدا کے۔ اور وہ لوگ اصرار نہیں کرتے اوپر اس فعل بد کے جو کر چکے ہیں جان بوجھ کر۔ ایسے لوگوں کی جزا بخشش ہے خدا کیطرف سے اور جنات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور عمل کرنے والوں کا اجر کیا خوب ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ سے خوف زدہ ہونا ایمان والوں کی نشانی ہے چنانچہ

ارشاد فرماتا ہے۔

(۱) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

بجز اس کے نہیں کہ مومن وہ ہوا کرتے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر ہو تو ان کے دل خوفزدہ ہوں اور جب ان پر اس کی آیات کی تلاوت ہو تو وہ زیادہ ہوں از روئے ایمان اور اوپر اپنے رب کے بھروسہ کرنے والے ہوں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

(۲) فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔

ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔

(۳) وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔

اور اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

اسی بنا پر تو خواص کی دعا اس طرح پر ہے کہ کہے

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ خَوْفَ غَمِّ الْوَعِيْدِ وَشَوْقَ ثَوَابِ الْجَنَّةِ

اے اللہ مجھے غم دوزخ کا خوف اور ثواب جنت کی شوق مرحمت فرما۔

تقوی کرنے والوں کو خداوند کریم نے بارہ خصلتیں کرامت فرمائی ہیں۔

(۱) مدح و ثنار۔ یعنی صاحبان تقوی کی اس نے مدح و ثنار کی ہے چنانچہ فرماتا ہے اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔ اگر تم صبر کرو اور تقوی اختیار کرو۔ تو یہ پختگی ارادہ کی دلیل ہے۔

(۲) حفظ و حراست یعنی صاحب تقوی خدا کی حراست میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد

فرماتا ہے۔ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡــًٔا۔ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو تو تم کو ان کی مکاریاں ذرہ بھر بھی ضرر نہ پہنچا سکیں گی۔

(۳) تائید و نصرت۔ یعنی اہل تقویٰ کی تائید خدا فرماتا ہے چنانچہ ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا۔

(۴) سختیوں سے نجات اور رزق حلال کی فراوانی چنانچہ فرماتا ہے۔ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ۔ اور جو اللہ سے تقویٰ کرے گا خدا سختیوں سے اس کی نجات کا راستہ بنا دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق کرامت فرمائے گا کہ اس کو خیال تک نہ ہوگا۔

(۵) اصلاح عمل۔ چنانچہ ارشاد ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا يُّصۡلِحۡ لَـكُمۡ اَعۡمَالَـكُمۡ اے ایمان والو۔ اللہ سے ڈرو اور اچھی باتیں کہو۔ خدا تمہارے اعمال کی اصلاح کرے گا۔

(۶) غفران گناہ فرماتا ہے۔ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ اور خدا تمہارے گناہ بخش دیگا

(۷) اللہ کی محبت۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ۔ اللہ تقویٰ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(۸) قبولیت اعمال۔ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الۡمُتَّقِيۡنَ۔ خدا صرف تقویٰ کرنے والوں سے ہی قبول فرماتا ہے۔

(۹) اکرام خدا۔ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰٮكُمۡ۔ اللہ کے نزدیک زیادہ صاحب اکرام وہ ہے جو زیادہ ڈرنے والا ہو۔

(۱۰) موت کے وقت خوشخبری۔ اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ لَهُمُ الۡبُشۡرٰى فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ۔ وہ لوگ جو مومن ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کو بشارت دی جاتی ہے دنیا میں اور آخرت میں بھی۔

(۱۱) دوزخ سے نجات۔ ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا پھر ہم نجات دیں گے۔ ان لوگوں کو جو تقویٰ کرتے ہیں۔

(۱۲) جنت میں خلود۔ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِيۡنَ (وہ جنت) تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے ہی تیار کی گئی ہے۔

(۱) علامات ایمان۔ مَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّلَا مُؤۡمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ
کسی مومن و مومنہ کے لئے جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کرے
وَرَسُوۡلُهٗۤ اَمۡرًا اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ مِنۡ اَمۡرِهِمۡ ؕ وَمَنۡ يَّعۡصِ
تو پھر وہ اپنی پسند کو ان کے فیصلہ پر ترجیح دے اور جو شخص خدا اور رسول کی نافرمانی
اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيۡنًا۔
کرے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔

اس آیت پر جس طرح حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے عمل کیا اور کسی نے اس طرح نہیں کیا چنانچہ بوقت روانگی از مکہ جس قدر لوگ آپ سے ملے اور کوفہ جانے سے روکنے کی کوششیں کیں تو آپ نے ہر ایک کے جواب میں یہی ارشاد فرمایا کہ جناب رسالت مآبؐ نے میرے لئے جو فیصلہ کر دیا ہے اور مجھے جو امر ہوا ہے میں ضرور اس پر عمل کروں گا۔ خواہ اس میں میری بھلائی ہو یا میرا نقصان ہو۔

(۲) اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاِذَا كَانُوۡا
سوائے اس کے نہیں کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان رکھیں اور
مَعَهٗ عَلٰٓى اَمۡرٍ جَامِعٍ لَّمۡ يَذۡهَبُوۡا حَتّٰى يَسۡتَاْذِنُوۡهُ
کسی اجتماعی معاملہ میں آپ کے ساتھ ہوں تو کہیں چلے نہ جائیں۔ جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں۔

قرآن مجید نے مومنوں کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی قرار دی ہے کہ

جب وہ جناب رسالتمآبؐ کے ہمراہ کسی ایسے کام میں ہوں جو اجتماع کا محتاج ہو تو آپ کی اجازت حاصل کئے بغیر چلے نہ جائیں تو جو لوگ کسی جنگ میں آپ کو تنہا چھوڑ کر جانے کے عادی ہوں ان کا ایمان کا دعویٰ صرف زبانی ہی زبانی ہوتا ہے۔ ایمان والے تو وہ ہیں جو ایسے مقامات پر پہاڑ کی طرح جم کر رہیں نہ کہ پہاڑ پر بھاگ کر جائیں۔

(۳) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا

سوائے اس کے نہیں کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان رکھنے کے بعد شک نہ کریں۔

گویا اگر ایمان لانے کے بعد شک کریں گے تو ان کا ایمان پختہ نہ ہو گا پس جن لوگوں نے صلح حدیبیہ کے وقت جناب رسالتمآبؐ کی رسالت پر شکوک کئے۔ اس آیت کی رو سے وہ دائرہ ایمان سے خارج سمجھے جائیں گے

گریز مصائب

ہاں اگر ان صفات کا ملاحظہ کرنا ہو تو ذرا میدان کربلا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھئے۔ طائر موت سر پر منڈلا رہا ہے اور مصائب والآم کے بادل سر پر جھک چکے ہیں۔ لیکن خدا اور رسولؐ کے فیصلہ پر ذرا بھر شک نہیں۔ اور عزم صمیم میں سر مُو فرق نہیں نہ دل میں گھبراہٹ ہے اور نہ قدموں میں لڑکھڑاہٹ ہے گویا ثابت قدمی کے لحاظ سے مصائب کے سامنے حسینؑ ایک مضبوط چٹان بن کر کھڑے ہیں۔ ظلم و جور کی تیز سے تیز آندھیاں حسینؑ کے استقلال میں ذرّہ بھر لغزش نہ لا سکیں۔

زمین کربلا میں وارد ہوتے ہیں۔ گھوڑا رک جاتا ہے۔ پھر دوسرے پر سوار ہوتے ہیں وہ بھی رک جاتا ہے و علی ھذا القیاس چھ گھوڑے تبدیل کئے۔ جب سب باری باری رک گئے۔ تو آپ نے سوال کیا۔ اس زمین کا نام کیا ہے؟ اور نام بتلائے گئے۔ آخر کار عرض کی حضور (د) اس زمین کو کربلا بھی کہتے ہیں۔ پس آپ نے ٹھنڈا سانس لیا اور بہت روئے۔ اور فرمایا خدا کی قسم یہ زمین کربلا ہے۔ گویا کرب و بلا یعنی مصائب و آلام کی زمین ہے۔ پھر

حکم دیا کہ یہاں قیام کر لو اور آگے نہ بڑھو۔ فَهٰهُنَا وَاللّٰهِ مَنَاخُ رِكَابِنَا وَهٰهُنَا وَاللّٰهِ مَسْفَكُ دِمَائِنَا وَهٰهُنَا وَاللّٰهِ تُسْبٰى حَرِيْمُنَا وَهٰهُنَا وَاللّٰهِ مَحَلُّ قُبُوْرِنَا وَهٰهُنَا وَاللّٰهِ مَحْشَرُنَا وَمَنْشَرُنَا وَهٰهُنَا وَعَدَنِيْ جَدِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَلَا خُلْفَ لِقَوْلِهٖ

ترجمہ:۔ خدا کی قسم یہاں ہماری سواریوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ خدا کی قسم یہ ہمارے خون گرائے جانے کی جگہ ہے اور خدا کی قسم یہ ہمارے پردہ داروں کے قید کئے جانے کا مقام ہے اور خدا کی قسم یہ ہماری قبروں کا مقام ہے اور خدا کی قسم یہاں سے ہم محشر میں اٹھ کر جائیں گے اور اسی جگہ کا مجھ سے جناب رسالتمآبؐ نے وعدہ لیا تھا اور آپ کے فرمان کے خلاف قطعاً نہیں ہو سکتا۔

موعظہ:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ

تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ خدا ہمارا ایک ہے اور پھر اس پر جم گئے تو

الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ

ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غمزدہ ہو۔ اور

كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔

تمہیں بشارت ہو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا کہاں تک درست ہے اور صمیم قلب سے ہے یا نہ اور کیا ہمارا خداوند عالم سے کوئی رابطہ بھی ہے یا نہ؟ میرا روئے سخن ان لوگوں کی جانب نہیں جن کے خیال میں رابطہ نہ ہونا بھی ایک قسم کا رابطہ ہے = ہاں! ہاں۔ کوئی رابطہ نہیں۔ جب ہم حکم خدا سے روگردانی کر کے اطاعت نفس و شیطان کرتے ہیں جو بہکائے۔ يَا بَنِيْٓ اٰدَمَ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ۔ عبادت شیطان ہے اور اگر ہم اپنی خواہش کو خداوند کریم کی خواہش سے ترجیح دے کر نافرمانی کے مرتکب

ہوں۔ اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ۔ (کیا ان لوگوں کو تو نے دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود جانتے ہیں) تو اس آیتِ مجیدہ کی رو سے یہ خواہش کی عبادت ہے پس باوجود ان باتوں کے ہمارا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا کیسے صحیح ہوگا۔ کیا یہ بندگانہ حالت ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور عام دستور ہے کہ ہم جب بھی کوئی برائی کرنے لگتے ہیں۔ تو حتی المقدور لوگوں سے چھپ کر کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ نوکروں سے بھی چھپانے کی کوشش کرتے ہیں مگر خداوند عالم سے یہ بے پرواہی کہ باوجود اس کے حاضر و ناظر ہونے کے ہم ذرّہ بھر بھی نہیں جھجھکتے۔ گویا خدا کی عظمت ہمارے دلوں میں اتنی بھی نہیں جتنی ایک نوکر کی۔ مگر خداوند کریم کیسا حلیم و رحیم ہے وہ ہمارے گناہوں کو دیکھتا ہے اور پھر پردہ پوشی کرتا ہے اور باوجود ہماری روسیاہی کے ہمیں رسوا تک نہیں کرتا۔ ہم اپنے نوکر کو تھوڑی سی گستاخی پر جو ہمارے سامنے کرے نکال دیتے ہیں۔ حالانکہ ہم نہ اس کے خالق نہ رازق۔ تو ہمارا برتاؤ اپنے مالک سے ایسا بھی نہیں جیسا کہ ایک غلام سے۔ بلکہ ایک دشمن کے احسان سے تو ہم عمر بھر سبکدوش نہ ہوسکیں گے اور خدا کے الطاف و نعماتِ غیر متناہیہ کا شکر تو بجائے خود اس کا دیا ہوا رزق کھا کر اسی کا مقابلہ اور اس سے بغاوت کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ ہیں۔ آخر کیوں اور کس بھروسے پر؟ یہ صرف بے اعتقادی اور جرأت ہے۔

ہم تمہیں اپنے مالک کے وفادار مگر خائف بندوں کا تذکرہ سناتے ہیں۔ جناب رسول خداؐ ماہِ مبارک میں مشغول وعظ تھے۔ اثنائے وعظ میں سیّد الموحّدین نے سوال کیا سوال بھی کیا خوب اور سوال کرنے والا بھی کیسا عظیم الشان اور جس سے سوال کیا گیا وہ بھی عظیم الشان۔ فرمایئے؟ اس ماہ میں بہترین عمل کونسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا اے ابوالحسن بہترین عمل ہے اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے رُکنا۔ یہ کہہ کر آپ نے رونا شروع کر دیا۔ پس حضرت امیرالمومنینؑ نے دریافت کیا حضورؐ! آپ کیوں رو رہے ہیں تو فرمایا۔ میں اس لئے روتا ہوں کہ اسی مہینہ میں تیرے اوپر ایک ناجائز حملہ ہوگا گویا میں دیکھ رہا ہوں

کہ تو نمازِ خالق میں مشغول ہے تو اولین و آخرین میں سے بدبخت انسان اور ناقہ صالح کے قتل کرنے والے سے بھی بدتر انسان تیرے سر مبارک پر تلوار کا وار کر رہا ہے۔ جس سے تیری ریش مبارک خون سے خضاب ہو چکی ہے۔ باوجود اس کے جناب امیرالمومنینؑ کو اپنی مصیبت کی پرواہ نہیں نہایت اطمینان و سکون سے سن رہے ہیں۔ جان کی پرواہ نہیں۔ البتہ جان سے عزیز تر ایک چیز آپ کی نظر میں ہے۔ فرماتے ہیں یا رسول اللہؐ۔ یہ سب کچھ میری سلامتیٔ دین کی صورت میں ہی ہوگا؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں یہ سب آپ کی سلامتیٔ دین میں ہی ہوگا۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ذٰلِكَ فِيْ سَلَامَةٍ مِنْ دِيْنِيْ قَالَ فِيْ سَلَامَةٍ مِن دِيْنِكَ۔ سالارِ دین کو دین کا اس حد تک خیال ہے اور ہمیں باوجود دعویٰ اتباع آنحضرتؐ کے دین سے اس قدر انحراف ہے۔ آج جس مظلوم کے مصائب کو یاد کر کے آپ رو رہے ہیں کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ اس نے یہ سب مصائب کیوں برداشت کئے۔ فقط اس لئے کہ گو جان جاتے مگر اسلام نئی زندگی کا جامہ پہن لے اور حق و باطل میں بیّن تمیز نظر آنے لگے۔ ایک غیر مسلم جرمنی فلاسفر جس کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ سید الشہداءؑ کی شہادت اور اس کی غرض و غایت کی فلاسفی کس وضاحت سے بیان کرتا ہے۔

"جو شخص اس زمانہ کے حالات اور بنی امیہ کے طرز معاشرت اور تمام اسلامی گروہوں پر ان کا غالب آجانا۔ ان تمام باتوں سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہو وہ بلا تأمل اس کی تصدیق کر سکتا ہے کہ حسینؑ نے اپنی جان دے کر اپنے نانا کے دین کو اور اسلام کے قاعدوں کو زندہ کر دیا۔ اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا اور مادۂ بصیرت آنحضرتؐ کے شہید ہونے سے مسلمانوں میں پیدا نہ ہوتا تو ہرگز اسلام اپنی موجودہ حالت پر باقی نہ رہتا اور چونکہ ابھی ابتدائی زمانہ تھا اس لئے یہ بات ممکن تھی کہ اس کے رسوم و قوانین بالکل نابود

ہو جاتے"۔

(فلسفۂ شہادت بیسویں فلاسفر جرمنی)

کیا محبت سید الشہداءؑ اسی کا نام ہے کہ آنحضرتؐ تو اسلام کو زندہ رکھنے کیلئے اپنی زندگی سے دست بردار ہو جائیں اور ہم جہاں تک ہو سکے اسلام کی مخالفت کر کے اس کو نیست و نابود کرنے کی فکر میں ہیں تو کیا باوجود اس کے کہ ہم سید الشہداءؑ کے نقطۂ خیال کے بالکل مخالف ہیں۔ اس دعویٰ میں کہ ہم حب دار حسینؑ ہیں۔ صادق قرار پا سکتے ہیں، حاشا و کلّا۔

تو پھر جب یہ صورت ہے تو اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ سوائے آنحضرتؐ کی حقیقی پیروی کے ہماری حالت کبھی سُدھر نہیں سکتی۔ سنیئے ان حضرات کی حالت۔ کہ جناب رسالت مآبؐ خوفِ خدا سے اس قدر گریہ کرتے تھے کہ آپ پر غشی طاری ہو جاتی تھی۔ لہذا آپ نے ریش مبارک کے سفید ہو جانے کی وجہ بیان فرمائی، کہ قرآن مجید کی چار سورتوں نے جن میں قیامت کا منظر پیش کیا گیا ہے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ اور شرح ابن ابی الحدید میں ہے کہ آنحضرتؐ جب نماز کے لئے قیام فرماتے تھے تو جب وَجَّهْتُ وَجْهِيَ پڑھتے۔ آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔

اب ہم پھر علامات ایمان کی طرف غور کرتے ہیں۔ ایک نشانی ہے ایمان کی۔ خوفِ خدا اس کا بیان کسی قدر ہو چکا۔

ایمان کی اور علامتیں بھی ہیں (۱) محبت خالصہ۔ جناب سید الشہداءؑ کے متعلق جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مومنین کے دلوں کے وسط میں حسینؑ کی محبت جاگزیں رہتی ہے۔

(۲) نیز علامات ایمان میں سے ہے کہ جب حسینؑ کا نام لیا جائے تو دل میں انکسار پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب پنجتن پاک کے اسمائے طاہرہ

زبان پر جاری فرمائے۔ جن کے آخر میں حسینؑ کا نام تھا تو جبریل سے کہنے لگے۔ فِیْ ذِکْرِ الْخَامِسِ یَنْکَسِرُ قَلْبِیْ وَ تَجْرِیْ دَمْعَتِیْ۔ یعنی پانچویں نام کے ذکر سے میرا دل گھبرا جاتا ہے اور آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور حضرت زکریاؑ و باقی انبیاء کے متعلق بھی ایسے ہی کلمات وارد ہیں۔ بلکہ دنیا میں کوئی مومن ایسا نہیں جس کا دل حسینؑ کے ذکر سے متاثر نہ ہوتا ہو چنانچہ خود حضرت سید الشہداءؑ کے الفاظ ہیں۔ اَنَا قَتِیْلُ الْعَبْرَۃِ لَا یَذْکُرُنِیْ مُؤْمِنٌ اِلَّا بَکٰی وَ اغْتَمَّ لِمُصَابِیْ۔

(۳) اور علامات ایمان میں سے ہے کہ جب حسینؑ کا نام آئے تو گریہ طاری ہو جائے امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حسینؑ کے ذکر سے اگر پر مگس کے برابر بھی آنسو آ جائیں تو اس کا ثواب اللہ پر ہے اور وہ اس کے بدلہ میں اس کو جنت ہی کرامت فرمائے گا۔

(۴) اور علاماتِ ایمان میں سے ہے کہ حضرت حسینؑ کے مدفن پر پہنچتے ہی انسان محزون ہو جائے اور اولین و آخرین میں سے جسقدر انبیاء و اوصیاء حضرت سید الشہداءؑ کے مدفن میں وارد ہوئے تو وہ محزون ہوئے۔ چنانچہ مروی ہے۔ مَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَ زَارَ کَرْبَلَاءَ وَ قَالَ فِیْکِ یُدْفَنُ الْقَمَرُ الْاَزْھَرُ۔ ہر نبی وارد کربلا ہوا اور یہی فرمایا کہ (اے زمین کربلا) تجھ میں ایک روشن چاند دفن ہوگا۔ خود جناب امیر المومنین علیہ السلام بھی وارد کربلا ہوئے اور بہت روئے تھے جیسا کہ ابن عباس سے مروی ہے۔

انہی آجکل کے دنوں میں جب حضرت سید الشہداءؑ کی بہنیں صحرائے کربلا میں وارد ہوئیں تو عجیب خوف و حزن ان کو لاحق ہوا۔ جناب علیا مخدرہ ام کلثوم نے عرض کی۔ بھائی جان! اس صحرا میں آتے ہی میرا دل بہت گھبرا گیا ہے اور اس پر خوف طاری ہو گیا ہے۔

(۵) علامات ایمان میں سے ہے کہ آنحضرتؐ کی قبر کو دیکھ کر انسان غمزدہ ہو جاتے

صادق آلِ محمدؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ سید الشہداء علیہ السلام کے حرم پاک میں محزون ہو جائے۔ خصوصاً جب آپ کی قبر اور آپ کے پاؤں کی جانب آپ کے شہزادے کی قبر کو دیکھے۔

(۶) ایمان کی علامت ہے کہ جب انسان ٹھنڈا پانی پیئے تو حسین علیہ السلام کی پیاس کو یاد کرے۔ چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں جب بھی ٹھنڈا پانی پیتا ہوں تو حسین کو یاد کرتا ہوں۔ داؤد رقی بیان کرتا ہے کہ میں خدمت حضرت صادق علیہ السلام میں موجود تھا۔ آپ نے پانی طلب فرمایا۔ جب پی چکے میں نے دیکھا کہ آپ کے آنسو نکل آئے اور آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں۔ پھر فرمایا اے داؤد۔ لَعَنَ اللّٰهُ قَاتِلَ الْحُسَيْنِ فَمَا مِنْ عَبْدٍ شَرِبَ الْمَاءَ فَذَكَرَ الْحُسَيْنَ وَقَاتِلَهُ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ مِائَةَ اَلْفِ حَسَنَةٍ وَحَطَّ عَنْهُ مِائَةَ اَلْفِ سَيِّئَةٍ وَرَفَعَ لَهُ مِائَةَ اَلْفِ دَرَجَةٍ وَكَمَا اَعْتَقَ مِائَةَ اَلْفِ نَسَمَةٍ وَحَشَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلِجَ الْفُؤَادِ۔ ترجمہ۔ خدا قاتل حسینؑ پر لعنت کرے جو بندہ پانی پی کر حسینؑ اور اس کے قاتل کو یاد کرے (یعنی حسینؑ پر درود اور اس کے قاتل پر لعنت کرے۔ خدا اس کے نامۂ اعمال میں ایک لاکھ نیکی درج فرمائے گا اور ایک لاکھ برائی اس کی مٹائے گا اور ایک لاکھ درجہ اس کا بلند کرے گا اور ایک لاکھ غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب اس کو مرحمت فرمائے گا اور قیامت کے دن جب وہ محشور ہو گا تو اس کا دل ٹھنڈا ہو گا۔

حضرت سید الشہداء علیہ السلام پر تشنگی اور پیاس کا بہت غلبہ تھا لیکن باایں ہمہ اپنی پیاس کو دشمنانِ دین سے مخفی رکھتے تھے۔ ہاں ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ وہ آپ کی پیاس کو سمجھ گئے۔ آپ نے نگاہِ حسرت سے پانی کو دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ آپ پیاسے ہیں۔ تو ایک ظالم نے آواز دی۔ حسین اصاف پانی کی طرف نظر کیجیے کہ سانپ کی طرح بل کھا رہا

ہے۔ لیکن خدا کی قسم آپ کو ایک قطرہ بھی نہ دیں گے۔ یہاں تک کہ آپ پیاسے دنیا سے رخصت ہوں۔

(۷) ایمان کی علامات میں سے ہے کہ جب محرم کا چاند نظر آئے تو انسان عام حالتوں سے اپنی حالت کو تبدیل کر دے یعنی غم کی حالت بنالے اور پورا عشرہ اسی طرح رہے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جنابِ رسالت مآبؐ منبر پر تشریف لائے اور حسینؑ بھی آپ کی گود میں تھا۔ آپ نے فرمایا میرا یہ فرزند حالت کس مپرسی میں قتل کیا جائے گا۔ اے اللہ اس کو اس قتل کی بدولت بابرکت قرار دے اور اس کو شہیدوں کا سردار بنا اور اس کے قاتل اور تارکِ نصرت کو برکات سے محروم رکھ۔ آپ کے اس بیان سے مسجد میں کہرام بپا ہوا تمام لوگ رونے لگ گئے تو آپ نے فرمایا اب تو رو رہے ہو۔ لیکن موقعہ پر اس کی مدد نہ کرو گے۔ ہاں ایسا ہی ہوا کہ اس موقعہ پر جو صحابہ موجود تھے ان میں سے بعض نے آپ کی بیعت کی اور بعضوں نے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔

مناقب میں ابن عباس سے مروی ہے کہ میں نے دیکھا کہ عراق آنے سے پہلے ایک مرتبہ حسینؑ کعبہ کے دروازہ پر تشریف فرما ہیں۔ اور جبریلؑ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں ہے اور جبریلؑ صدا دے رہا ہے۔ لوگو! اللہ کی بیعت کی طرف جلدی آؤ (یعنی حسینؑ کی بیعت اللہ کی بیعت ہے۔ آیئے آج ہم آنحضرت کی بیعت کر لیں۔ آج کے دن کوفہ کی طرف سے دشت ہولناک میں ایک بڑا لشکر آتا ہوا دکھائی دیا۔ جس سے اہلبیتؑ کے دل بہت خوف زدہ ہوئے۔ کوفہ کی جانب سے ایک مہمان آ رہا ہے۔ وہ کون ہے؟ حر ہے جو اپنے ساتھیوں سمیت آپہنچا۔ ابتدائی حالت یہ ہے کہ حسینؑ چلنا چاہتے ہیں۔ حرُ فوراً رکاوٹ کا باعث بن جاتا ہے۔ گویا ورودِ صحرائے کربلا تک حضرت حسینؑ پر حرُ کے لشکر کی پابندی رہی۔ اور آنحضرتؑ ان کے ہاتھوں ایک قیدی کی حیثیت سے تھے۔ اور مجبوری کی حد یہ ہے کہ آپ دُور دراز کا سفر کر کے زمین عراق پر وارد ہوتے

ہیں۔ دل چاہتا ہوگا کہ کوفہ کے قریب حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی قبر اقدس کی زیارت کرلیں لیکن مجبوری اس قدر زیادہ تھی کہ آپ اپنے بابا کی قبر اطہر کی زیارت تک نہ کر سکے۔

حُرؒ جب دسویں کے دن لشکر اشقیاء کو چھوڑ کر حسین کی فوج میں داخل ہوا تو اس نے حضرت حسین علیہ السلام کے ساتھ اعداء کے سلوک کو اس طرح بیان کیا۔ چنانچہ فوج کوفہ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

"اے اہل کوفہ تمہاری مائیں تمہارے غم میں روئیں۔ اس عبد صالح کو تم نے خود بلایا۔ پس جب وہ تشریف لائے تو تم لوگ ان سے منحرف ہوگئے۔ حالانکہ تم کہتے تھے کہ ہم ان پر اپنی جانیں فدا کریں گے اور اب خود اس کے دشمن ہوگئے۔ تم لوگوں نے ان کے سانس روک لئے اور ان کو ہر طرف سے محاصرہ کر کے مجبور کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ خدا کی لمبی چوڑی زمین میں کہیں دوسری طرف بھی نہیں جا سکتے۔ گویا کہ وہ تمہارے ہاتھوں میں قیدی کی حیثیت سے ہیں کہ وہ اپنے لئے نفع و نقصان کے مالک بھی نہیں رہے۔ اور تم نے اس کی اہل بیت بیویوں اور بچوں سے دریائے فرات کا پانی بھی روک رکھا ہے۔ جس کو یہود، نصاریٰ اور مجوسی تک پی رہے ہیں اور جنگلی سور و کتے اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لیکن دیکھو تو سہی کہ اہل بیت پیاس سے جاں بلب ہیں۔ ان کو جناب رسالتمآبؐ ہم میں چھوڑ کر گئے ہیں۔ خدا تم کو پیاس کے دن سیرابی سے محروم رکھے۔"

حر کی تمام تقریر جگر سوز ہے لیکن حسین کے دشمنان دین کے ہاتھوں میں اسیری اور پابندی کا فقرہ نہایت دلگداز ہے۔

حسینؑ زمین کربلا میں وارد ہوئے۔ چھ گھوڑے تبدیل کئے۔ آخر زمین کا نام پوچھا جواب ملا اسے غاضریہ کہتے ہیں۔ فرمایا کوئی اور نام تو جواب ملا۔ اسے شط فرات کہتے ہیں فرمایا کچھ اور تو جواب دیا گیا اسے کربلا بھی کہتے ہیں۔ پس ٹھنڈا سانس لیا۔ اور فرمایا یہی کرب و بلا کی زمین ہے۔ اسی جگہ ہمارا قیام ہوگا۔ یہیں ہمارے ناحق خون گرائے جائیں گے اور یہیں ہمارے ناموس کی ہتک ہو گی۔ یہیں ہمارے مرد ذبح ہوں گے۔ اور یہیں ہمارے بچے شہید ہوں گے اور ہماری قبور کی زیارت کی جائے گی۔ اور یہیں سے ہمارے پردہ داروں کو قیدی بنایا جائے گا۔ کربلا میں اترتے ہی آپ پہلے روز سے کربلائی ہو گئے۔ زمین کو خرید لیا اور زائرین کے حق میں وصیتیں کیں۔ گویا پہلے دن سے یہاں کی مستقل سکونت کا ارادہ فرما لیا تھا لیکن نہ معلوم نمازیں قصر تھیں یا تمام۔

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ جہاد میرے ساتھ مخصوص ہے اور راستہ میں بھی ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ میرے صحابہ! ہم نے یقیناً قتل ہو جانا ہے آپ کی تقریر کے چند کلمات یہ ہیں۔ تم لوگ حالات کا جائزہ لے چکے ہو۔ معاملہ سب تمہارے سامنے ہے۔ دنیا کا رنگ بدل چکا ہے۔ طبیعتوں میں انقلاب رونما ہو گیا ہے۔ نیکیاں پس پشت ڈالی گئیں۔ حق پر عمل کرنے والوں کی قلت ہے۔ اور برائیوں سے اجتناب کوئی نہیں کرتا۔ پس مومن کو خدا کی ملاقات کی طرف راغب ہونا چاہیئے اور میں موت کو سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو ناپسند کرتا ہوں۔

زہیر بن قین نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ فرزند رسول! ہم آپ کی فرمائش سن چکے۔ اگر دنیا پائیدار بھی ہو جائے اور ہمیں بھی ہمیشہ کی زندگی مل جائے۔ تاہم ہمارا نصب العین یہی ہوگا کہ ہم آپ کے ہمرکاب ہو کر جہاد کو ترجیح دیں گے! آپ نے اس کو جزائے خیر کی دعا دی اس کے بعد تمام جانثاروں نے یہی جواب دیا۔ نیز زہیر بن قین نے عرض کی۔ فرزند رسول! اگر آپ سے اور آپ کے جانثاروں قریبیوں اور بھائیوں اور جملہ اہل بیت سے قتل کو بھی اٹھا لیا جائے، اور مجھے آپ لوگوں کی معیت میں ایک دفعہ کا قتل تو بجائے خود قتل

کے بعد اٹھایا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں اور زندہ کیا جاؤں اور اسی طرح مجھے ہزار بار قتل کیا جائے تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

خیام نصب کئے گئے۔ آپ کے اہل بیتؑ میں سے چالیس۴۰ مرد تھے جن میں سے تیس۳۰ شہید ہو گئے۔ اور دس بچے جو حضرت سجادؑ کے ہمراہ قید کئے گئے۔

شہید ہونے والوں میں سب سے بزرگ حضرت عباس تھے۔ ان کی عمر شریف ۳۴، برس تھی ان کے بعد ۳۰، سالہ۔ ۲۵، سالہ۔ ۱۸، سالہ۔ ۱۳، سالہ۔ ۱۱، سالہ۔ ۲، سالہ اور شش ماہ تک تھے اور سب سے چھوٹا بچہ شیر خوار اور شش ماہ تھا۔ عورتوں میں تقریباً ساٹھ تھیں۔

پس آپ نے اپنی اولاد۔ بھائیوں اور جملہ اہل بیتؑ کو جمع فرمایا۔ اور ایک نگاہِ حسرت سے ایک بار سب کو دیکھا اور اس کے بعد پورے ایک گھنٹہ تک روتے رہے۔ پھر مناجات کے کلمات زبان درفشاں سے عرض کئے۔ میرے پروردگار! ہم تیرے نبی کی عترت ہیں ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور ہمیں اپنے جد بزرگوار کے حرم اطہر سے خوف زدہ کیا گیا ہے۔ بنی امیہ نے ہم پر ظلم کیا ہے۔ تو ہی ان سے ہمارا بدلہ لے۔ اور ظالموں کے مقابلہ میں ہماری نصرت فرما۔ لیکن ایک گھنٹہ تک روئے کیوں۔ اور سب کو جمع کر کے ایک نظر دیکھنے کا کیا مطلب تھا؟ اس کی کئی وجہیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) ممکن ہے۔ ورودِ کربلا سے جو اضطراب و گھبراہٹ سی قلوب پر طاری ہو چکی تھی اس اجتماعی صورت کو دیکھ کر قدرے تسکین حاصل کرنا مطلوب ہو۔

(۲) یا ممکن ہے۔ ان کی پیاس بھوک اور ذلت و پریشانی کی جملہ تکالیف کا تصور کرنا مقصود ہو کہ آج تو سب کے سب با امن و امان صحیح و سالم باعزت و احترام ایک جگہ موجود ہیں لیکن عنقریب یہ مجمع دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ ایک گروہ اپنے خون میں غلطاں خاکِ کربلا پر تڑپتا ہو گا۔ اور دوسرا گروہ انتہائی ذلت کی حالت میں اسیر ہو کر دربدر پھرایا جائے گا لیکن جس گروہ نے شہید ہونا ہے۔ ان کو بھی تقسیم کیا جائے گا۔ ان کے بدن نازنین تپتی

ہوئی ریگ صحرا پر رہیں گے۔ اور ان کے سروں کو نوک نیزہ پر بلند کر کے شہر بشہر سیر کرائی جائے گی اور بازاروں میں پھرایا جائے گا۔

(۳) نانا کی سنت پر عمل۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسالتمآبؐ ہمارے گھر تشریف فرما ہوئے۔ تو ہم نے کھانا تقدیم کیا۔ ہمارے لئے ام ایمن کھجور۔ دودھ اور مکھن بطور ہدیہ کے لائی تھی۔ وہ بھی ہم نے آپ کے سامنے پیش کئے۔ پس آپ نے تناول فرمایا۔ جب فارغ ہوئے تو میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ ہاتھوں کو دھو چکنے کے بعد آپ نے منہ کو پونچھ لیا اور انہی ہاتھوں کی تری سے ریش مبارک پر بھی مسح فرما لیا۔ پس اُٹھ کھڑے ہوئے اور گوشۂ گھر میں جو مسجد بنائی ہوئی تھی اس میں داخل ہوئے اور سجدہ میں گر گئے اور بہت دیر تک رویا کئے پھر سر اٹھایا لیکن ہم میں سے کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ آپ سے کچھ دریافت کر سکیں۔ پس حضرت حسینؑ اٹھے اور پاؤں پاؤں چلتے ہوئے نانا کے پاس پہنچ گئے۔ پس آپ کے زانو مبارک پر سوار ہو کر کھڑے ہو گئے اور چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے نانا کے سر کو تھام کر اپنے سینے سے لگا لیا اور اپنی ٹھوڑی کو حضور کے سر پر رکھ دیا اور عرض کرنے لگے نانا جان! آپ کیوں روتے ہیں۔ پس فرمانے لگے۔ بیٹا آج میں تمہیں دیکھ کر بہت خوشحال ہوا ہوں کہ اتنا خوش کبھی نہیں ہوا۔ فوراً میرے پاس جبرئیل امینؑ آئے اور اس نے مجھے تم لوگوں کے مقتول ہونے کی خبر دی اور یہ بھی کہا کہ تمہاری قبریں بھی ایک دوسرے سے جدا جدا ہوں گی۔

(۴) ممکن ہے آپ کی نگاہ حیرت وحسرت کا مرقع ہو۔

(۵) ممکن ہے آپ ابھی سے وداعی نظر کر رہے ہوں۔ کیونکہ اب اطمینان و سکون سے وداع ہو سکتا ہے اور بعد میں ایسا نہ ہو سکے گا۔

(۶) ممکن ہے اس اجتماع سے آپ نے کوفہ و شام کے اجتماعات کو ملحوظ رکھا ہو۔

یہاں گنج شہیداں میں شہیدوں کی لاشوں کو اجتماع ہوگا جو پردہ داروں کو دیکھنا ہوگا۔ کوفہ میں پہنچ کر بازار میں اجتماع علیحدہ دربارِ عام میں ہجوم جدا دیکھنا ہوگا اسی طرح شام کے اجتماعات پردہ داروں کو دیکھنے ہوں گے اور اس کے بعد جو افراد بچ کر زندان شام تک پہنچیں گے وہ وہاں اجتماعی صورت میں کیسے رہیں گے۔ گویا یہی تصورات تھے جنہوں نے برابر ایک گھنٹہ تک حضرت سید الشہداء علیہ السلام کو رُلایا اور جملہ اہل بیتؑ میں بھی گریہ طاری رہا۔

آج عصر کے وقت حضرت تشریف فرما ہیں ابھی جنگ کا زمانہ دور ہے ادھر سے ایک تیر آیا جو آپ کے سینہ اقدس پر لگا۔ دیکھئے یہ تیر سہ شعبہ نہیں بلکہ ہزار شعبہ ہے وہ کون سا تیر ہے۔ کوفہ کی جانب سے ایک قاصد آیا۔ جس نے حرؑ اور اس کے لشکر کو سلام کیا اور حسینؑ کو سلام نہ کیا۔ اس نے عبید اللہ بن زیاد کا خط لاکر دیا۔ "مجھے یزید کا حکم پہنچا ہے کہ آپ اس کی بیعت میں داخل ہو کر اس کی اطاعت قبول کرلیں اور میرے حکم کے نیچے آجائیں ورنہ آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔" یہ خط کیا تھا۔ یہ ایک درد آلود تیر تھا۔ جس نے آنحضرتؐ کے دل مبارک کو دردمند کیا۔ پس آپ نے خط کو پھینک دیا اور فرمایا کہ وہ قوم قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتی جو مخلوق کی رضا مندی کی خاطر اپنے خالق کو ناراض کرے۔ قاصد نے عرض کی حضور! خط کا جواب دیجئے آپ نے فرمایا یہ خط اس قابل نہیں کہ میں اس کا جواب دوں۔

کیا میں عرض کر سکتا ہوں۔ مولا۔ فرزند رسول۔ ابن زیاد کے خط سے تو اسقدر رنجیدہ و ملول خاطر ہو رہے ہیں کہ اس کا جواب دینا بھی گوارا نہیں فرماتے۔ لیکن آپ پر کیا گزری ہوگی۔ جب سر مبارک اس ملعون کی مجلس میں پہنچا ہوگا۔ وہ ملعون تخت پر تھا اور سر مبارک تخت کے نیچے تھا۔ اس ملعون کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی کیا عرض کروں کہ اس نے کون سی بے ادبی کی۔ ہاں اتنا کہتا ہوں۔ زید بن ارقم صحابی رسولؐ سے ضبط نہ ہو سکا اٹھ کھڑا ہوا اور مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ اَعْلِ بِھٰذَا الْقَضِیْبِ

عَنْ ھَاتَیْنِ الشَّفَتَیْنِ — یہ چھڑی ان ہونٹوں سے اٹھالے

فَوَالَّذِیْ لَآ اِلٰهَ غَیْرُہٗ لَقَدْ رَاَیْتُ شَفَتَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ عَلٰی ھَاتَیْنِ الشَّفَتَیْنِ یُقَبِّلُھُمَا

مجھے اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ کے لب ہائے مبارک کو ان پاک لبوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔

لیکن آپ پر اور آپ کے پردہ داروں پر کیا گذری ہوگی۔ جب کہ وہ ملعون سر مبارک کو دیکھ کر ہنستا تھا اور خوش ہوتا تھا۔

ایک بوڑھا مرد آیا اور پردہ داروں کے قریب کھڑے ہو کر کہنے لگا۔ اللہ کا شکر ہے جس نے تمہیں ہلاک کیا اور تمہارے مردوں پہ بادشاہِ وقت کو کامیاب کیا جونہی حضرت سجاد علیہ السلام نے یہ کلمات سُنے۔ اس بوڑھے کی طرف خطاب کر کے فرمانے لگے۔ بتاؤ تم نے قرآن پڑھا ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا مودت فی القربیٰ والی آیت بھی تو نے پڑھی ہے۔ (قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی) اس بوڑھے نے جواب دیا۔ بے شک میں نے یہ آیت پڑھی ہے۔ پس آپ نے فرمایا: نَحْنُ الْقُرْبٰی یَا شَیْخ۔ اے شیخ وہ رسول کے قرابت دار ہم ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں یہ آیت تو نے پڑھی ہے۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ۔ بوڑھے نے کہا کہ ہاں یہ بھی پڑھی ہے۔ آپ نے فرمایا فَنَحْنُ الْقُرْبٰی یَا شَیْخ اے شیخ وہ رسول کے قریبی ہم ہیں۔ پھر فرمایا یہ آیت پڑھی ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی۔ بوڑھے نے کہا کہ ہاں یہ بھی پڑھی ہے تو آپ نے فرمایا فَنَحْنُ الْقُرْبٰی ہم ہیں رسول کے قرابتدار پھر فرمایا۔ کیا یہ آیت تو نے پڑھی ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ اس بوڑھے نے عرض کی۔ جی ہاں۔ یہ بھی پڑھی ہے تو آپ۔

نے فرمایا۔ فَنَحْنُ اَھْلُ الْبَیْتِ الَّذِیْنَ خَصَّنَا اللہُ بِاٰیَۃِ التَّطْھِیْرِ یَا شَیْخَ
ہم وہ اہل بیت رسول ہیں جن کو خدا نے آیت تطہیر سے مخصوص فرمایا ہے۔ وہ بوڑھا
یہ سنتے ہی ششدر و حیران سا رہ گیا پھر کہنے لگا۔ بِاللہِ اَنَّکُمْ ھُمْ۔ خدا کے
واسطے بتلائے آپ وہی ہیں؟ حضرت سجاد علیہ السلام نے فرمایا بِاللہِ اِنَّا لَنَحْنُ ھُمْ
مِنْ غَیْرِ شَکٍّ۔ خدا کی قسم بلا شک ہم وہی ہیں۔ وَحَقِّ جَدِّنَا رَسُوْلِ اللہِ اِنَّا لَنَحْنُ
ھُمْ۔ اپنے نانا رسول اللہ کے حق کی قسم کہ ہم وہی ہیں۔ بس بوڑھے نے آسمان کی
جانب ہاتھ بلند کئے اور کہنے لگا اے اللہ میں دشمن محمدؐ و آل محمدؐ سے بیزار ہوں۔ خواہ
جن ہوں خواہ انسان ہوں۔ پھر عرض کی۔ حضور! میری توبہ کی گنجائش ہے؟ آپ نے فرمایا
ہاں اگر تو توبہ کرے گا تو خدا تیری توبہ کو قبول فرمائے گا اور تو ہمارے ساتھ محشور ہوگا۔
پس فوراً اس نے توبہ کر لی۔ (بحار الانوار)

(اقول) مولانا مرحوم عربی، اردو، و پنجابی کے بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ چنانچہ داخلہ کوفہ
کے موقعہ پر انہوں نے ایک ڈوہڑہ نظم کیا تھا جس کو وہ خود بہت پڑھا کرتے تھے اور بہت روتے
تھے۔ اور وہ یہ ہے ؎

آودے لوگو ویکھنی ہووے جے رب دی بے پرواہی
کوفے دے وچ سیداں دی سرکار لٹیج کے آئی
تطہیر دے پردہ دار ووے منہ والاں نال لکائی
انوں محل دے وچ ہن رو وے انوں سانگے پئی چنج تے بھائی

تیسری مجلس

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ۔

فضل بن روزبہان کے خیال میں اس آیت کے مصداق خلفائے ثلثہ ہیں اور اہل شیعہ
کے نزدیک حضرت امیر علیہ السلام اور دیگر آئمہ طاہرینؑ کے حق میں یہ آیت اتری ہے کسی
مدعی کو ثابت کرنے کے لیے دو طریقے ہوا کرتے ہیں۔ عقلی اور نقلی۔ ہمارے پاس اثبات
مدعا کے لئے ہر دو طرح کے ایسے زبردست دلائل موجود ہیں جن کے تسلیم کرنے سے
مخالف کو بھی اپنے اصول و کتب کے لحاظ سے مجال انکار نہیں۔

دلائل نقلیہ

کتاب الفضائل صدر الائمہ اخطب خوارزم۔ تفسیر ثعلبی در منثور میں ملاحظہ
فرمایئے کہ آیت مذکورہ جناب امیر علیہ السلام کے شان میں اتری ہے
نیز آیت صدق و تصدیق بھی ہمارے مطلب کی خوب تائید کرتی ہے۔ ارشاد قدرت ہے
وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ حلیہ ابو نعیم اور تفسیر
در منثور سیوطی میں مذکور ہے کہ اس آیت میں صَدَّقَ بِہٖ کا مصداق حضرت علیؑ ہے۔ اور
آیت مجیدہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللہِ وَرُسُلِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ
عِنْدَ رَبِّھِمْ لَھُمْ اَجْرُھُمْ وَنُوْرُھُمْ۔ بروایت احمد بن حنبل ۔۔۔۔۔۔ در منثور
سیوطی میں ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے شان اقدس میں ہے۔ وَمَنْ یُّطِعِ اللہَ وَالرَّسُوْلَ
فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ
وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا اس کے متعلق فخر الدین رازی۔ ثعلبی۔ احمد بن حنبل در مسند اور ابن
مغازلی نے روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا صدیق تین آدمی ہیں۔ حبیب
نجار جو مومن آل یاسین ہے اور حزقیل جو مومن آل فرعون ہے اور تیسرے حضرت علیؑ
بن ابی طالب اور یہ ان سب سے افضل ہے۔

دلائل عقلیہ

صدق کے عام معنیٰ کے اعتبار سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے ولادت سے تاحدِ وفات کوئی لفظ زبان مبارک سے ایسا نکالا ہو جو واقعہ سے ناآشنا ہو۔ بخلاف ان لوگوں کے جن کے متعلق آیت مجیدہ کے مصداق ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کے متعلق تو صحاح ستہ میں کاذب غادر خائن ہونے کے الفاظ مل سکتے ہیں۔ علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار میں فرمایا ہے کہ صادق وہ ہو سکتا ہے جس کے قول اور فعل میں جھوٹ نہ ہو۔

بنابریں سورہ فاتحہ کی قرأت میں جو شخص سچائی رکھتا ہو وہ معصوم ہوگا۔ کیونکہ ہر روز کم از کم صرف دس مرتبہ فرائض نمازوں میں وہ کہتا ہے۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ۔ اور خداوند کریم نے قرآن مجید کے متعدد مقامات میں اطاعت شیطان کو عبادت سے تعبیر فرمایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ہر فعل گناہ اطاعتِ شیطان ہوا کرتا ہے۔ گویا ہر گناہ عبادتِ شیطان ہے۔ پس جو شخص اپنی عبادت کو عملی طور پر خدا کے لئے منحصر کر دے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت صرف پروردگار کے لئے ہی ہے۔ نیز اسی طرح اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ اور علاوہ ازیں باقی ایمانی دعوے۔ اللہ پر ایمان۔ قیامت پر ایمان۔ اللہ کی محبت اور اخلاص اور توکل وغیرہ اگر ان تمام زبانی اقراروں کے ساتھ عملی مطابقت بھی شامل ہو تو وہ معصوم نہیں تو اور کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ صادق وہی ہے جو معصوم ہو تو آیت مجیدہ میں ایمان والوں کو تقویٰ کے اختیار کرنے اور معصومینؑ کے ہمراہ ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جن لوگوں کے متعلق فضل بن روزبہان نے آیت مجیدہ کے مصداق ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ باتفاق اہل اسلام وہ معصوم نہ تھے کیونکہ جو شخص خود اپنی زبان سے اعتراف کرے کہ میرے ساتھ ایک شیطان رہا کرتا ہے جو مجھے گمراہ کرتا رہتا ہے۔ اگر میں سیدھا چلتا رہوں تو درست ورنہ مجھے سیدھا کر لیا کرو۔ ایسے کو معصوم کیسے مانا جا سکتا ہے
اس آیت مجیدہ کے متعلق امام فخرالدین رازی کی تقریر کا خلاصہ ملاحظہ فرمایئے:۔

"آیت مجیدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں ایک معصوم شخص کی اتباع ضروری ہے۔ کیونکہ خدا مومنین کو حکم دے رہا ہے کہ صادقین کے ہمراہ ہو جاؤ۔ تو چونکہ قیامت تک کے مومنین کو حکم شامل ہے تو ماننا پڑے گا کہ قیامت تک ہر زمانہ میں ایک معصوم کا وجود بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر معصوم موجود نہ ہو تو اس کے ساتھ ہونے کا حکم درست نہیں ہو سکتا۔ پس اس آیت کا حاصل مطلب یہ ہوگا کہ ہر وہ شخص جس سے خطا کا امکان ہے خواہ کسی زمانہ میں بھی ہو اسے ایک ایسے شخص کی اتباع کرنی چاہیئے جو صادق ہوتا کہ اس کے ذریعے سے اس کی خطا رفع ہو سکے اور یہ ضرورت ہر زمانہ میں پائی جاتی ہے۔ لہذا معصوم کا وجود ہر زمانہ کے لئے ضروری ہے۔"

اس کے بعد کہتا ہے صادقین سے مراد تمام امت کے لوگ ہیں اور وہ اجماع سے جو فیصلہ کریں گے وہ صدق کا فیصلہ ہوگا۔ پس یہ آیت مجیدہ اجماع کی حجیّت پر دلیل ہے چنانچہ اس کی عبارت کا مرادی ترجمہ یہ ہے:۔

"لہذا ضروری ہے کہ امت کا اجماع باطل نہ ہو اور یہ اجماع کی حجیّت پر دلیل ہے اور صادقین سے مراد جمیع امت ہے نہ کہ کوئی خاص فرد جیسا کہ شیعہ لوگ کہتے ہیں، ورنہ اگر ایسا ہوتا تو ہم اس کو پہچانتے ہوتے تا کہ اطاعت کرتے اور اس قسم کا فرد امت میں ہم نہیں پہچانتے۔"

علامہ مجلسی اس کی تردید میں فرماتے ہیں۔

(۱) اس زمانہ میں جب کہ امت اسلامیہ شرقاً و غرباً پھیلی ہوئی ہے۔ اجماع کا حاصل کرنا ناممکن ہے۔ لہذا آیت پر عمل ناممکن ہوگا۔

ابن حزم محلی میں تحریر فرماتے ہیں۔ خدا احمد بن حنبل پر رحم کرے اس نے درست کہا ہے کہ جو اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ اسے کیا معلوم۔ شاید جن

مسئلہ پر وہ اجماع کا دعویٰ کر رہا ہے۔ لوگوں کو اختلاف ہو، نیز عبداللہ بن احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا ہے کہ جو شخص اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ اور جس میں اجماع کا دعویٰ کیا جائے وہ جھوٹ ہے کیا معلوم لوگ اس میں اختلاف رکھتے ہوں۔

نیز اگر کسی مسئلہ میں فوری طور پر اجماع معلوم ہو بھی جائے تاہم کیا ضروری ہے کہ اجماع والے مرتے دم تک اسی نقطۂ خیال سے متفق رہ جائیں۔ کیونکہ بہت بہت ممکن ہے کہ وہ اس قول کی اپنے مرنے سے پہلے تردید کر دیں اور اجماع میں شرط یہ ہے کہ وہ تادمِ مرگ اپنے قول پر باقی بھی ہوں۔

(۲) اگر بالفرض اجماع واقع بھی ہو جائے تو بہت شاذ و نادر مسائل میں ہی ثابت ہو سکے گا۔ پس تمام مسائل ضروریہ میں خطا سے بچنے کا تدارک اجماع کے ذریعے سے کیسے ممکن ہو گا؟

(۳) جن کو ساتھ ہونے کا حکم ہے مفاد آیت کے اعتبار سے وہ اور ہیں اور جن کے ساتھ ہونا ہے وہ اور ہیں یعنی صادق اور ہیں اور صادقین کی اتباع کرنے والے اور ہیں۔ صادقین کی اتباع کرنے والے ہیں۔ امت کے عام افراد اور صادقین ہیں ان میں سے ممتاز افراد اور اگر بقول رازیؔ صادقین سے مراد جمیع امت ہو تو اتباع کرنے والے اور جن کی اتباع کی جائے۔ ان میں فرق کیا رہے گا۔ معنی آیت کا یہ ہو گا، اے امت محمدؐ تم اپنی ہی اتباع کرو (اس طرح خطا اور غلطی سے خوب نجات حاصل ہو گی۔)

(۴) رازیؔ نے آخر میں عذر خوب کیا ہے کہ اگر صادقین سے مراد مخصوص افراد ہوتے تو ہم پہچانتے ہوتے اور چونکہ ہم نے پہچانا نہیں لہٰذا وہ ہیں نہیں اس کا یہ عذر ایسا ہے جس طرح نصرانی کہا کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد کسی رسول

نے نہیں آنا اور حضرت رسالت مآبؐ کے انکار کی بعینہٖ یہی دلیل دیتے ہیں کہ اگر یہ برحق رسول ہوتے تو ہم نے ان کو پہچان لیا ہوتا اور چونکہ ہم نے ان کو نہیں پہچانا لہٰذا وہ رسول ہی نہیں ہیں۔ اس مقام پر بعض بزرگوار استدلال فرماتے ہیں کہ صادقین سے مراد معصومین ہیں کیونکہ صادقین اگر غیر معصوم ہوں۔ تو اولاً غیر معصوم کی اطاعت کا حکم دینا خداوند کریم کی ذات سے بعید بلکہ قبیح ہے۔ اور ثانیاً غیر معصوم کی اطاعت سے یقیناً وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جو مراد خالق ہے کیونکہ مقصد یہ ہے کہ انسان فعلِ معصیت سے گریز کرے اور غیر معصوم شخص سے گناہ کا سرزد ہونا بعید نہیں پس جب ہمیں ہر معاملہ میں اس کی اطاعت کا حکم ہو گا تو اس فعل بد میں بھی ہم اس کی اطاعت کریں گے۔ پس اس صورت میں معصیت سے بچاؤ تو در کنار ایسے شخص کی اطاعت کا امر خود موجب معصیت ہو جائے گا۔

علامہ مجلسی فرماتے ہیں صادقین کے ساتھ ہونے کا مطلب صرف یہ نہیں۔ کہ ظاہری طور پر اپنا جسم ان کے جسم کے قریب رکھے۔ بلکہ مقصود یہاں اطاعت و اتباع ہے۔ پس صادق سے مراد ہے۔ ہر قول و فعل میں سچا۔ اور اسے معصوم کہا جاتا ہے اور وہ سوائے محمدؐ و آل محمدؐ کے اور کوئی ہو نہیں سکتا۔ پس آیت مجیدہ کا مصداق بھی سوائے ان پاک معصوم ہستیوں کے اور کوئی نہیں۔

شیخ مفید اعلی اللہ مقامہ اس مقام پر ارشاد فرماتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ جن لوگوں کو اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور جن کی اطاعت کا حکم ہوا ہے یہ دو گروہ ہونے چاہئیں۔ نیز جن کی اطاعت و معیت کا حکم ہے وہ معہود و معروف ہونے چاہئیں تاکہ آیت پر عمل صحیح ہو سکے اور اگر غیر معروف بھی ہوں تب بھی ان کے نشانات واضح طور پر بیان ہونے چاہئیں تاکہ تشخیص میں آسانی ہو اور ہر لحاظ سے محمدؐ و آل محمدؐ کے علاوہ اس آیت مجیدہ کا مصداق کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا اور ان کا واجب الاطاعت

ہونا ان کی عصمت کی بھی دلیل ہے اور چونکہ مخالفین بھی ان لوگوں کی عصمت کی یقیناً نفی کرتے ہیں جن کے متعلق انہیں آیت مذکورہ کے مصداق ہونے کا دعویٰ ہے تو ثابت ہوا کہ آیت کے مصداق صرف آئمہ طاہرینؑ ہی ہیں۔ نیز نقلی تائیدات بھی اس کی موجود ہیں اور قرآن مجید میں صادقین کے جو اوصاف دوسرے مقامات پر بیان کئے گئے ہیں وہ سوائے اہل بیتؑ کے اور کسی میں کماحقہٗ پائے نہیں جاتے۔

ارشاد قدرت ہے۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ
نیکی یہ نہیں کہ پھیرو منہ اپنے مشرق اور مغرب کی جانب بلکہ نیکی تو اس شخص کی
وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
ہے جو ایمان لائے اللہ۔ قیامت۔ ملائکہ۔ کتاب اور نبیوں پر اور دے مال کو
وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى
اس کی محبت پر قریبیوں۔ یتیموں۔ مسکینوں۔ مسافروں۔ سوالیوں
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ
اور غلاموں کو اور قائم کرے نماز اور دے زکواۃ۔ اور وہ جو پورا
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ
کریں اپنے عہد کو جب عہد کریں اور صبر کرنے والے ہوں سختیوں اور
وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ
تکلیفوں میں اور لڑائی کے وقت۔ یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں متقی۔

اس آیت مجیدہ میں صادقین کی چند علامتیں بیان کی گئی ہیں (۱) ایمان (۲) فی سبیل اللہ مال کا خرچ کرنا (۳) نماز قائم کرنا (۴) زکوٰۃ دینا (۵) وفائے عہد کرنا (۶) سختی و تکلیف میں صبر کرنا۔

صفت ایمان مسند احمد بن حنبل میں ابن عباس سے مروی ہے۔

مَا فِي الْقُرْاٰنِ اٰيَةٌ فِيْهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِلَّا وَعَلِيٌّ رَاْسُهَا وَقَائِدُهَا وَشَرِيْفُهَا وَاَمِيْرُهَا وَلَقَدْ عَاتَبَ اللّٰهُ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ فِي الْقُرْاٰنِ وَمَا ذَكَرَ عَلِيًّا اِلَّا بِخَيْرٍ

قرآن میں جہاں کسی آیت میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا ذکر ہے تو علیؑ ہی اس کا سردار شریف اور امیر ہے اور تحقیق قرآن میں خدا نے اصحاب محمدؐ کو کئی جگہ سرزنش کی ہے لیکن علیؑ کا کہیں بھی ذکر نہیں مگر اچھائی کے ساتھ۔

اسباب نزول۔ تفسیر درمنثور۔ تفسیر کشاف۔ تفسیر نیشاپوری۔ تفسیر کبیر۔ فرائد السمطین فی فضائل المرتضیٰ والزہرا والسبطین۔ تفسیر حسینی اور فصول مہمہ میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ طلحہ بن شیبہ اور عباس نے ایک دوسرے پر فخر و ناز کیا طلحہ نے بیت اللہ کی کلید برداری پر گھمنڈ ظاہر کیا اور عباس نے اپنی سقائی پر ناز کیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ اِيْمَانًا وَاَكْثَرُهُمْ جِهَادًا۔ یعنی میں تمام لوگوں میں سے سابق الایمان ہوں اور سب سے زیادہ جہاد کرنے والا ہوں۔ پس سورۂ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۤجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
کیا بنایا ہے تم حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد الحرام کو تعمیر کرنا اس
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ
شخص کے ثواب کے برابر جو ایمان لائے خدا اور قیامت پر اور جہاد
عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
کرے اللہ کے راستے میں۔ یہ اللہ کے نزدیک ہرگز برابر نہیں اور خدا
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ
نہیں ہدایت کرتا قوم ظالمین کو۔ وہ لوگ جو ایمان لائے جنہوں نے ہجرت

اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ

کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے مالوں اور نفسوں سے وہ اللہ کے

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔

نزدیک بڑے مرتبے والے ہیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

اور بروز خندق جب حضرت امیرالمومنین علیہ السلام عمرو بن عبدود کے مقابلے کے لئے نکلے تو بروایت شرح ابن ابی الحدید جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا خَرَجَ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ اِلَی الْکُفْرِ کُلِّہٖ (کل کا کل ایمان کل کے کل کفر کے مقابلہ میں جارہا ہے) لیکن اس کے مقابلہ میں دوسرے پاس بیٹھنے والوں میں سے بعض کے متعلق فرمایا ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ اَلشِّرْکُ فِیْکُمْ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ تیری ماں تیرا ماتم کرے شرک تم میں چیونٹی سے بھی زیادہ دبی چال چلتا ہے اور ازالۃ الخفا کی روایت میں ہے۔ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّ الشِّرْکَ فِیْکُمْ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ ترجمہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تحقیق شرک تم میں چیونٹی سے بھی زیادہ دبی چال چلتا ہے۔

بعض کے متعلق تفسیر درمنثور اور معالم التنزیل وغیرہ میں ہے کہ انہوں نے بزبان خود اعتراف کیا کہ مَا شَکَکْتُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ اِلَّا یَوْمَئِذٍ ترجمہ جب سے اسلام لایا ہوں آج کی طرح مجھے کبھی شک نہیں ہوا۔ بخاری کی روایت میں ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہ نبوی میں پہنچا اور عرض کی کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا بے شک میں اللہ کا برحق نبی ہوں۔ میں نے عرض کی کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا ایسا ہی ہے میں نے کہا پھر ہمیں اپنے دین میں کمزوری دکھانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا میں خدا کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہ کروں گا اور وہی میرا مددگار ہے۔ میں نے کہا کیا آپ بیان نہیں کیا کرتے تھے کہ ہم جاکر بیت اللہ کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا ایسا ہی ہے۔ لیکن کیا میں

نے اسی سال کا وعدہ کیا تھا؟ تو میں نے عرض کی نہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم آؤ گے اور ضرور طواف کروگے (راوی حدیث) کہتا ہے کہ میں حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور یوں سلسلہ کلام جاری ہوا۔ کیا یہ شخص اللہ کا برحق نبی نہیں ہے؟ حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ ہے۔ میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ایسا ہی ہے۔ میں نے کہا پھر ہم اپنے دین میں کمزوری کیوں دکھائیں؟ تو حضرت ابوبکر نے جواب دیا۔ اے مرد۔ وہ اللہ کا رسول ہے اور وہ اپنے پروردگار کی نافرمانی نہیں کرتا اور وہی اس کا مددگار ہے پس اسی کے ساتھ تمسک پکڑ بخدا وہ حق پر ہے میں نے کہا کہ کیا اس نے ہمارے ساتھ وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم بیت اللہ پہنچ کر طواف کریں گے؟ حضرت ابوبکر نے کہا یہ ٹھیک ہے لیکن کیا انہوں نے اسی سال کے متعلق فرمایا تھا۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ تو اس نے کہا کہ تم ضرور جاؤ گے اور طواف بھی کروگے (مواہب لدنیہ) اسی موقعہ پر حضورؐ نے یہ بھی فرمایا تھا۔

(اور تم بھول گئے احد کا دن کہ میں پکارتا تھا اور تم مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے اور مجھے تنہا چھوڑے بھاگے جاتے تھے اور تم روز احزاب کو بھول گئے کہ دشمن اعلیٰ و اسفل سے متوجہ تھے اور جو خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا وہاں پورا ہوا)

اس کے بعد ایک ایک واقعہ کو جو خدا کی مہربانیوں اور انجاز وعدہ پر مشتمل تھا ان کو یاد دلایا۔ (معارج النبوۃ)

طبری نے اپنی تاریخ میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ میں نے اس دن باتیں کیں۔ ان کے کفارہ میں میں نے روزے رکھے۔ صدقے دیئے نمازیں پڑھیں اور غلام آزاد کئے۔ یہاں تک کہ مجھے خیر کی امید ہوگئی۔ اور بقول معارج النبوۃ و روضۃ الاحباب۔ حضرت عمر نے اقرار کیا کہ اس دن امر عظیم میرے دل میں پیدا ہوگیا

تھا"

(۲) صادقین کی دوسری صفت راہِ خدا میں خرچ کرنا۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً

وہ لوگ جو اپنے مالوں کو رات میں۔ دن میں پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں

فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ

ان کے لئے اپنے پروردگار کے پاس اجر ہے اور ان پر کوئی خوف

وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ٥

نہ ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔

تفسیر درمنثور۔ ثعلبی اور کشاف میں ہے کہ یہ آیت مجیدہ حضرت علیؑ کے حق میں اتری۔ آپ کے پاس چار درہم تھے۔ ایک رات میں ایک دن کو ایک پوشیدہ اور ایک ظاہراً راہ خدا میں خرچ کیا تب یہ آیت اتری۔ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا (اللہ کی محبت میں یتیم مسکین و اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں) بلکہ پوری سورۂ دہر ہی حضرت امیرؑ کے شان میں اتری۔ چنانچہ ثعلبی۔ واحدی۔ مناقب خوارزمی۔ کشاف اور بیضاوی نے بھی لکھا ہے اور اس سورہ مجیدہ کی تاریخ نزول ۲۶ ذوالحجہ ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں

	مجھے کب تک ملامت کی جائے گی۔
اِلَامَ اُلَامُ وَحَتّٰی مَتٰی	اور کب تک مجھے سرزنش کی جائے گی
اُعَاتَبُ فِیْ حُبِّ هٰذَا الْفَتٰی	اس جوان کی محبت میں۔ کیا ان کے
وَهَلْ زُوِّجَتْ فَاطِمُ غَیْرَهٗ	علاوہ فاطمہ کی شادی کسی سے ہو سکی؟
وَفِیْ غَیْرِهٖ هَلْ اَتٰی هَلْ اَتٰی	اور کیا کسی غیر کے حق میں بھی هَلْ

آئی اتری؟

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے کربلا کے قیام کے دوران میں ایک حاجتمند کو ایک ہزار دینار کی قیمت کے پارچات عطا فرمائے۔ افسوس جس سخی نے ایسے سخت وقت میں بیش قیمت کپڑے دیئے۔ اسے کفن نہ ملا۔ چنانچہ زیارت ناحیہ کا فقرہ ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَی الْمَدْفُوْنِ بِلَا کَفَنٍ۔ میرا سلام اس پر ہو جسے کفن پہنائے بغیر دفن کیا گیا۔

شہید کا اپنا لباس کفن ہوا کرتا ہے۔ مگر اسی زیارت کا ایک فقرہ ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَی الْبَدَنِ السَّلِیْبِ۔ میرا سلام اس بدن پر ہو جس سے لباس اتار لیا گیا۔ (کفن پہنانا تو درکنار۔ پہنا ہوا لباس جو کفن کے قائم مقام تھا۔ وہ بھی مسلمانوں نے اتار لیا۔)

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَیْتُمُ	اے ایمان والو۔ جب تم رسول کے
الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ	ساتھ تنہائی میں کوئی بات چیت کرو
نَجْوَاکُمْ صَدَقَةً"	تو اس سے پہلے صدقہ دے لیا کرو۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں ایک ایسی آیت موجود ہے جس پر مجھ سے پہلے یا میرے بعد کوئی شخص بھی عمل کرنے پر موفق نہ ہو سکا اور وہ آیت نجویٰ ہے۔ چنانچہ ثعلبی۔ واقدی۔ مناقبِ ابن مغازلی۔ بیضاوی اور تفسیر نیشا پوری میں ہے کہ حضرت امیرؑ نے جناب رسالت مآبؐ سے دس مرتبہ نجویٰ کیا (اور صدقہ دے کر ہی کیا) اوروں نے تو ایک دمڑی بھی نہ دی بھلا آبائی مفلس عبد اللہ بن جدعان کے ٹکڑوں پر اپنے پیٹ بھرنے والے کیا خرچ کر سکتے تھے؟ (اَبَا قُحَافَةَ) کَانَ اَجِیْرًا لِابْنِ جُدْعَانَ عَلٰی مَائِدَتِهٖ یَطْرُدُ عَنْهَا الذِّبَّانَ (شرح ابن الحدید) یعنی حضرت ابو قحافہ عبد اللہ بن جدعان کے ہاں ملازم تھے جب اس کے

ہاں مہمان آتے اور دسترخوان چنا جاتا تو آپ مگس رانی کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔

مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت ابوبکر کے پاس دو اونٹ تھے جن کو چار سو یا بروایت آٹھ سو درہم میں خریدا تھا اور چار ماہ خوب ان کو گھاس چارہ کھلا کر موٹا تازہ کرلیا تھا۔ پس وہ دونوں (ہنگام ہجرت) آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیے تاکہ آپ ان میں سے ایک کو شرف قبولیت بخشیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں قبول کرتا ہوں بشرطیکہ مجھ سے قیمت لی جائے۔ پس آپ نے ابوبکر صدیق سے ایک کو نوسو (۹۰۰) میں خریدا۔

حیوۃ الحیوان میں ہے۔ کَانَ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ بَزَّازًا وَکَذَالِکَ عُثْمَان وَطلحتہ وَعبدالرحمٰن بن عوف وَکَانَ عُمَرُ دَلَّالًا یَسْعٰی بَیْنَ الْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِیْ (حضرت ابوبکر بزاز تھے بلکہ حضرت عثمان وطلحہ اور عبدالرحمن بن عوف بھی بزازی کا شغل رکھتے تھے اور حضرت عمر دلالی کے فرائض انجام دیا کرتے تھے (یعنی قبل از اسلام) نیز اسی کتاب میں ہے کہ حضرت عثمان کی حقیقی بہن مشاطہ گری کا کام کرتی تھیں یعنی (دایہ گری آپ کا پیشہ تھا)

ازالۃ الخفاء مقصد دوم میں ہے کہ عمر بن عاص کہتا ہے "خدا اس زمانہ پر لعنت کرے جس میں حضرت عمر بن خطاب کی طرف سے والی وحاکم تھا خدا کی قسم میں نے بچشم خود ان دونو باپ بیٹے کا ایک زمانہ دیکھا کہ ان دونو کے اوپر نہایت گھٹیا قسم کا کپڑا تھا جس کا انہوں نے تہ بند بنایا تھا جو بمشکل ان کے گھٹنوں تک پہنچتا تھا اور ان کے کندھوں پر لکڑیوں کے گٹھے ہوا کرتے تھے جب کہ عاص بن وائل زربفت لباس پہنا کرتا تھا۔

۳۔ صادقین کی تیسری اور چوتھی صفت نماز اور زکوٰۃ

قرآن مجید بعض لوگوں کی نماز کی کیفیت بیان کرتا ہے۔ "تَرَکُوْکَ قَائِمًا" سورہ جمعہ میں ہے جب یہ لوگ تجارت یا لہو ولعب کی چیز سنتے یا دیکھتے ہیں تو اس طرح بھاگ جاتے ہیں اور آپ کو بحالت قیام تنہا چھوڑ جاتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ایک شخص کا اپنا اعتراف موجود ہے۔ اَلْهَانِی الصَّفْقُ بِالْاَسْوَاقِ یعنی بازار کی سودا بازی نے مجھے غافل کردیا تھا۔ کنزالعمال میں ہے آپ نے حضرت سے دریافت فرمایا کہ کیا یہی چیز تجھے غافل کردیتی ہے تو انہوں نے جواب میں عرض کی ہاں۔

دوسری طرف حضرت امیرالمومنینؑ کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد سنیئے۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ آمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ ہ درمنثور۔ ثعلبی۔ رازی۔ نیشاپوری۔ تفسیر طبری۔ اسباب النزول۔ خصائص نطنزی۔ صحیح نسائی۔ زمخشری اور بیضاوی جیسے اکابر علماء اہلسنت کا اعتراف ہے کہ یہ آیت مجیدہ حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی۔

جنگ صفین کے موقعہ پر حضرت ابوہریرہ کا ارشاد ہے۔ اَلصَّلٰوۃُ خَلْفَ عَلِیٍّ اَقْوَمُ وَطَعَامُ مُعَاوِیَۃَ اَدْسَمُ وَالْقُعُوْدُ عَلٰی هٰذَا التَّلِّ اَسْلَمُ (نماز علیؑ کے پیچھے درست تر اور روٹی معاویہ کے دسترخوان پر لذیذ تر اور اس ٹیلے پر تماشائی بن کر بیٹھنا سلامتی کے قریب تر ہے۔ یہ علیؑ ہی کا کام ہے جنگ صفین میں لیلۃ الہریر میں بھی آپ نے ایک ہزار رکعت نماز ادا فرمائی۔

اس مقام پر ایک اور امام اور ماموین کی نماز اور ان کا نماز کے لیے اشتیاق ملاحظہ فرمائیے۔

نویں محرم کو شمر وارد کربلا ہوا اور عمر بن سعد کی طرف سے تہدیدی پیغام لایا جس کی بنا پر نویں کی عصر کو حملہ کی تیاری ہوئی۔ حضرت سید الشہداؑ نے حضرت عباسؑ کو بھیجئے

ہیں اور فرماتے ہیں جس قدر ممکن ہوسکے۔ ان سے کل تک کی مہلت لے لیں اور آج رات ہمیں عبادت کے لئے دی جائے تاکہ ہم جی بھر کر نماز پڑھیں دعا مانگیں اور استغفار کریں۔ مجھے استغفار، کثرتِ دُعا، قرآن خوانی اور نماز سے جس قدر محبت ہے وہ اللہ جانتا ہے۔ ملہوف میں ہے کہ جب عمر بن سعد سے یہ خواہش کی گئی تو وہ چپ ہوگیا اور منتخب میں ہے کہ اس نے شمر سے اس بارہ میں مشورہ لیا تو شمر نے جواب دیا کہ اگر اس مقام پر امیر میں ہوتا تو ہرگز مہلت نہ دیتا۔ ملہوف میں ہے کہ عمرو بن حجاج زبیدی نے عمر بن سعد سے کہا خدا کی قسم اگر ترک و دیلم سے بھی یہ لوگ ہوتے اور ہم سے اس قسم کا سوال کرتے تو ہم ضرور ان کو ردّ نہ کرتے۔ چہ جائیکہ یہ لوگ آلِ محمد ہوتے ہوئے ہم سے سوال کریں اور ہم ردّ کر دیں۔ پس انہوں نے یہ بات سُن کر ایک شب کی مہلت دینے پر رضامندی ظاہر کی۔

بَاتَ الحسین وَاَصْحَابُہ تِلْکَ اللَّیْلَۃَ وَلَھُمْ دَوِیٌّ کَدَوِیِّ النَّحْلِ بَیْنَ قَائِمٍ وَقَاعِدٍ وَرَاکِعٍ وَسَاجِدٍ۔ (امام حسین اور ان کے صحابہ نے یہ رات اس طرح گذاری کہ مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح تسبیح و تقدیس کی آواز ان سے بلند تھی بعض حالتِ قیام میں بعض حالت قعود میں بعض رکوع میں اور بعض سجود میں دکھائی دیتے تھے۔ بروایت ابن طاؤس۔ عبادت شب عاشورہ کے اثر سے ۳۲ آدمی لشکرِ مخالف سے جدا ہو کر حضرت کے لشکر میں ملحق ہوئے اور سعادتِ ملازمت اختیار کی۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام روایت فرماتے ہیں کہ رات کے وقت جناب سید الشہداء علیہ السلام نے بعض اشعار پڑھے جن میں انقلاب زمانہ اور اس کی بے ثباتی کا تذکرہ فرمایا۔ چنانچہ وہ اشعار یہ ہیں:۔

یَادَھْرُ اُفٍّ لَّکَ مِنْ خَلِیْلٍ — اے زمانہ تیری دوستی پر اف

کَمْ لَکَ بِالْاِشْرَاقِ وَالْاَصِیْلِ — ہو تیرے اقبال و ادبار کا کوئی وقت
مِنْ صَاحِبٍ وَطَالِبٍ قَتِیْلٍ — نہیں۔ کئی دوست ساتھی قتل ہوتے
وَالدَّھْرُ لَا یَقْنَعُ بِالْبَدِیْلِ — ہیں اور زمانہ بدلہ پر قناعت نہیں
وَاِنَّمَا الْاَمْرُ اِلَی الْجَلِیْلِ — کرتا بس سب معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے
وَکُلُّ حَیٍّ سَالِکٌ سَبِیْلِ۔ — اور ہر زندہ نے اسی راہ پر جانا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے جب یہ اشعار سنے تو سمجھ گیا کہ مصائب کا زمانہ آگیا ہے لیکن ضبط سے کام لیتے ہوئے خاموش رہا لیکن میری پھوپھی زینب عالیہ نے جب سنا تو فوراً نوحہ کرتی ہوئی سر برہنہ اُٹھ کھڑی ہوئیں اور فرمایا۔ ہائے آج نہ تیری ماں فاطمہؑ نہ باپ علیؑ نہ بھائی حسنؑ موجود ہے تو ہی تو ہمارا سہارا ہے اور یہ اشعار تو ایسی زبان سے سرزد ہوتے ہیں جسے موت کا یقین ہو۔ کاش! مجھے یہ وقت دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

حضرت حسینؑ نے فرمایا۔ بہن صبر سے کام لیجئے اور آپؑ بھی بہت روئے پھر جنابِ زینبؑ عالیہ نے بھائی سے کچھ کلام کیا اور گریباں چاک کرتے ہوئے منہ پیٹ لیا۔ یہاں تک کہ بے ہوش ہوگئیں۔ آپ بنفسِ نفیس اُٹھے اور بہن کے منہ پر پانی چھڑکا۔ جب زینبؑ عالیہ نے آنکھ کھولی تو آپ نے فرمایا۔ بہن تم رسول کی نواسی ہو۔ تقویٰ اختیار کرو۔ اور صبر سے کام لو۔ تمام اہل زمین و اہل آسمان نے آخر مرنا ہے اور سوائے رب العزت کے کوئی چیز زندہ نہ رہے گی۔ میرا باپ میری ماں میرا بھائی مجھ سے بہتر تھے اور ہر انسان نے جناب رسولِ خدا کے نقش قدم پہ جانا ہے اسی طرح بہت دیر تک آپ بہن کو تسلیاں دیتے رہے اور آخر کار انہیں اپنے خیمہ میں لے گئے۔

رات گذری صبح عاشورہ کی اذان دی گئی اور حضرت سید الشہداء کی اقتدار میں نماز پڑھی

گئی۔ اور آپ نے فرمایا کہ ہم سب قتل کئے جائیں گے صرف میرا فرزند علی زین العابدینؑ باقی بچے گا۔

ظہر کی نماز کا وقت قریب آیا۔ ابو ثمامہ صیداوی نے عرض کی کہ حضور جب ہماری جان میں جان موجود ہے آپ کو قتل نہ ہونے دیں گے۔ پہلے ہم قتل ہوں گے اور پھر آپ کو کوئی قتل کرے گا۔ لیکن نماز کا وقت ہے دل چاہتا ہے کہ یہ آخری نماز بھی آپ کی اقتدا میں ادا کر لوں اور پھر اللہ کی بارگاہ میں درجہ شہادت پر فائز ہو کر پیش ہوں آپ نے فرمایا ذَکَرْتَ الصَّلٰوۃَ جَعَلَکَ اللّٰہُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ یعنی تو نے نماز کو یاد کیا۔ خدا تجھے نمازیوں سے کر اٹھائے۔ ذرا قول نماز کی اہمیت کو ملاحظہ فرمائیے۔ صحابہ موت کی تیاری میں مصروف ہیں اور نماز کا شوق دل میں ہے اور حضرت سید الشہداؑ بھی دعائیں فرماتے ہیں خدا تجھے روز محشر نمازیوں کے زمرے میں اٹھائے ایسے آڑے وقت میں جو دوست انتہائی وفادار ہو اس کو نہایت مخلصانہ دعا دی جاتی ہے اس کے لئے بڑی سے بڑی چیز کی دعا کی جاتی ہے۔ حضرت حسینؑ اپنے مخلص دوست کو بڑی سے بڑی دعا دے رہے ہیں کہ خدا تجھے نمازیوں میں سے اٹھائے۔ حالانکہ ابو ثمامہ کا قدم میدان شہادت میں ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ خدا تجھے شہیدوں سے کر اٹھائے۔ اس سے زیادہ نماز کی اہمیت اور کیا بیان کی جاسکتی ہے۔

آپ نے فرمایا بے شک نماز کا اول وقت ہے ان سے کہو ذرا رک جائیں تاکہ ہم نماز پڑھ لیں۔ عمر بن سعد سے کہا گیا کہ ہمیں نماز کی مہلت دی جائے لیکن اس نے نہ مانا تو حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے فرمایا اس پر شیطان مسلط ہو چکا ہے پھر آپ نے خود اذان کہی اور ارادہ نماز فرمایا تو حصین بن نمیر کہنے لگا بے شک آپ نمازیں پڑھئے لیکن آپ کی نمازیں قابل قبول نہیں۔ اس ناہنجار کی اس گندیدہ دہنی سے حضرت حبیب بن مظاہر تلملا اُٹھے اور آخر کار ان سے رہا نہ گیا اور فرمایا اے شرابی عورت کے بیٹے۔ کیا تیری نماز قبول

ہے اور فرزند رسولؐ کی نماز قابل قبول نہیں؟ پس بارگاہ سید الشہداء میں عرض گذار ہوا حضور! مجھے اجازت مرحمت فرمائیے میں یہی نماز جنت میں جا کر پڑھوں گا اور آپ کی جانب سے آپ کے نانا، باپ، بھائی اور والدہ کو سلام پہنچاؤں گا۔

پس آپ نے اس مختصر سی جماعت کے ساتھ نماز ادا فرمائی اور سعید بن عبداللہ حنفی اور زہیر بن قین سے فرمایا کہ تم دونوں میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ چنانچہ اسی طرح آپ نے نماز خوف پڑھی یہ نماز خاص نماز قصر تھی لیکن ان میں سے بعض نے تو قصر نماز بھی قصر کر دی۔ یہ نماز ایک خاص نوعیت کی تھی اس کی تکبیر جدا۔ قیام خاص اور اسی طرح رکوع سجود تسلیم و تعقیب سب کی حیثیت جداگانہ تھی۔ زخموں سے چور چور تھے کہ زمین پر سنبھل کر نہ بیٹھ سکتے تھے۔ گاہے اٹھتے اور پھر منہ کے بل زمین پر گر پڑتے تھے۔ قنوت کی بجائے یہ دعا زبان اقدس پر جاری تھی۔

"اے اللہ جو صاحب مکان و منزل بلند۔ عظیم الجبروت۔ شدید المحال مخلوق سے بے نیاز صاحب سلطنت وسیعہ ہر شیٔ پر قادر جس کی رحمت قریب وعدہ سچا۔ نعمت کشادہ اور آزمائش برمحل ہے۔ جب پکارا جائے تو قریب اپنی مخلوق پر محیط توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول کرنے والا۔ مراد پر قدرت رکھنے والا۔ ہر مطلوب کو درک کرنے والا ہر شکر گزار کا شاکر اور ہر ذکر کرنے والے کا ذاکر ہے۔ میں تیری ذات کی طرف حاجتمند ہو کر تجھے پکارتا ہوں۔ تیری طرف فقر کے پیش نظر راغب ہوں۔ تجھ سے خوف زدہ ہو کر گڑگڑاتا ہوں حالت مصیبت میں تیری طرف ہی اظہار اندوہ کرتا اور روتا ہوں۔ حالت مصیبت تجھ سے ہی طالب نصرت ہوں اور تجھے کافی سمجھتے ہوئے تجھ ہی پر توکل کرتا ہوں۔

ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان تو ہی فیصلہ فرما۔ انہوں نے ہمیں دھوکا و فریب

دیا اور ہم سے دغا کر کے ہماری نصرت سے ہاتھ اٹھا لیا اور ہمارے قتل کے درپے ہو گئے۔ حالانکہ ہم تیرے نبی کی عترت اور تیرے مصطفیٰ اور امین وحی محبوب کی اولاد ہیں تو ہمارے معاملہ میں ہمارے لئے فرج وکشادگی پیدا کر دے بتصدق اپنی رحمت کے اے رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا۔

آپ کا سجدہ کیا تھا؟ پس اپنی زخمی پیشانی کو تپتی ہوئی ریتی پر خوشنودیٔ خدا کے لئے رکھ دیا۔

تشہد وسلام۔ روحِ مقدس کا قفسِ عنصری سے پرواز کر کے بارگاہِ رب العزت میں جانا تھا۔

رفع راس۔ نیزہ پر ہوا۔

اور تعقیبات وہ اذکار تھے جو آپ نے نوک نیزہ پر شہر بشہر سنائے۔ چنانچہ سورۂ کہف کی تلاوت نوک سنان پر کرتے گئے۔ سجدہ ایسا کیا کہ آج تک سر نہ اٹھا اور جب سر کو زمین پر رکھا تھا تو تمام عالم سے نالا و فریاد کی آوازیں بلند ہوئی تھیں۔ جو آج تک بلند ہیں اور رہتی دنیا تک بلند رہیں گی۔ بلکہ قیامت کے روز بھی اس کا اعادہ ہوگا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

(اقول) میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ ایک ذاکر نے مجلس میں پڑھا۔ جب شمر سرِ پاک کو جدا کر چکا تو اتنے زور سے زمین پر پھینکا کہ گرد بلند ہوئی پس سننے والوں میں سے کسی نے ٹوک دیا کہ ایسی سخت روایت نہ پڑھو وہ ذاکر غمزدہ ہو کر سویا تو عالمِ خواب میں امام مظلوم کی زیارت نصیب ہوئی اس نے اپنی پریشانی کی وجہ امام کو بتائی تو امام مظلوم نے فرمایا یہ لوگ اتنا بھی نہیں سن سکتے۔ حالانکہ میرے ساتھ اس سے بھی زیادہ ظلم ہوا ہے۔

چوتھی مجلس

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ

(۵) ایمان والوں کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ وفائے عہد۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے۔ "مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ فَمِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا"

(سورہ احزاب پ ۲۱)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام منبر کوفہ پر خطاب فرما رہے تھے کہ اسی آیت کے متعلق کسی شخص نے سوال کر دیا تو جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ آیت مجیدہ میرے حق میں اور میرے عم محترم حضرت حمزہ اور میرے چچازاد حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب کے حق میں اتری ہے۔ حضرت عبیدہ بن حارث جنگِ بدر میں جام شہادت نوش فرما چکے تھے اور حضرت حمزہ نے احد میں شہادت کا مرتبہ حاصل کیا اور میں اس کی انتظار میں ہوں کہ اس امت کا بدبخت ترین انسان میری ریش سفید کو خونِ سر سے خضاب کرے گا۔

آیت مجیدہ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ الخ کے تحت علامہ زمخشری رقمطراز ہیں کہ جنگ صفین میں حضرت علیؑ باریک لباس پہنے ہوئے دونو صفوں کے درمیان ٹہل رہے تھے۔ تو آپ کے فرزند دلبند حضرت حسنؑ مجتبیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔ باباجان جنگ لڑنے والوں کا یہ طرز عمل تو نہیں ہوا کرتا؟ آپ نے فرمایا۔ بیٹا! تیرے باپ کو اس امر کی کوئی پرواہ نہیں کہ موت پر خود جا پڑوں یا موت مجھ پر آ پڑے۔ آپ ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ رسالت میں سوال کیا کہ حضور! آپ نے احد کے دن جب کہ مسلمانوں میں سے درجۂ شہادت پر فائز ہونے والے فائز ہو

چکے اور مجھے یہ بات شاق گذری۔ تو آپ نے فرمایا تھا۔ تجھے شہادت کی بشارت ہو کہ شہادت تیرے پیچھے آ رہی ہے۔ تو پھر یا علیؑ صبر کیسے کرو گے۔ میں نے عرض کی تھی حضور! یہ تو آپ خوشخبری سنا رہے ہیں لہٰذا مقام شکر ہے نہ کہ مقامِ صبر۔

وفائے عہد کی شان میں دوسرے اکابر کا اگر جائزہ لیا جائے تو بڑے بڑوں کا دامن کوتاہ نظر آتا ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں کئی ایک کا غادر ہونا ثابت ہوتا ہے جو لوگ بیعت رضوان میں شریک تھے جنگ حنین میں وہی پسپا نظر آتے تھے چنانچہ حضرت عباس ان کو یا اصحاب شجرہ کے لفظ سے آواز دیکر بلاتے تھے۔ بیعت غدیر ہوئی لیکن باوجود تاکید حضرت جبرئیلؑ کے ایسی مخالفت کی کہ خدا کی پناہ۔

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر سُن کر سورۂ احزاب کی یہی آیت مجیدہ تلاوت فرمائی تھی۔ جو ابتداء میں ذکر کی گئی ہے

آیئے میں آپ کو ایک عجیب الفائے عہد دکھلاؤں۔ یہ تو سن چکے کہ آپ کو برابر ہر طرف سے وحشت ناک خبریں آ رہی تھیں۔ عالم خواب میں بھی واقعات ہائلہ نظر آ رہے تھے۔ ہاتف کی زبان پر بھی یہی مضمون تھا مگر سید الشہداء علیہ السلام کی حالت یہ تھی کہ طرماح بن عدی سے مروی ہے کہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ خدا کی قسم میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے پاس فوج نہیں اور یہی تھوڑی فوج جو اس وقت آپ کے گرد و پیش موجود ہے اگر آپ سے لڑ پڑے تو آپ کے معدودے چند ساتھیوں کے لئے تو ان کے ساتھ مقابلہ بھی شاید مشکل ہو گا۔ حالانکہ میں نے کوفے سے روانگی سے ایک دن پہلے کوفہ کے باہر اس قدر فوج کثیر دیکھی کہ آج تک میری دونوں آنکھوں نے ایک میدان میں اتنا کثیر مجمع نہیں دیکھا تھا اور میرے دریافت کرنے پر مجھے جواب دیا گیا کہ یہ سب حسینؑ کے ساتھ لڑنے کو جا رہے ہیں پس میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ ایک بالشت بھی آگے بڑھنے سے گریز فرمائیں اور اگر آپ اپنے

نظریئے پر نظر ثانی کرنے کے لئے کوئی مقام امن چاہیں جس میں رہ کر اس معاملہ کے نشیب و فراز پر غور کریں تو آپ میرے ہمراہ چلیں کیونکہ ہمارے پاس ایک پہاڑ ہے جو ہمارا حفاظتی قلعہ ہے جسے ہم اجاء کہتے ہیں۔ خدا کی قسم اس پہاڑ کی بدولت ہم لوگ غسان و حمیر کے سلاطین اور نعمان بن منذر بلکہ ہر سیاہ و سفید کے حملوں سے محفوظ رہے ہیں۔ اور جو بھی آگے بڑھا وہ وہاں ذلیل ہوا۔ پس میں آپ کو وہاں لے جاتا ہوں وہاں رہ کر اجاء و سلمیٰ کے اطراف میں جس قدر بنی طے کے لوگ موجود ہیں ان کو بھی ہم دعوت دیں گے اور بخدا دس دن کے اندر اندر طے کا پورا قبیلہ سوار اور پیادہ آپ کے قدموں میں حاضر ہو جائے گا اور مزید یقین دہانی کے لئے عرض کرتا ہوں کہ آپ ہمارے ہاں ٹھیریں تو بیس ہزار بنی طے کے جنگجو بہادروں کا میں ذمہ دار ہوں جو آپ کے سامنے مردِ میدان بن کر تلوار زنی کریں گے اور جب تک ان میں کسی کی جان میں جان ہو گی تو مجال نہیں کہ کوئی دشمن آپ تک پہنچ سکے۔ آپ نے یہ سب باتیں سن کر فرمایا۔ خدا تجھے اور تیری قوم کو جزائے خیر دے۔ میرا ان لوگوں سے ایک معاہدہ ہو چکا ہے کہ اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ اور تجھے کیا معلوم کہ میرے اور ان لوگوں کے معاملہ کا انجام کیا ہو گا۔ طرماح کہتا ہے کہ میں نے اجازت چاہی اور دعا کی کہ خدا آپ کو جن و انس کے شر سے محفوظ رکھے اور عرض کی کہ میں نے بیوی بچوں کے لئے خورد و نوش کا سامان خریدا ہے میں یہ سامان ان کے حوالے کر کے فوراً واپس آؤں گا۔ اگر میں پہنچ گیا تو آپ کے انصار میں داخل ہوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر یہ ارادہ ہے تو خدا تجھ پر رحم کرے۔ عجلت سے کام لینا۔ طرماح کہتا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ کا فوری واپسی کا مطالبہ خطرے کی خبر دیتا ہے۔ پھر میں نے گھر جا کر بیوی بچوں کو سامان دیا اور وصیتیں کی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ اب کی مرتبہ یہ نئی بات کیوں کہہ رہے ہو تو میں نے واقعات کی ان کو اطلاع دی اور جلدی سے واپس لوٹا جب

مقام عذیب الہجانات کے قریب پہنچا تو سماعہ بن بدر سے ملاقات ہوئی اور حالات دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ آپ شہید ہو چکے ہیں۔ (طبری۔ کامل)

(۶) ایمان والوں اور صادقین کی چھٹی صفت۔ سختی اور تکلیف میں صبر کرنا چنانچہ مسیّب بن نجبہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر علیہ السلام خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک بدوی کھڑے ہو کر اپنی مظلومی پر رو دیا تو آپ نے اسے قریب بلا کر فرمایا کہ تیرے اوپر تو ایک ظلم ہوا ہے اور میرے اوپر ذرات ریگ کے برابر ظلم ہوئے ہیں۔ اور ایک خطبے میں فرمایا کہ عام دستور یہ ہے کہ رعایا حکمرانوں کے ظلم سے ڈرا کرتی ہے اور بخلاف اس کے میں اپنی رعایا کے ظلم سے ڈرتا ہوں۔

حالانکہ شجاعت کی خداداد دیتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابو نعیم نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت علیؑ نے عمرو بن عبدود کو تہِ تیغ کیا تو یہ آیت اتری۔ "كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ بِعَلِيٍّ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا"۔ ابن مسعود اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے۔

بحار الانوار میں ہے کہ مصعب بن زبیر کہتا ہے۔ حضرت علیؑ میدان جنگ میں نہایت ہوشیار رہتے تھے کہ کسی کو آگے بڑھنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی اور آپ صرف اپنے سینے کی ہی حفاظت کرتے تھے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ پیچھے کا فکر کیوں نہیں کرتے تو فرمایا۔ خدا مجھے وہ دن نصیب نہ کرے۔ جب دشمن کو پشت دکھاؤں۔

شرح ابن ابی الحدید میں ہے کہ حضرت علیؑ نے ارباب شوریٰ کے سامنے احتجاج کرتے ہوئے قسمیہ ان سے دریافت فرمایا تھا کہ کیا ایسا نہیں کہ کئی دفعہ اصحاب رسولؐ حضور کو جنگ کی سختیوں میں چھوڑ کر بھاگ گئے اور صرف میں ہی وہ ایک شخص ہوں جو کبھی نہیں بھاگا تھا تو سب نے آپ کے ان کلمات کی "تائید کی تھی۔

کل غزوات کی تعداد ۲۶ ہے اور بڑی جنگیں ۹ ہوئیں۔ بدر۔ احد۔ خندق۔ قریظہ مصطلق۔ خیبر۔ فتح مکہ۔ حنین۔ طائف

ان تمام غزوات اور جنگوں میں کسی روایت میں نہیں ملتا کہ اول کے ہاتھوں کوئی دشمن دین قتل ہوا ہو۔ اور واقدی کی روایت کے مطابق ثانی کے ہاتھوں ضرور ایک دشمن دین قتل ہوا اور ثالث کا حال بھی اول کی طرح ہے اور شیر بیشۂ شجاعت حضرت علیؑ کے ہاتھوں ان جنگوں میں ۹۴ نامی گرامی آزمودہ کاران حرب و ضرب واصل جہنم ہوئے۔ حضرت رسالت مآبؐ نے جو لشکر گرد و نواح میں روانہ کئے ان میں سے ایک میں حضرت ابو بکر کو روانہ فرمایا تھا جس میں وہ بخیریت واپس آ گئے تھے۔ پھر حضرت عمر تشریف لے گئے۔ اور وہ بھی واپس تشریف لائے اور حضرت عثمان کو تو تکلیف ہی نہ دی گئی اور پھر حضرت علیؑ کو تین دفعہ بھیجا گیا جن میں آپ نے ۱۲ شجاعانِ عرب کو تہِ تیغ فرمایا اور فتح و ظفر سے مراجعت فرما ہوئے۔

بعثت کے چھ برس بعد جب قریش کی سختیوں سے تنگ آ کر حضرت ابوطالب جناب رسول خداؐ کو شعب میں لے گئے اور چار سال انتہائی تنگی سے بسر کئے بتایئے کس نے مدد کی؟ شب ہجرت کس نے مدد کی؟ اور باقی جنگوں میں کون مددگار؟

جنگ بدر میں جب قریش حملہ آور ہوئے تو درِ منثور اور واقدی کے بیان کے مطابق حضرت عمر نے خدمت نبوی میں عرض کی یا رسول اللہؐ یہ قریش ہیں انہوں نے جب سے عزت پائی رسوا نہیں ہوئے اور جب سے کفر اختیار کیا ایمان کو ہرگز قبول نہ کیا۔ وہ آپ سے ضرور لڑیں گے لہٰذا آپ کو ان کے مقابلہ کے لئے پوری تیاری کرنی چاہیئے۔ آپ نے فرمایا پھر تمہاری کیا رائے ہے تو مقداد بن عمرو بولا۔ ہم آپ کو قوم موسیٰ کی طرح جواب دینا نہیں چاہتے "کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں اور ہم یہاں بیٹھے رہیں گے"۔ بلکہ ہمارا جواب یہ ہے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں اور

ہم آپ کے پیچھے پیچھے آئیں گے۔ ان کی قلبی حالت کی خدائیوں ترجمانی فرماتا ہے کہ

وَاِنَّ فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لَکٰرِهُوۡنَ یُجَادِلُوۡنَكَ فِی الۡحَقِّ بَعۡدَ مَا تَبَیَّنَ كَاَنَّمَا یُسَاقُوۡنَ اِلَی الۡمَوۡتِ وَهُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ

حضرت عمر نے جس ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اپنے ماموں کو ہی قتل کیا تھا۔ لیکن اصحابِ حدیث واقدی کی روایات کو قابلِ قبول نہیں سمجھتے چنانچہ یحییٰ بن معین کہتا ہے کہ واقدی نے جناب رسالت مآبؐ کی طرف ۲۰ ہزار جھوٹی حدیثیں منسوب کی ہیں امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ واقدی حدیثیں خود بناتا ہے۔ ابن مدینی کہتا ہے کہ واقدی کی حدیث لکھنے کے قابل نہیں۔ امام شافعی کا قول ہے کہ واقدی جھوٹا آدمی ہے۔ (میزان الاعتدال)

(اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمر کی طرف ایک کافر کے قتل کی نسبت بھی تقریباً بے بنیاد ہے)

جنگ احد جو اسلام کی موت وحیات کی لڑائی تھی۔ تاریخ الخلفاء باب شجاعت ابی بکر میں مذکور ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب احد کے دن لوگ رسول خدا کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے تو میں ہی پہلے پہل واپس آیا تھا۔ بے شک یہ ان کی بے نظیر شجاعت کی ناقابلِ تردید دلیل ہے اور ازالۃ الخلفاء میں ہے کہ جب کفار نے حضرت رسالتمآبؐ کو اذیت پہنچائی تو حضرت ابوبکر نے کھڑے ہو کر کہا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو اللہ کو پروردگار کہتا ہے؟ (ایسے موقعہ پر یہ کلمہ کسی شجاع کی زبان سے ہی نکل سکتا ہے)

نیز عتبہ بن ربیعہ کی حضرت ابوبکر کے حق میں گستاخی اس سلسلہ کی اہم کڑی ہے۔ (معارج النبوۃ۔ تاریخ الخلفاء۔ روضۃ الاحباب۔ ازالۃ الخلفاء) نیز تاریخ الخلفاء میں ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت عقیل اور حضرت ابوبکر میں سخت کلامی ہوئی تو حضرت ابوبکر نسب کرنے میں زیادہ زبان رس تھے۔

بروایت بخاری حضرت عمر بھی بھاگ کھڑے تھے اور تفسیر کبیر میں ہے کہ بھاگے تو تھے لیکن ان کا شمار پہلے بھاگنے والوں میں سے نہیں (عذر گناہ بدتر از گناہ) بروایت درمنثور حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جب میں احد کے دن بھاگا تو پہاڑ پر چڑھ گیا جس طرح کہ پہاڑی بکرا کود کر چڑھ جاتا ہے۔

استیعاب میں ہے کہ ابن عمر کہتا ہے جنگِ احد کے دن حضرت عثمان سے ایک گناہِ عظیم سرزد ہوا تھا جس کو اللہ نے معاف فرمایا۔ اور تذکرہ خواص الامۃ میں ہے کہ وہ سب سے پہلے بھاگے تھے اور مدینہ جا پہنچے تھے۔ حضرت عثمان کے ہمراہ دو انصاری بھی تھے ایک عقبہ بن عثمان اور دوسرا سعد بن عثمان۔ یہ تینوں مدینہ کے قریب ایک پہاڑی میں پہنچے اور وہاں تین روز تک ٹھہرے رہے پھر واپس آئے۔ اور کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا تھا تم تو بہت دور نکل گئے تھے (طبری) جنگ خندق میں صحابہ کی حالت کو قرآن یوں بیان کرتا ہے۔ اِذۡ جَآءُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ وَمِنۡ اَسۡفَلَ مِنۡكُمۡ وَاِذۡ زَاغَتِ الۡاَبۡصَارُ وَبَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوۡنَا هُنَالِكَ ابۡتُلِیَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَزُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِیۡدًا

(پ ۲۱ سورہ احزاب رکوع ۲) ترجمہ۔ جب کفار اوپر اور نیچے سے یعنی ہر طرف سے تم پر ٹوٹ پڑے تو تمہاری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور دل حنجروں تک پہنچ گئے اور تم اللہ پر بدظن ہو گئے تھے۔ وہاں مومنوں کو آزمایا گیا اور ان کو سخت طریقہ سے جھنجوڑا گیا تھا۔ روضۃ الصفاء میں ہے کہ عمرو بن عبدود نے شیخین کا نام لے کر پکارا تھا مگر کون جاتا؟ بلکہ حضرت عمر تو اس کی دادِ شجاعت دینے لگ گئے تھے۔ جنگ خیبر میں حضرت عمر علم لے کر گئے اور شکست خوردہ واپس پلٹے۔ اصحاب ان کی بزدلی کی شکایت کرتے تھے اور وہ اصحاب کی بزدلی کا شکوہ کرتے تھے (تاریخ طبری ازالۃ الخلفاء) لیکن مقام غور ہے کہ فوج کمانڈنگ آفیسر کے تابع ہوا کرتی ہے۔ فوج پر بزدلی کا الزام

اس وقت عائد ہو سکتا ہے جب کمانڈر ثابت قدم رہے اور فوج بھاگ جائے۔ جیسا کہ جنگِ احد میں ہوا کہ جناب رسالت مآبؐ باقی رہے اور فوج بھاگ گئی لیکن جب کمانڈر فوج سمیت بھاگ جائے تو بزدلی کمانڈر کی طرف ہی منسوب ہوا کرتی ہے

جنگِ حنین کے متعلق ارشاد قدرت ہے کہ یاد کرو جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز تھا۔ لیکن تمہیں کام نہ آئی اور زمین باوجود کشادگی کے تم پر تنگ ہو گئی اور تم پشت دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ تاریخ خمیس میں ہے کہ صرف چار آدمی ثابت قدم رہے۔ حضرت علیؑ۔ عباسؓ۔ ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن مسعودؓ باقی سب کے سب بھاگ گئے تھے۔ اگرچہ یا اصحاب الشجرہ کہہ کر عباس نے ندائیں دیں مگر جان جوکھوں کے وقت کون کسی کی سنتا ہے یہ جادہ جا بس گئے۔

اور سب سے آخری موقع۔ کنزالعمال ج ۳ صفحہ ۱۴۰ پر ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر جناب رسالت مآبؐ کے دفن میں شریک نہ ہوئے تھے۔ فرار کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے کہ جو شخص کفار کو پشت دکھا کر بھاگ جائے اور عذر مقبول نہ رکھتا ہو تو اس کی بازگشت اللہ کا غضب ہے۔ گویا مغضوب علیہ اور منعم علیہ کے درمیان فرار اور ثباتِ قدم ایک امتیازی نشان ہے۔ حضرت علیؑ کے متعلق وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّشْرِي الآیۃ موجود ہے۔ اور فرماتا ہے کہ جو اللہ کی رضاجوئی کرے اس جیسا نہیں ہو سکتا۔ جو اللہ کے غضب میں گھر گیا ہو اور اس کا ٹھکانہ جہنم بن چکا ہو۔

بدر میں علیؑ ولید معاویہ کا خالو اسی دن علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوا اور حضرت علیؑ جو آیندہ زمانہ میں بلحاظ شجاعت عالم میں مشہور ہونے والے تھے آج ان کی شجاعت کا پہلا موقع تھا۔ بقول مؤلف تاریخ اسلام علیؑ کے اوسط بدن میانہ

اور بہادری پر لوگ عش عش کرتے تھے۔ دشمن کے ستر آدمی مارے گئے جن میں سے ۳۶ کو دین اسلام کے اسی پر جوش نوجوان بہادر نے ہی قتل کیا تھا۔ اثنائے جنگ میں حضرت علیؑ نوفل کے سامنے گئے تو نوفل علی کو آتے دیکھ کر اپنے ساتھی سے کہنے لگے کہ کوئی شخص ہمارے قصد سے آ رہا ہے۔ ساتھی نے جواب دیا ہاں یہ علیؑ بن ابی طالب ہے تو نوفل نے کہا میں بقسم کہتا ہوں کہ مارنے والوں میں میں نے اس سے زیادہ شریف کوئی نہیں دیکھا۔ بالآخر نوفل حضرت علیؑ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اور اس بڑے دشمن کے اپنے بھائی کے ہاتھ سے قتل ہونے پر جناب رسالت مآبؐ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔

احد میں علیؑ جب سب لوگ بھاگ گئے تو حضرت علیؑ ہی تھے کہ یکہ و تنہا حمایت رسولؐ میں لڑ رہے تھے۔ جب فوج کفار کے علمبردار مارے گئے تو کفار کی ایک جماعت کو آنحضرتؐ نے اپنی جانب آتے دیکھا اور فرمایا یا علیؑ ان پر حملہ کیجئے۔ پس آپ نے ان کو مار بھگایا اور عمرو بن عبداللہ جمحی کو قتل کیا۔ پھر حضورؐ نے مشرکین قریش کی اور جماعت کو بڑھتے دیکھا تو حضرت علیؑ کو ان کی سرکوبی کا حکم دیا پس آپ نے ان پر حملہ کر کے پسپا کیا اور بنی عامر بن لوئی کے ایک آدمی شیبہ بن مالک کو تہ تیغ کیا۔ تو جبریلؑ نے باآواز بلند کہا کہ جاں نثاری اسے کہتے ہیں۔ پس حضورؐ نے فرمایا۔ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں تو جبریلؑ نے کہا میں تم دونوں میں سے ہوں۔ اور یہ آواز لوگوں نے سنی۔ لاسیف الا ذوالفقار۔ ولافتی الا علی۔ (طبری۔ مطالب السئول۔ مدارج النبوۃ و سیرت ابن ہشام۔)

حسان بن ثابت نے اپنے قصیدہ مدحیہ میں اسے یوں تضمین کیا۔

جِبْرِیْلُ نَادٰی مُعْلِنًا وَالنَّقْعُ لَیْسَ بِمُنْجَلِی

وَالْمُسْلِمُوْنَ قَدِ احْدَقُوْا حَوْلَ النَّبِیِّ الْمُرْسَلِ
لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارِ وَلَا فَتٰی اِلَّا عَلِیُّ

ترجمہ:۔ ابھی غبارِ جنگ نہیں پھٹا تھا کہ جبریلؑ باآوازِ بلند کہہ رہے تھے اور مسلمان حضرت رسالتمآبؐ کے اردگرد جمع ہو چکے تھے۔ تلوار ذوالفقار کے علاوہ کوئی نہیں۔ اور جوانمرد علیؑ کے سوا کوئی نہیں۔

اسی جنگ میں آپ مصروف کارزار تھے کہ حضرت علیؑ سے اپنے مدمقابل نے تلوار مانگی پس آپ نے اس کو تلوار دے دی۔ کافر نے کہا آپ دیوانے تو نہیں ؟ آپ نے فرمایا کیوں ؟ عقلمند ایسے وقت میں اپنا ہتھیار دشمن کو نہیں دیا کرتے۔ آپ نے فرمایا۔ تیرے سوال کو رد کرنا میری جوانمردی کے خلاف تھا اور اب تیرا مجھے زخمی کرنا تیری جوانمردی کے خلاف ہے۔ پس میرا ناجوانمرد کے ہاتھوں زخمی ہونا مجھے اس سے محبوب ہے کہ خود ناجوانمرد بن کر تجھے زخمی کروں۔

ابن ابی الحدید کا کہنا ہے کہ شاہانِ ترک کی ایک جماعت اور آل بویہ ظفر و نصرت کے لئے اپنی تلواروں پر حضرت علیؑ کی تصویر نقش کرواتے تھے۔ یہ تھیں حضرت علیؑ کی ظاہری فتوحات اور اگر روحانی لڑائی میں حضرت علیؑ کا مقام دیکھنا ہو تو میدان مباہلہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیئے۔ جب مباہلہ کی تاریخ اور میدان مقرر ہوا تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ۔ فاطمہؑ۔ حسنؑ و حسینؑ کو اپنی عبا میں داخل فرمایا اور جبریلؑ نے آیہ تطہیر پڑھی پس حضورؐ اصحاب عبا کے ہمراہ میدان مباہلہ میں تشریف لائے اور نصاریٰ نے جزیہ قبول کر لیا۔

یہ اسلامی مباہلہ نصاریٰ کے ساتھ تھا ایک اور مباہلہ کوفہ و شام کے مسلمانوں کے ساتھ حضرت سید الشہداءؑ کا ہوا۔ اس مباہلہ میں نصاریٰ چاہتے تھے کہ ہمارے ساتھ جنگ نہ ہو اور اس مباہلہ میں حضرت حسینؑ چاہ رہے ہیں کہ مجھے چھوڑ دو تاکہ میں

جنگلوں پہاڑوں کی طرف چلا جاؤں اور تمہارے اسلامی شہروں کو چھوڑ کر کفار کے علاقوں میں ہجرت کر جاؤں۔ لیکن انہوں نے نہ مانا۔ نصاریٰ نے ان نورانی چہروں کے ساتھ مباہلہ پسند نہ کیا تھا لیکن کوفہ کے مسلمان تلوار کھینچ کر سامنے آگئے۔ یہاں حضرت سید الشہداءؑ نے کئی قسم سے مباہلہ کیا۔

عطا بن سائب سے مروی ہے کہ میرا بھائی کہتا ہے میں کربلا میں موجود تھا۔ بنی تمیم کا ایک شخص عبداللہ بن جویریہ نے امام حسینؑ کو آکر آواز دی آپ نے فرمایا کیا کہنا چاہتا ہے تو اس نے جواب دیا کہ تمہیں دوزخ کی بشارت ہو۔ آپ نے فرمایا میں اپنے رب غفور کی طرف جا رہا ہوں پس آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے کہ سفیدی بغل نمودار تھی پس دعا مانگی اے اللہ اس شخص کو جہنم رسید کر۔ یہ سن کر ابن جویریہ کو غصہ آیا اور فوراً آپ پر حملہ آور ہوا تو ایک نشیب میں اس کے گھوڑے کا پاؤں پھسلا اور اس کا پاؤں رکاب میں پھنس گیا اور خود گر گیا پس گھوڑے کے دوڑنے سے اس کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور وہ واصلِ جہنم ہوا۔

ابن بابویہ نے اپنی امالی میں بسند مفضل حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ پھر ایک شخص آیا جس کا نام تمیم بن حصین فرازی تھا اس نے امام حسینؑ اور آپ کے جانثاروں کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھو فرات کا پانی کس طرح صاف و شفاف شکم مار کی طرح بل کھا رہا ہے۔ لیکن خدا کی قسم تم ایک قطرہ نہ چکھو گے اور اسی حالت پیاس میں تمہاری موت واقع ہو گی۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ آپ نے پوچھا یہ شخص کون تھا ؟ تو کہا گیا کہ یہ تمیم بن حصین ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ اور اس کا باپ دونوں جہنمی ہیں۔ اور دعا کی۔ اے اللہ اس شخص کو آج ہی پیاس کی موت کا ذائقہ چکھا۔ پس اس پہ پیاس کا غلبہ ہوا، یہاں تک کہ وہ گھوڑے سے گرا اور دوسرے گھوڑوں نے اسے اپنے پیروں میں کچل کر واصلِ نار کیا۔

آہ جناب رسالت مآبؐ نے اپنے اہل بیت کے متعلق کیا کیا وصیتیں فرمائی تھیں اور امت نے کیا سلوک کیا۔ حضرت ام سلمٰی کو خاکِ کربلا دی گئی تھی۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا جب یہ سُرخ خون ہو جائے تو سمجھ لینا کہ میں شہید ہو گیا ہوں ہائے۔ عصر عاشورہ کو جب ام سلمہ نے اس خاک پر نظر کی تو آہ و فغان بلند کی۔ ابنِ عباس نے وجہ پوچھی تو واقعہ بیان کیا۔ اور اولاد عبدالمطلب سے فرمایا کہ صف ماتم بپا کرو کیونکہ حسینؑ کربلا میں شہید ہو گیا ہے۔ جب ابن عباس نے دوبارہ دریافت کیا تو فرمایا کہ میں نے جناب رسولِ خداؐ کو دیکھا ہے کہ بال پریشان تھے اور سر مبارک اور ریش مبارک میں خاک تھی اور فرمایا کہ میرے فرزند پر امت جفا کار نے حملہ کر کے شہید کر دیا اور جناب بتولؑ معظمہ کی حالت یہ ہے کہ واقعہ کربلا کو یاد کر کے ان پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔ پس آسمانوں میں کوئی ایسا فرشتہ نہیں جو ان کی آواز گریہ سن کر روتا نہ ہو۔ پس جناب رسالت مآبؐ تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ بیٹی! تیرے رونے نے اہل آسمان کو رُلا دیا کہ ان سے تسبیح و تقدیس چھوٹ گئی ہے پس تم اپنا گریہ بند کرو تا کہ وہ اپنا فریضہ تقدیس ادا کریں۔

حضرت جب مکہ سے روانہ ہوئے تھے تو لوگوں کو اپنی نصرت کے لیے دعوت دیتے تھے لیکن لوگ وہ راستہ بھی ترک کر دیتے تھے جس پر حضرت گامزن تھے تاکہ ہمیں نصرت کے لئے نہ کہا جائے۔ چنانچہ زہیر بن قین کا واقعہ کتب مقاتل میں موجود ہے

شب عاشور عمر سعد کی طرف پیغام بھیجا کہ دونوں لشکروں کے درمیان میں اور تم دونو اکیلے باتیں کریں۔ پس آپ نے بوقت خلوت فرمایا۔ اے ابن سعد اللہ سے ڈر، میرے ساتھ کیوں لڑتا ہے۔ حالانکہ تو جانتا ہے کہ میں کس کا بیٹا ہوں۔ دشمنوں کو چھوڑ کر میرا ساتھ دے۔ تاکہ اللہ کا قرب تجھے حاصل ہو۔ اس نے جواب دیا اگر میں ایسا کروں تو میرے گھر کو منہدم کرا یا جائے گا۔ آپ نے فرمایا میں بنوا دوں گا۔ اس

نے کہا میری جائیداد ضبط کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا میں اس کے بدلے میں اپنی حجاز کی جائیداد پیش کروں گا۔ اس نے کہا مجھے اپنی بیوی بچوں کا فکر ہے پس آپ خاموش ہو گئے۔ اور آخرکار فرمایا خدا کی قسم تجھے عراق کی گندم نصیب نہ ہوگی تو اس بدبخت نے ازراہِ تمسخر جواب دیا کہ پھر جَو پر گذارا کر لوں گا۔

آپ نے صبح عاشور مباہلہ کیا۔ پیغمبر کی شبیہہ علی اکبرؑ۔ علیؑ کی شبیہہ حضرت عباسؑ حضرت فاطمہؑ کی شبیہہ جناب زینبؑ امام حسن کی شبیہہ شہزادہ قاسمؑ موجود تھے جو آپ کے گرد و پیش موجود تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آخرکار تنہا بچ گئے۔ اور پھر فرمایا کہ میرا چونکہ یار و ناصر کوئی نہیں رہا۔ لہٰذا مجھے اتنی مہلت دو کہ اہل حرم کو کہیں چھوڑ آؤں لیکن کسی نے نہ مانا۔

پھر لباس پیغمبر زیب تن فرما کر مباہلہ کیا کہ شاید پیغمبر کا شرم کریں۔ پھر شیرخوار بچہ کو لے کر مباہلہ کیا۔ آخر وہ وقت آیا کہ آخری مباہلہ کے لیے خیمہ گاہ سے باہر تشریف لے گئے اور واپس نہ پلٹے۔

چھوٹی شہزادی نے عرض کی باباجان تھوڑا سا ٹھہر جائیے کہ میں آخری بار سیر ہو کر آپ کی زیارت کر لوں۔ آپ رو دیئے اور بچی کو گود میں بٹھا لیا اور اپنی آستین سے بچی کی آنکھوں سے آنسوؤں کو پونچھا اور فرمایا۔

سَیَطُولُ بَعْدِی یَاسَکِینَۃُ فَاعْلَمِیْ　　مِنْکِ الْبُکَاءُ اِذَ الْحِمَامُ دَهَانِیْ
لَاتُحْرِقِیْ قَلْبِیْ بِدَ معِكِ حَسْرَۃً　　مَادَامَ مِنِّی الرُّوحُ فِی جُثْمَانِیْ
فَاِذَا قُتِلْتُ فَاَنْتِ اَوْلٰی بِالَّذِیْ　　تَاْتِیْنَہٗ یَاخَیْرَۃَ النِّسْوَانِ

(ترجمہ) جان لے اے سکینہ میرے مرنے کے بعد تیرا گریہ طویل ہو گا۔ جب تک میں زندہ ہوں اپنی بہتی آنسو سے میرے دل کو بے چین نہ کر۔ جب میں مارا جاؤں تو جس قدر گریہ کرے تیرا حق ہے اے بہترین زنان۔

تنہا میدان میں پہنچے اور مباہلہ کیا۔ زمین پر گرے کہ پھر اُٹھ نہ سکے اور آخری بار سو گئے کہ تمام موجودات عالم سے آہ و فغان کی صدائیں بلند ہوئیں جواب تک ہیں دنیا تاریک ہوئی۔ زلزلہ آیا۔ تمام موجودات میں کہرام بپا ہوا جو ہمیشہ تک رہیگا۔

انّا للہ وانّا الیہ راجعون

(اقول) یہ کہہ دینا اور سُن لینا آسان ہے کہ حسین مارے گئے اور بیبیاں لٹ گئیں لیکن

بسمل کے تڑپنے کی کسی دل کو کیا خبر — کشتی کے ڈوب جانے کی ساحل کو کیا خبر
کس کے گلے چھری چلی قاتل کو کیا خبر — غربت میں کون لٹ گیا منزل کو کیا خبر
زہرا سے پوچھیئے یہ قلق نور عین کا — تپنا زمین کا اور تڑپنا حسین کا

پارے مصحف ناطق دے جاں اترے وچ صحرا تے
باد سموم دی تیزی نوں تھئے اکثر ورق جدا سئے
سر نامے ہر ہر آیت دے جاں نوک سناں تے آئے
تفسیر کھلی بازاراں وچ جیدوں خطبے سین سنائے

گل نازک چمن رسالت دے جدوں جھنڑ پئے وچ صحرا تے
ہک ریت گرم بیا گرم ہوا گئے اکثر گل کملا تے،
بہوں غنچے برگ و برگ تھئے جدوں گھوڑیاں قدم ودھا تے
پارات دا برقعہ نکھڑیاں کلیاں رہی چھنسی عون دی ما تے

پانچویں مجلس

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ

ایمان والوں کی صفات میں سے چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ سختیوں اور تکلیفوں میں ثابت قدم رہا کرتے ہیں۔ علیؑ کے ثبات قدم کا ذکر پہلی مجلس میں بھی ہو چکا ہے جنگِ خندق میں علیؑ کی پامردی۔ جب عمرو بن عبدود نے مبارزطلبی کی تو صحابہ کی حالت یہ تھی کَاَنَّھُمْ عَلٰی رُؤُسِھِمُ الطَّیْرَ۔ یعنی گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے تھے۔ صرف حضرت علیؑ نے لبیک کہی تو حضورؐ نے فرمایا۔ وہ عمرو ہے تو علیؑ نے جواب دیا میں بھی علیؑ ہوں بالآخر حضرت علیؑ کو اپنا عمامہ سحاب باندھا اور رخصت فرمایا اور تمام صحابہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ اِلَی الْکُفْرِ کُلِّہٖ ۔ یعنی سارے کا سارا ایمان سارے کے سارے کفر کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس کو ضربت یداللٰہی سے واصل جہنم کیا تو ارشاد نبویؐ ہوا لَضَرْبَۃُ عَلِیٍّ یَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَۃِ الثَّقَلَیْنِ ۔ یعنی علیؑ کی خندق کے دن کی ایک ضربت جن و انسان کی عبادت سے افضل ہے۔ فتح خندق مسلمانوں کی وہ کامیابی تھی کہ اس کے بعد کفار میں مقابلہ کی جرأت نہ رہی اور حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ اَلْاٰنَ نَغْزُوْھُمْ وَلَا یَغْزُوْنَنَا۔ کہ اب ہم ہی ان سے لڑیں گے۔ ورنہ ان میں ہمارے ساتھ لڑنے کی ہمت نہیں رہی (اعلام الوریٰ)

خیبر میں علیؑ

جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا۔ لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ لَا یَرْجِعُ حَتّٰی یَفْتَحَ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ ۔ یعنی ضرور کل میں علم فوج

ایسے جوانمرد کے حوالہ کروں گا جو کرّار غیر فرار ہوگا اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ اور اس کا رسول اسے دوست رکھتے ہوں گے وہ واپس نہ پلٹے گا مگر یہ کہ اللہ کی فتح و نصرت اس کے ہاتھوں پر ہوگی۔ اور مسند احمد میں الفاظ یہ ہیں لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا مَنْ یَّاخُذُھَا بِحَقِّھَا۔ یعنی کل عَلَم فوج ایسے شخص کے حوالہ کروں گا جو اسے کما حقہٗ بلند رکھے گا۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا ارشاد سُن کر اُس دن مجھے بھی امیر فوج بننے کی تمنا پیدا ہوئی جو پہلے کبھی نہ تھی۔ رات کو تمام صحابہ اسی خواہش میں پہلو بدلتے رہے اور حضرت علیؑ نہایت اطمینان سے بارگاہِ رب العزت میں عرض کرتے رہے۔ اَللّٰھُمَّ لَامُعْطِیَ لِمَامَنَعْتَ وَلَامَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ اے اللہ جسے تو نہ دے اسے دینے والا کوئی نہیں اور جسے تو دے اسے روکنے والا کوئی نہیں۔

حضرت علیؑ ارغوانی لباس میں شیرانہ وار آگے بڑھے اور ابھی تک حضرت علیؑ کے ماتحت سپاہی پورے میدان جنگ میں پہنچنے نہ پائے تھے کہ فتح و ظفر نے علیؑ کے قدم چوم لئے (طبری) جناب رسالت مآبؐ بنفس نفیس استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ اور بروایت جابر ارشاد فرمایا۔ اے علیؑ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میری امت کا ایک گروہ تیرے حق میں وہ عقیدہ جما لیں گے جو نصاریٰ کا حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے تو میں تیرے بارے میں وہ کچھ بیان کرتا۔ کہ مسلمانوں کے کسی گروہ سے تیرا گذر ہوتا تو تیری طہارت کے پیش نظر تیرے قدموں کی خاک کو باعث شفا جان کر اٹھا کر اپنے پاس محفوظ رکھتے۔ لیکن اتنا کہتا ہوں۔ حَسْبُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ (ترجمہ) تجھے بس ہے کہ تیری مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ تیرے اُوپر میری ذمہ داریاں ہیں

جن سے تو عہدہ برآ ہونے والا ہے تو ہی میرا محرم ہے اور میری سنت پر تو ہی جہاد کرنے والا ہے اور میدان محشر میں بھی تجھ سے زیادہ قریبی میرا کوئی نہیں ہوگا تو حوض کوثر پر میرا ہمنشین ہوگا۔ تحقیق تیرے شیعہ نور کے منبروں پر نورانی چہروں کے ساتھ میرے ارد گرد ہوں گے کہ میں ان کی شفاعت کروں گا اور جنت میں تیرے ہمسایہ ہوں گے۔ کیونکہ تیری لڑائی میری لڑائی اور تیری صلح میری صلح ہے تیرے رموز میرے رموز ہیں اور تیری اولاد میری اولاد ہے۔ تو ہی میرے قرضے ادا کرے گا اور تو ہی میرے وعدے پورے کرے گا۔ تیری زبان پر تیرے دل میں تیرے ساتھ اور سامنے اور مطمح نظر حق ہی حق ہے۔ ایمان تیرے گوشت اور خون میں اس طرح یکجان ہے جس طرح مجھ میں ہے۔ تیرا دشمن حوض کوثر پر نہ جائے گا اور تیرا محب حوض کوثر سے دُور نہ ہوگا۔ یہ سنتے ہی حضرت علیؑ سربسجود ہوئے اور حمد خدا بجا لائے تو جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ لَوْلَا اَنْتَ یَاعَلِیُّ لَمَا عُرِفَ الْمُؤْمِنُوْنَ بَعْدِیْ۔ اے علیؑ اگر تو نہ ہوتا تو میرے بعد مومنوں کی پہچان نہ ہوسکتی۔ خداوند کریم نے ہر نبی کی نسل اپنی صلب سے کی ہے اور میری نسل خدا نے تیری صلب سے قرار دی ہے یا علیؑ تو خدا کی جملہ مخلوق میں سے اعزواکرم ہے میری امت میں جتنے لوگ میرے پاس وارد ہوں گے ان سب میں سے مجھے تیرے محب عزیز ہوں گے (الروضہ الندیہ)

حنین میں علیؑ

اس دن فوج اسلام کی تعداد بارہ ہزار اور فوج کفار کی تعداد تیس ہزار تھی۔ یہ لڑائی ہوازن کے خاندان سے ہوئی تھی۔ مشجع نہدی بیان کرتا ہے کہ مجھے اپنے باپ نے سنایا کہ میں اپنی قوم کا سردار تھا اور ہوازن کی لڑائی میں میں خود شریک تھا۔ میں نے فوج اسلام میں ایک جوانمرد بہادر کو لڑتے ہوئے دیکھا کہ جس مقابل کے سامنے جاتا ہے

اسے گرا کر ہی چھوڑتا ہے اور جو شجاع بھی اس کے مقابلہ کے لئے جاتا ہے وہ جانبر نہیں ہو سکتا۔ میں نے دیکھا کہ ابن قریع اس کی طرف بڑھا اور میری دانست میں یہ شخص نہایت دلیر اور آزمودہ کار تھا لیکن جب وہ شخص اس کے سامنے آیا اور تلوار کی ایک ہی جنبش سے اس کے سر کی کھوپری کو اڑا کر رکھ دیا تو ابن قریع کا پیشاب نکل گیا اور میں نے دیکھا کہ وہ صرف دشمنوں میں سے سرداران قوم ہی کو چنتا تھا اور اس کے حملہ سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا تھا۔ پس وہ دن حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کی فتح کا تھا اور میں اس جنگ کے بعد مسلمان ہوا بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ جوان علیؑ ابن ابی طالب تھا۔

وادی رمل میں علیؑ

اس لڑائی میں حضرت رسالت مآب ؐ نے کئی سو صحابہ کو حضرت ابوبکر کی سرکردگی میں بھیجا لیکن ناکام واپس آئے پھر اتنی تعداد کو حضرت عمر کی قیادت میں روانہ کیا لیکن نتیجہ ناکامی رہا۔ حضرت علیؑ کو روانہ فرمایا اور حضرت علیؑ فاتح و کامران ہو کر واپس آئے کہ قرآن کی سورۃ العادیات بھی انہیں کے حق میں اُتری۔ جاتے ہوئے حضورؐ نے مسجد احزاب تک مُشایعت کی تھی اور واپسی پر استقبال کا حکم دیا تو صحابہ دو صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے اور حضرت علیؑ کو آپ نے اترنے نہ دیا اور فرمایا اے بھائی تو سوار ہو کہ خدا و رسول تجھ سے خوش ہیں پس حضرت علیؑ خوشی کے مارے رو دیئے اور اتر کر حضورؐ کے قدموں کا بوسہ لیا۔ اس دن بھی حضورؐ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میری امت تیرے متعلق وہی عقیدہ رکھے گی جو نصاریٰ کا عیسیٰؑ کے متعلق ہے تو میں تیرے حق میں کچھ کہتا کہ تو کسی گروہ پر سے نہ گزرتا مگر یہ گروہ تیرے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سُرمہ بناتے۔

جنگ جمل میں علیؑ

اس جنگ میں حضرت علی کا لشکر ۲۰ ہزار اور عائشہ کا لشکر ۳۰ ہزار تھا۔ جناب امیرؑ نے اپنی زرہ پہنی اور

تلوار اٹھائی وہی تلوار جو چوتھائی صدی سے زنگ آلود ہو چکی تھی۔ حضرت عائشہ نے کنکر اٹھا کر جناب امیرؑ کے لشکر کی طرف پھینکے تو حضرت علیؑ کے ایک سپاہی نے کہا وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ رَمَى ۔ قبیلہ ازد کی ایک جماعت حضرت عائشہ کے اونٹ کی مینگنیاں اٹھاتے اور سونگھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہماری ماں کے اونٹ کے فضلہ کی خوشبو کستوری کی طرح ہے۔ حضرت علیؑ نے اپنے ایک غلام کو قرآن شریف دے کر لشکر عائشہ کی جانب بھیجا تو اس کے ہاتھ کاٹ کر اسے شہید کر دیا گیا۔ پس آپ نے فرمایا کہ اب لڑائی درست ہے۔ عبداللہ بن سنان کاہلی سے مروی ہے کہ جمل کے روز پہلے ہم نے تیر اندازی کی یہاں تک کہ ترکش خالی ہو گئے پھر باہمی نیزہ زنی اتنے زوروں پر ہوئی کہ ان کے اور ہمارے سینوں میں تیروں کی لائن بن دی گئی کہ اگر شاید اوپر سے گھوڑے گذارے جاتے تو وہ گذر سکتے (طبری) اسی جنگ میں حضرت امیرؑ نے اپنے شہزادہ حضرت محمد بن حنفیہ کو فرمایا تھا جب کہ انہیں علم فوج سپرد فرمایا۔ بیٹا۔ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں لیکن تیرے قدموں میں لغزش نہ آئے پس دانت پیس کر دشمن کا مقابلہ کرو اور اپنا سر اللہ کے حوالہ کرو اور قدموں کو میخ کی طرح زمین میں گاڑ دو اور قوم کے آخری سپاہی تک اپنی نظر رکھو اور یقین جانو کہ نصرت اللہ کی طرف سے ہو گی۔

سخت تیر بارانی کے سبب حضرت محمد بن حنفیہ آگے نہ بڑھ سکے تو آپ نے علم فوج اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے ایک ایسا ہولناک حملہ کیا کہ سپاہ دشمن میں کھلبلی ڈال دی اور واپس آ کر فرمایا کہ حملہ یوں کرنا چاہیئے۔ حضرت امیر علیہ السلام نے آواز دی کہ اونٹ کو پے کر دو تاکہ ان کی جمعیت متفرق ہو جائے۔ پس ایک شخص نے بڑھ کر تلوار ماری اور اونٹ گر گیا اور اتنی شدید آواز بلند کی کہ اس قسم کی سخت آواز اس سے پہلے کبھی نہیں سنی گئی۔

اسی جنگ میں دس ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ حضرت علیؑ نے پورے احترام سے حضرت عائشہ کو مدینہ پہنچوایا۔

حمیرا جنگ جو با حیدرؑ آمد — کہ جنگش جنگ با پیغمبر آمد
کہ پدرش مرد ترسان وجبان بود — نگہ کن دخترش جنگی بر آمد
(مفتی صاحب قبلہ[1])

صفین میں علیؑ

یہ لڑائی تین ماہ متواتر رہی اور حضرت علیؑ نے کئی بار مقابلہ کے لئے معاویہ کو بلایا لیکن وہ سامنے نہ آیا۔ حضرت علیؑ کا لشکر نوے ہزار اور معاویہ کا لشکر ۲۰ لاکھ تھا۔ اس جنگ میں ستر ہزار مسلمان قتل ہوئے اور حضرت علیؑ کی جانب سے شہدار کی تعداد کل چار ہزار ہے۔

اس جنگ میں لشکر شام کے دو بہادروں نے (ایک بسر بن ارطاۃ دوسرا عمرو عاص) حضرت علیؑ کی تلوار سے بچنے کے لئے وہ شرمناک ذریعہ اختیار کیا جسے ذکر کرنے سے شرم مانع ہے۔ ایک شب و روز میں حضرت علیؑ نے اپنے دست مبارک سے ۵۲۳ آدمی قتل کئے۔ جن سے اکثر کو رات میں ہی قتل کیا۔ (مروج الذہب)

کہتے ہیں ابتدار خلقت سے اب تک کوئی ایسا بادشاہ نہیں ہوا جس نے اپنے ہاتھ سے اس قدر قتل کئے ہوں جتنے حضرت علیؑ نے ایک رات صرف لیلۃ الہریر میں قتل کئے۔ اس موقعہ پر ایک دن اور ایک رات متواتر لڑائی رہی۔ شاید ان کی مراد وہ بادشاہ ہوں جن کے پاس منظم لشکر اور خوشحالی ہو ورنہ میدان مصائب کے بادشاہ جنہیں میدان کربلا میں ابتلائے عظیم کا سامنا ہوا۔ اس موقعہ پر انہوں نے شجاعت کا وہ نمونہ پیش فرمایا۔ کہ رہتی دنیا تک اس کی نظیر کا ملنا مشکل ہے۔ ان کی حالت مسافری بیداری بھوک و پیاس اور عزیزوں کی سامنے موت جو مثل گوسفندوں کے بیدردی سے ذبح کئے گئے تھے۔ اور اس کے علاوہ بدن مبارک میں تلواروں اور نیزوں کے زخم جو شمار سے باہر تھے اور ساتھ اہل حرم کا اضطراب اور ان کی اسیری کا فکر یہ ہیں ہم

[1] یعنی علامہ مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ لکھنوی اعلی اللہ مقامہ

ان کی بے نظیر شجاعت بس یہ حسینؑ ہی کا کام تھا جنگ صفین کا ستائیسواں روز تھا کہ حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے لشکر میں آواز دی تھی۔ هَلْ مِنْ مُّعِيْن تو بارہ ہزار مسلح جوانمردوں نے لبیک کہتے ہوئے عرض کی تھی حضور ہم آپ کے سامنے مرنے کو حاضر ہیں۔ پس نیام توڑ کر ننگی تلواریں ہاتھوں میں لے کر میدانِ کارزار میں کود پڑے تھے۔

لیکن آہ! جب حسینؑ نے آواز دی هَلْ مِنْ نَّاصِرٍ يَّنْصُرُنَا تو کسی ایک نے بھی جواب تک نہ دیا۔ وہ بار بار صدائے استغاثہ بلند کرتے تھے۔ اور کوئی نہ سنتا تھا۔

جنگ صفین کے ۲۹ ویں روز عباس بن حارث بن عبدالمطلب نے ایک شامی بہادر کو قتل کیا اور شامی کا بھائی بدلہ لینے کے لیے آگے بڑھا تو عباس خدمتِ امام میں آکے حاضر ہوا اور شامی سے کہا کہ اجازت لے کر ابھی آتا ہوں تو اس موقعہ پر عباس کی امداد کے لیے حضرت علیؑ نے عباس کا سا لباس اور اس جیسے ہتھیار لگا کر میدان میں قدم رکھا۔ اور ایک ضربت یداللہی میں اسے دو ٹکڑے کر دیا اس ضربت سے تمام فوج شام میں تعجب سا طاری ہوا پس عمرو بن عنس لخمی جو مشہور بہادر تھا آگے بڑھا تو حضرت نے ایک ہی وار سے اسے بھی دو ٹکڑے کیا کہ اوپر کا حصہ اس کا زمین پر گر پڑا۔ اور نیچے کا حصہ گھوڑے کے اوپر رہا۔ یہ دیکھ کر عمرو عاص نے آواز بلند کی کہ یہ علیؑ کا کارنامہ ہے تو معاویہ نے کہا تو غلط کہتا ہے۔ عمرو نے کہا اگر میری بات پر باور نہیں تو گھوڑ سواروں کو حکم دیا جائے کہ سب یکبارگی حملہ کریں اگر میدان میں جما رہے تو سمجھنا علیؑ ہے ورنہ کوئی اور ہوگا۔ جب انہوں نے ایسا کیا اور حضرت علیؑ کے قدموں میں لغزش نہ آئی تب وہ سمجھے کہ یہ علیؑ ہے۔ اس موقعہ پر مالک اشتر نے عرض کی قبلۂ عالم۔ آپ کو رسولؐ سے حق قرابت کا

واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ ہٹ جائیے اور مجھے جنگ کی اجازت مرحمت فرمائیے۔ پس آپ نے اس کو اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ مالک اشتر کے رجزیہ اشعار لَقَّيْتُ وَفَرِيْ الخ حماسہ میں موجود ہیں۔

حضرت سید الشہداء دشمنوں کے مقابلہ میں تنہا پوری ثابت قدمی کا مظاہرہ فرماتے رہے لیکن کوئی نہیں تھا جو کہتا کہ آپ آرام کریں۔ اور مجھے اجازت دیں۔ امام نے پیدل ہو کر اس طرح لڑائی کی جس طرح شاہسوار شجاع لڑتا ہے۔ اور اس قدر مصائب والآم میں گھرے ہونے کے باوجود اس قدر شجاعت کا مظاہرہ یہ صرف حسینؑ ہی کا کام تھا آپ کے تمام زخم سامنے کی طرف تھے صرف دو زخم پس پشت تھے ایک سہ شعبہ تیر کا زخم جس کو پیچھے کی طرف سے نکالا تھا اور دوسرا شانوں کا زخم جو غربا تک کھانا پہنچانے کی وجہ سے ہو گیا تھا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

بعض روایات سے کتب مقاتل و تاریخ میں منقول ہے کہ آج تک کوئی ایسا دلیر و جری بہادر نہیں گذرا جس کے تن پاش پاش میں بے حد و حساب زخموں کے علاوہ اس کے سامنے بیٹے بھتیجے بھائی اور جملہ انصار گوسفندوں کی طرح ذبح کئے گئے ہوں نیز دل میں اہل پردہ کی بے بسی کا احساس بھی ہو اور بھوک و پیاس بھی حد کمال تک پہنچی ہو ان تمام باتوں کے باوجود پوری دلجمعی اور سکون قلب سے شیرانہ وار دشمنوں کا مقابلہ کرے اور پوری جرأت کا مظاہرہ کر کے میدان قتال میں اقدام کرتے ہوئے دشمنوں کی فوجوں کو تتر بتر کر دے یہ صرف حسینؑ ہی کا کام تھا اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ علیؑ کی شجاعت کے مقابلہ میں تمام شجاعانِ زمانہ کے کارنامے ہیچ ہیں لیکن حسینؑ کی شجاعت کی نوعیت کچھ اور ہے کیونکہ حضرت علیؑ کا جہاد صرف مدمقابل سے ہوتا تھا اور کربلا میں حسینؑ کا جہاد کافی دشمنوں سے تھا۔ پیاس گرمی درد اولاد اور فکر

ناموس وغیرہ کو فیوں کی یلغار سے کہیں بڑھ کر تکلیف دہ تھے لیکن پائے حسینؑ میں لغزش نہ آئی اور قدم لڑکھڑانے نہ پائے۔ پس ایسا جہاد کیا کہ تا قیامت انصاف پسند طبائع اور حق طلب انسان آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے رہیں گے۔

آہ! بہن کیلئے کسقدر صبر آزما وقت ہو گا جب حسین آخری وداع کیلئے تشریف لائے ہوں گے۔ سر تا پا زخموں سے چور، پیشانی سے خون جاری دہانِ اقدس زخمی، گلوئے نازنین پر تیر کا زخم اور سینۂ مقدس پر سہ شعبہ تیر کا شگاف گویا پورا لباس خون سے رنگین تھا اور جسم کا کوئی حصہ زخموں سے خالی نہ تھا اُفتاں و خیزاں در خیام پر تشریف لائے اور یہی وہ وقت تھا جب پردہ نشینان سرادقات عصمت کو آخری دیدار امامت کیلئے پریشانی لاحق تھی۔ پس آپ نے دھیمے لہجے میں فرمایا ہو گا: یَا زَیْنَبُ وَیا اُمَّ کُلْثُوْم وَیَاسَکِیْنَۃُ وَیَارُبَابُ عَلَیْکُنَّ مِنِّیْ السَّلَام۔ جیسا کہ یہ فقرے زبان زد عام ہیں اس سلام کے بعد تو بیبیوں کو یقین ہو گیا کہ اب ہمارا آخری سہارا بھی ختم ہونیوالا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ بہن نے بھائی کے لاتعداد زخموں پر پٹی باندھنے کی خواہش ظاہر کی ہو اور ممکن ہے کہ بہن نے بھائی کے گلے پر بوسہ دینے کی خواہش بھی کی ہو، جیسا کہ ذاکرین کی زبان پر جاری ہے، پس اس کے جواب میں حسین نے بہن کے ہاتھوں کو بوسہ دیا ہو گا۔ اور سر کے کھلے بالوں پر بھی ضرور بوسہ دیا ہو گا۔ اور بہن کو آخری وصیت میں فرمایا کہ مجھے نماز شب میں نہ بھول جانا۔

چھٹی مجلس

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ

دعوت ایمان کے لئے پہلے پہل دعوت عشیرہ ہے۔ جب حضورؐ پر یہ آیت اتری وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ تو آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ یا علیؑ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ اپنے قریبیوں کو ڈراؤں لیکن میرا جی گھٹ رہا ہے۔ اور سوچتا ہوں کہ اگر میں نے ان کو یہ بات کہی تو وہ مجھ سے الجھیں گے اور برُے پیش آئیں گے پس میں خاموش رہا لیکن بعد میں جبریلؑ سخت حکم لے کر نازل ہوا لہٰذا آپ ایک صاع کھانا تیار کریں جس پر ایک ران بکرے کی ہو اور ایک گھڑا دودھ کا ہو اور پھر عبد المطلب کی اولاد کو بلائیں تاکہ میں ان کو تبلیغ کروں۔ آپ فرماتے ہیں میں نے تعمیل ارشاد کی اور وہ چالیس نفر ایک کم یا زیادہ جمع ہوئے۔ ان میں حضرتؐ کے چچے ابوطالب۔ حمزہ۔ عباس اور ابولہب وغیرہ بھی تھے میں نے کھانا پیش کیا۔ پہلے پہل جناب رسالت مآبؐ نے گوشت کا ٹکڑا اٹھایا اور اپنے دندان مبارک سے توڑ کر کھایا اور باقی کو پیالہ میں رکھ دیا اور پھر آپ کے کہنے پر باقی لوگوں نے کھایا اور سب کے سب سیر ہوئے۔ حالانکہ بخدا ان بندوں میں سے ہر ایک اس قدر کھانے والا تھا جتنا کہ میں نے سب کے لئے تیار کیا تھا۔ اس کے بعد وہ دودھ سب نے سیر ہو کر پیا حالانکہ وہ ان میں سے ایک آدمی کے پینے کی مقدار کے برابر تھا پس اس کے بعد جب حضورؐ نے کچھ کہنا چاہا تو ابولہب نے سبقت کی اور کہنے لگا کہ ہم پر اس نے جادو کر لیا ہے اور سب کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور چلے گئے۔ اور حضورؐ کو بولنے کا موقعہ تک نہ دیا۔

دوسرے روز حضورؐ نے فرمایا یا علیؑ اس شخص نے مجھے بولنے نہ دیا تھا لہٰذا

اب دوبارہ کھانا تیار کرو اور سب کو دعوت دو۔ آپ فرماتے ہیں میں نے تعمیل حکم کی۔ پس حسب سابق جب وہ کھا پی بیٹھے تو حضورؐ نے سلسلۂ کلام کو اس طریق پر شروع فرمایا۔ اے اولاد عبد المطلب میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو دوں تم میں سے کون ہے جو اس معاملہ میں میری امداد کرے تاکہ وہ میرا بھائی وصی اور خلیفہ ہو۔ سب لوگ خاموش رہے تو میں نے عرض کی کہ حضورؐ میں اگرچہ سب سے چھوٹا ہوں لیکن اس معاملہ میں آپ کے ساتھ حاضر ہوں اور آپ کے ساتھ بوجھ اٹھانے کو تیار ہوں۔ پس حضورؐ نے میرا سر پکڑ کر فرمایا یہ میرا بھائی وصی اور خلیفہ ہو گا۔ لہٰذا تم پر اس کی اطاعت واجب ہو گی لوگ حضرت ابوطالب پر مضحکہ کرتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہتے تھے کہ اب تم اپنے علیؑ کی بات بھی سنو اور اس کی اطاعت بھی کرو۔ (معالم التنزیل تفسیر سورۂ شعرا) یہ روایت مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہے۔ تفسیر طبری جلد ۱۹۔ تاریخ طبری۔ خصائص نسائی ازالۃ الخفا۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۵۳۔ کنز العمال صفحہ ۶۹۶ مختارۃ الضیاء المقدوسی تفسیر ابن ابی الحاتم۔ ذخیرۃ المآل۔ تاریخ کامل

ابن عباس سے روایت ہے کہ حضورؐ نے میرا اور علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور چار رکعت نماز ادا کر کے دعا مانگی اے اللہ! حضرت موسیٰ بن عمران نے تجھ سے سوال کیا تھا اور میں محمدؐ بھی سوال کرتا ہوں کہ میرا سینہ کھول اور میرا معاملہ آسان کر اور میری زبان کی گرہ دور کر تاکہ میری بات کو سمجھیں اور میری اہل سے میرے بھائی علیؑ کو میرا وزیر بنا اور اس کے ذریعہ سے میری کمر کو مضبوط کر اور اس کو میرا شریک کار بنا۔ ابن عباس کہتا ہے کہ میں نے سنا کہ ایک منادی نے ندا دی۔ اے احمدؐ تو نے جو کچھ طلب کیا تجھے مل گیا۔ پس حضورؐ نے فرمایا اے ابوالحسنؑ ہاتھ بلند کر کے اپنے رب سے مانگو تاکہ وہ مجھے عطا فرمائے۔ پس علیؑ نے ہاتھ اٹھا کر عرض کی اے اللہ مجھے اپنی جانب سے عہد عطا

فرمایا اور مجھے اپنی طرف سے محبت کرامت فرمایا پس خدا نے یہ آیت بھیجی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (روضہ ندیہ، کتاب الکشف والبیان ثعلبی، تفسیر کبیر، تفسیر نیشاپوری، مطالب السئول تذکرہ خواص الامۃ۔ فصول مہمہ۔ مراۃ المومنین شاہ ولی اللہ) مصعب بن سعد اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ حضورؐ غزوہ تبوک میں جانے لگے تو علی کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تو حضرت علیؑ نے عرض کی حضورؐ! آپ مجھے بچوں اور عورتوں پر خلیفہ مقرر فرماتے ہیں؟ تو فرمایا اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَیْسَ نَبِیٌّ بَعْدِیْ (بخاری۔ مسلم۔ ابن ماجہ۔ ترمذی۔ خصائص نسائی۔ مسند احمد۔ کنز العمال مستدرک حاکم۔ استیعاب۔ تفسیر کبیر۔ مطالب السئول۔ تذکرہ خواص الامۃ۔ زاد المعاد ابن قیم۔ مشکوٰۃ۔ مودۃ القربیٰ۔ فصول مہمہ۔ تاریخ الخلفاء۔ تاریخ خمیس۔ صواعق محرقہ۔ روضۃ الاحباب ومراۃ المومنین شاہ ولی اللہ لکھنوی) حضرت عمر بھی اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ مدینہ کے لئے آپ کے یا میرے علاوہ کوئی دوسرا مناسب نہیں (مستدرک اور روضہ ندیہ) اور طبقات ابن سعد اور فتح الباری کے الفاظ یہ ہیں کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں کہ یا میں ٹھہروں یا آپ ٹھہریں۔ اور طبری اور ریاض النضرۃ کے لفظ ہیں کہ کیا آپ راضی ہیں کہ آپ کے لئے اجر مجھ جیسا ہو اور غنیمت بھی میری مثل ہو۔ مسند احمد کے الفاظ یہ ہیں کہ میرا جانا مناسب ہی نہیں جب تک کہ میرا خلیفہ نہ ہو۔ نیز مستدرک۔ جمع الجوامع۔ ازالۃ الخلفاء۔ روضہ ندیہ اور وسیلۃ النجاۃ ملا مبین لکھنوی میں بھی اسی طرح ہے اور حضورؐ سے یہ حدیث یوم مواخاۃ۔ یوم خیبر اور سد الابواب کے موقع پر بھی منقول ہے۔

نہج البلاغۃ میں آپ اپنے ایک احتجاج میں فرماتے ہیں کہ اصحاب محمدؐ جانتے

ہیں کہ میں نے کبھی ایک لمحہ بھر بھی خدا اور رسولؐ کی بات کو رد نہیں کیا اور میں نے رسولؐ خدا کی امداد ایسے مواقع پر کی کہ وہاں بہادروں کے جگر کانپتے ہیں اور قدم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ یہ میری ہمت تھی جو مجھے خدا نے کرامت فرمائی اور جب حضورؐ کی وفات ہوئی تو ان کا سر مبارک میرے سینہ پر تھا۔ اور انہیں میں نے ہی غسل دیا اور ملائکہ میرے شریک تھے گھر میں ایک کہرام تھا فرشتوں کی ایک فوج جا رہی تھی اور دوسری آ رہی تھی اور میں لگاتار سنتا رہا کہ فرشتے آپ پر درود پڑھتے تھے یہاں تک کہ ہم نے ان کو ضریح میں دفن کیا پس کون ہو سکتا ہے جو حضورؐ کی زندگی اور موت کے بعد مجھ سے ان کے معاملہ کا زیادہ سزاوار ہو۔

کنز العمال ج ۳ ص ۱۴۰ پر ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر حضورؐ کے دفن میں شریک نہیں ہوئے۔ وہ مجمع انصار میں تھے اور ان کی واپسی سے قبل حضورؐ کو دفن کر دیا گیا

۹ھ میں حضرت علیؑ سے مروی ہے جب سورۂ برأۃ کی پہلی دس آیتیں نازل ہوئیں تو آپؐ نے ابوبکر کو بلا کر فرمایا کہ جا کر اہل مکہ کو سنائیں پھر مجھے بلا کر فرمایا کہ ابوبکر کے پیچھے جاؤ اور اسے جہاں ملو کتاب لے لو اور اہل مکہ کو سنانے خود جاؤ۔ چنانچہ میں نے ایسا کیا اور ابوبکر واپس آ گیا اور عرض کی حضورؐ! کیا میرے بارے میں کچھ نازل ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ جبریلؑ نے آ کر یہ حکم خداوندی سنایا ہے کہ یا خود جایئے یا ایسے شخص کو بھیجیے جو تجھ ہی سے ہو۔ درمنثور۔ بخاری۔ سنن ابو داؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ مسند احمد۔ مستدرک حاکم۔ کشاف طبری۔ ثعلبی۔ ازالۃ الخفاء۔ تاریخ کامل۔

عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ میں حضرت عمر کے ہمراہ مدینہ کی گلیوں میں سے ایک گلی میں چل رہا تھا کہ مجھے کہنے لگے اے ابن عباس میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا ساتھی (علیؑ) مظلوم ہے میں نے دل میں کہا کہ یہ ایسی بات کیوں کہہ رہے ہیں خیر میں نے جواب دیا اگر ایسا ہے تو ان کو آپ حق واپس کر دیں۔ پس اس نے فوراً اپنا ہاتھ

میرے ہاتھ سے نکال لیا اور چلا گیا کہ میں ہمہمہ کی آواز سنتا تھا تھوڑی دور جا کر پھر ٹھہر گیا اور میں بھی جا پہنچا تو کہنے لگا۔ وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے کم عمری کے باعث ہی ان کو پیچھے ہٹا دیا ہے میں نے دل میں کہا کہ یہ بات پہلی سے بدتر ہے لیکن میں نے کہہ دیا کہ خدا کی قسم خدا و رسولؐ نے اس کو اس وقت بھی چھوٹا نہیں سمجھا تھا۔ جب آپ کے ساتھی سے سورہ برأۃ واپس کر کے ان کو دلوائی تھی۔ پس اسنے مجھ سے منہ پھیر لیا اور ہاتھ کھینچ کر چلا گیا۔ اور میں واپس آگیا۔ (ابن ابی الحدید)

تاریخ طبری میں ہے کہ پھر آپ نے حضرت عمر کو بلا کر اشرافِ قریش کی طرف روانہ کرنا چاہا لیکن عمر نے جواب دیا کہ میں قریش سے ڈرتا ہوں۔ جب حضرت ابوبکر واپس آئے تو کہنے لگے یا رسولؐ اللہ۔ کیا آپ کا مجھ پر تبلیغ کے لئے اعتماد نہیں تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ خدا نہیں چاہتا مگر یہ کہ علیؑ ہی پہنچائے۔ ابوبکر نے بہت کچھ کلام کیا آخر آپ نے فرمایا تو کیسے پہنچا سکتا جب کہ تو غار میں میرے ساتھ شریک تھا۔ حضرت علیؑ مکہ میں پہنچے پھر عرفات پھر مزدلفہ پھر منیٰ میں پہنچے ذبح کیا اور حلق کیا پس ایک پہاڑ پر چڑھ گئے جسے شعب کہتے ہیں اور تین دفعہ باآواز کہا۔ لوگو! میں تمہاری طرف اللہ کے رسول کا فرستادہ ہوں پھر براۃ من اللہ سے شروع کر کے نو آیتیں سورہ براۃ کی تلاوت کیں اور بار بار ان کو پڑھا۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے یہ کون ہے؟ تو بتایا گیا کہ یہ علیؑ ہے اور جو پہچانتے تھے انہوں نے کہا کہ یہ محمدؐ کا چچازاد ہے اور ایسی بات کے کہنے پر سوائے محمدؐ کے اپنوں کے کوئی جرأت کر سکتا بھی نہیں پس ایام تشریق میں تین روز آپ نے وہاں ٹھہر کر صبح و شام ان آیتوں کی تلاوت کا اعلان کیا۔ آخر کار لوگوں نے علیؑ کو یہ جواب دیا کہ جا کر کہہ دے کہ ہماری تلواریں اور نیزے حاضر ہیں اور حضرت علیؑ کو جس اعلان کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا ان میں سے یہ بھی تھا کہ جنّت میں صرف مُسلم ہی جائے گا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ حج کرے گا اور نہ بیت اللہ کا طواف کرے گا۔

کوئی عریان اور جن جن لوگوں کا جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ عہد ہے وہ اپنی میعاد تک باقی ہوگا۔ (بحار بحوالہ علل الشرائع)

جناب رسالت مآبؐ سے ایک طویل حدیث میں منقول ہے کہ میرے بھائی موسیٰؑ نے کوہ طور پر اپنے پروردگار سے مناجات کی تھی۔ آخر کلام میں خدا نے ارشاد فرمایا تھا کہ فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ اور ڈرو مت کیونکہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس کا جواب حضرت موسیٰؑ نے جو دیا تھا اس کا ذکر تو خدا خود فرماتا ہے کہ میں ان میں سے ایک آدمی کو قتل کر چکا ہوں لہٰذا مجھے ان سے قتل کا اندیشہ ہے۔ لیکن اس طرف علیؑ کو دیکھو کہ میں نے اس کو سورہ برائت دے کر اہل مکہ کی طرف بھیجا ہے حالانکہ علیؑ ان کے کافی آدمی قتل کر چکا ہے لیکن نہ ڈرا اور جھجکا اور نہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کا خوف کیا مکہ والے علیؑ پر دانت پیستے رہے کیونکہ علی کے ہاتھوں کسی کا باپ کسی کا بھائی قتل ہو چکا تھا لیکن خدا نے اس کو محفوظ کیا اور بخیریت مدینہ میں آگیا۔ (مناقب)

مقام تعجب ہے جو شخص چند آیات اپنے اہل شہر کو پہنچانے کے قابل نہ سمجھا گیا وہ ریاست عامہ متضمنہ ادائے جمیع احکام شرائع کے لیے کیسے اہل قرار دیا گیا۔ (تفصیل تفسیر انوار النجف میں ملاحظہ ہو) ج ۸ مباہلہ میں علیؑ کی فتح مبین ملاحظہ ہو۔ زید بن ارقم سے روایت ہے کہ ہم حضورؐ کے ہمراہ تھے۔ آپ پر وحی ہو رہی تھی اور ہم انتظار میں تھے یہاں تک کہ گرمی تیز ہو گئی۔ حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ اور حسنینؑ کو لائے اور حضورؐ کے انتظار میں ایک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے۔ پس حضورؐ باہر نکلے اور ان کے پاس پہنچے اور ہم اپنی جگہوں پر ٹھہرے رہے۔ پس وہ ہماری طرف اس حالت میں آئے کہ ان پر چادر کا سایہ کئے ہوئے ایک کنارہ چادر کا حضورؐ نے پکڑا تھا اور دوسرا علی کے ہاتھ میں تھا اور آپ یہ دعا مانگ رہے تھے

میرے اللہ میں ان کو دوست رکھتا ہوں تو بھی انہیں دوست رکھ۔ اے اللہ میری ان سے صلح ہے جو ان سے صلح رکھیں اور میری ان سے لڑائی ہے جو ان سے لڑیں آپؐ نے تین مرتبہ یہ کلمات دہرائے (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید) لیکن ہائے امت نے کیا سلوک کیا۔ (میں[1] کہتا ہوں) تاریخ اسلامی اگرچہ ہزاروں انقلابات سے گذری لیکن یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح وعیاں ہے اور اسے کبھی صفحاتِ تاریخ سے مٹایا نہیں جا سکتا کہ جس طرح رسول کریمؐ کی زندگی میں اسلامی فتوحات علیؑ کی ممنونِ احسان ہیں اسی طرح جناب رسالت مآبؐ کے بعد اسلام کی بقا علیؑ اور اولاد علیؑ کی قربانیوں کے صدقہ میں ہے۔ جب یزیدیت اسلام پر چھا رہی تھی تو علیؑ کی اولاد نے اپنے امن و آرام چھوڑے۔ وطن چھوڑا۔ بیت اللہ کو وداع کہا جنگل میں قیام کیا۔ دریائے فرات سے الگ ہو کر یہاں رہنا گوارا کیا۔ بچے دیئے جوان دیئے۔ حتیٰ کہ اپنا سب کچھ دیا سر دیا گھر دیا اور اپنی ناموس کی بھی پرواہ نہ کی۔ لیکن اسلام کو اس طرح سربلند کیا کہ ہزاروں کوششوں کے باوجود تا قیامت یزیدیت میں ابھرنے کی تاب نہیں اور حسینی پرچم اب قیامت تک جھکایا نہیں جا سکتا اور چونکہ اسلام پر یزیدیت کے دباؤ کو حسینؑ نے ہی ختم کیا بس اب تا قیامت اسلام اور حسینیت ایک ہی مقصد کی دو تعبیریں ہیں۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا - اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

[1] اس سے مراد مؤلف ہے (منہ)

ساتویں مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ۔

خدا کی مغفرت کا عالم دیکھیے۔ جناب سیّدہ کی ایک تسبیح پڑھنا ۲ ہزار رکعت نافلہ کے ثواب کے برابر ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ لِكُلِّ شَيْءٍ ثَوَابٌ اِلَّا الدَّمْعَةُ۔ یعنی ہر شے کے ثواب کی حد ہے سوائے آنسو کے یا یہ کہ ہر شیٔ کا ثواب لکھا جاتا ہے سوائے آنسو کے کہ ان کا ثواب لکھنے سے باہر ہے۔ حدیث میں ہے جو شخص مومن کی میت کو غسل دے خدا اس کے بدن سے تمام گناہ اس طرح دھو دے گا۔ جس طرح وہ شکم مادر سے پیدا ہوا تھا بشرطیکہ قربت کی نیت ہو نیز وارد ہے کہ جو شخص ایک مرد مومن مسلمان کو کفن دے تو گویا وہ قیامت تک کے لیے اس کو لباس پہناتا رہا۔ نیز جو شخص ایک مومن کی قبر کھودے خدا اس کو جنت کا گھر دیگا۔ جو شخص ایک مومن کے جنازہ کی تشیع کرے تو جب مومن قبر میں سوتا ہے اسے ندا پہنچتی ہے کہ خدا کی طرف سے پہلا عطیہ یہ ہے کہ تیرے تشیع کرنے والوں کو میں نے بخش دیا اور جو شخص مومن کے جنازے کو اٹھائے اور ترتیب وار چاروں پایوں کے نیچے کندھا دے اس کے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں اور ایک پائے کے نیچے کندھا دینے سے اس کے ۲۵ گناہانِ کبیرہ بخشے جاتے ہیں اور جو شخص مومن کی قبر پر پشت دست سے خاک گرائے تو اس خاک کے ہر ذرّہ کے مقابلہ میں اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جو شخص ایک یتیم کو تسلی دے خدا اس پر درود و سلام بھیجتا

ہے۔ یہ تو ایک عام مومن کے لئے ہے اور اگر مومن مومن کامل ہو پھر مسافر ہو پھر مظلوم ہوا اور پھر شہید بھی ہو بلکہ سید الشہداءؑ ہو تو کیا اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ تین روز تک اس کی لاش بے دفن صحرا میں پڑی رہے۔ میدان کربلا میں آج تیسرا روز ہے کہ متعدد لاشیں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک حسینؑ بن علیؑ کسی طرف علی اکبرؑ کسی طرف عباسؑ۔

قاعدہ ہے کہ میت کے لئے آواز کی جاتی ہے۔ لیکن ہائے ان شہیدوں کا کوئی نہ تھا جو ان کے لئے آواز کرتا۔ البتہ علیؑ کی شہزادی نے جب لاشوں سے جدا ہونا چاہا تو مہلت نہ ملی کہ کچھ کہتی۔ ہاں اتنا ہی کہا اَمَا فِیْکُمْ مُسْلِمٌ کیا تم میں مسلمان کوئی نہیں؟ اب ان مقدس لاشوں کی تجہیز معنوی کے لئے عالیہ بی بی کی نیابت میں ہم ندا بلند کرتے ہیں حضرت ابوذر کی صاحبزادی کے کلمات سے جب کہ حضرت ابوذر صحرائے ربذہ میں کوچ کر گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ ابوذر تنہا اپنی لڑکی کے ہمراہ جنگل میں گھاس کی تلاش میں گئے تا کہ وہ خود کھائیں آپ بیمار بھی تھے۔ پس حالتِ موت طاری ہو گئی۔ لڑکی نے باپ کے سرہانے ریگ صحرا کو اکٹھا کر کے سرہانہ بنایا اور عرض کی۔ بابا جان اس جنگل میں تیری لاش سے میں کیا کروں گی۔ آپ نے فرمایا۔ اے دختر مجھے پیغمبر نے اپنی موت کی خبر دی تھی۔ بس ایک جماعت عراق سے آئے گی اور میری تجہیز کا سامان وہی کریں گے۔ راستہ پر بیٹھ جانا اور ان کو اطلاع دینا۔

ابوذر قبلہ رُخ ہو گئے اور اس عالمِ فانی سے کوچ کر گئے۔ لڑکی نے باپ کی لاش پر عبا کو پھیلا دیا۔ اور باپ کی وصیت کے مطابق راستہ پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر کے بعد قافلہ کو آتا دیکھا ان میں ابن مسعود اور مالک اشتر اور دیگر صحابہ بھی تھے ابوذر کی لڑکی نے آواز دی۔ اے اللہ کے بندو، صحابی رسولؐ حضرت ابوذر کا اس

جنگل میں بعالم غربت انتقال ہو گیا ہے۔ میرا کوئی نہیں جو باپ کی تجہیز و تکفین میں میری امداد کرے ابھی دو گھنٹے ہوئے ہیں کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ اہل قافلہ نے جونہی یہ خبر وحشت اثر سنی سواریوں سے اتر پڑے اور حضرت ابوذر کی لاش پر پہنچے۔ اور ابوذر کے کفن میں ایک دوسرے سے نزاع کرنے لگے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ اس مقدس صحابی رسولؐ کو کفن میں دوں۔

آج میں آواز دیتا ہوں۔ اے مسلمانو۔ کربلا میں حسینؑ بن علیؑ کی لاش بے دفن ہے علی اکبرؑ کی لاش ہے عباسؑ کی لاش ہے۔ یہ سب عالم مسافرت میں بے جرم و گناہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ عمر سعد نے اپنے مقتولین کا جنازہ بھی پڑھا اور انہیں دفن بھی کیا لیکن حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کی لاشوں کو دفن کرنے والا کوئی نہیں۔ آج میں جس کی طرف سے ندا کر رہا ہوں وہ ایک اور مصیبت میں گرفتار ہے۔ یہ خیال کرنا کہ ان لاشوں کی تجہیز کسی نے نہیں کی بلکہ جو تجہیز ان کی ہوئی وہ کسی کی آج تک نہ ہو سکی۔ آج تقریباً ۱۲۷۲ سال ہو چکے ہیں لوگ اب تک ان کی تجہیز میں برابر مشغول ہیں۔ ان کی تجہیز میں خدا و رسولؐ اور ملائکہ کرام سب شامل ہیں۔ ان کی اہل بیت نے اپنے مخصوص حالات میں تجہیز کی اور تمام مخلوق نے ان کی تجہیز میں حصہ لیا۔

خدا کی تجہیز سے مراد۔ ایک نور ساطع ان کے ہمراہ تھا۔ چنانچہ ایک اسدی روایت کرتا ہے کہ میں نے جسموں میں ایک جسم دیکھا جو مثل آفتاب کے روشن تھا۔ زید بن ارقم کہتا ہے کہ میں بالاخانہ پر بیٹھا تھا میں نے کمرہ کی کھڑکی سے دیکھا کہ اندر ایک نور داخل ہوا۔ اور دریافت سے معلوم ہوا کہ یہ حسینؑ بن علیؑ کا سر تھا اور اس کا نور تھا اور ان پر اللہ کا درود و سلام ہے۔ چنانچہ ہر ایک کہتا ہے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ بلکہ کہا جاتا ہے کہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَی الْبَاکِیْنَ عَلَی الْحُسَیْنِ۔

یعنی حسینؑ پر بلکہ حسینؑ کے رونے والوں پر بھی اللہ کی طرف سے درود و سلام ہے ان ارواح مقدسہ کی روحیں خداوند کریم نے اپنے ید قدرت سے قبض کیں۔

تجہیز نبویؐ یہ ہے۔ کہ حضورؐ چالیسویں تک اس لاش کی تشییع کرتے رہے اور حسینؑ کی قبر کو خود اپنے ہاتھوں سے کھودا چنانچہ اسی روز جب بنی اسد آئے اور حضرت سجاد بھی خفیہ طور پر پہنچے تو جونہی بنی اسد نے کلنگ زمین پر مارا تو کھودی ہوئی قبر موجود پائی۔ جب ام سلمہ کو عالم خواب میں زیارت سے مشرف فرمایا۔ تو دریافت پر جواب دیا۔ میں حسینؑ کی قبر کھودتا رہا ہوں اور مَا زِلْتُ اَلْتَقِطُ دِمَائَهُمْ اور ان کا پاک خون اپنے ہاتھوں پر روکتا رہا ہوں۔

تجہیز ملائکہ:۔ وقت شہادت آپ کے جسد اطہر کو پانچویں آسمان پر لے گئے جہاں علیؑ کی صورت موجود ہے اور پھر واپس لائے اس کی وجہ معلوم نہیں اور معنوی طور پر چشمہ تسنیم سے پانی لائے اور ان پاک جسموں کو غسل دیا اور کفن پہنایا۔

تجہیز سید الشہداءؑ:۔ آپ اپنی خود تجہیز فرما رہے تھے اور اپنی قبر کی خود نشاندہی فرماتے تھے۔ چنانچہ ام سلمہ سے فرمایا تھا۔ مَنْ ذَا یَکُوْنُ سَاکِنُ حُفْرَتِیْ۔ اور آخری وقت میں اپنی بہن سے فرمایا۔ اِیْتِیْنِیْ بِثَوْبٍ عَتِیْقٍ لَا یَرْغَبُ فِیْهِ اَحَدٌ۔ مجھے پرانا لباس لا دیجئے جسے کوئی پسند نہ کرتا ہو۔ جب وہ لایا گیا تو آپ نے اس کو بھی جگہ جگہ سے پارہ پارہ کیا اور پھر اپنے جسد کو خون سے غسل دیا اور فرمایا۔ هٰكَذَا اَحْتٰی اَلْقَی اللّٰهَ وَاَنَا مُخْضَبٌ بِدَمِیْ۔ میں اپنے خون سے اپنے آپ کو خضاب کر کے بارگاہ خداوندی میں پیش ہوں گا۔ ہاں ہاں۔ بے شک آپ کا خون خلد کا ساکن ہے۔ لوگوں نے آپ کے جسد اطہر کو خاک و خون میں غلطاں چھوڑ دیا آپ کے خون کا رنگ سرخ تھا اور خوشبو کستوری کی تھی۔

تجہیز اہل بیتؑ:۔ یہ تھی کہ لاشوں پر پہنچ کر اپنے تئیں لاشوں پر گرا دیا۔

اور اپنی بہتی ہوئی آنسو سے غسل دیا اور کربلا سے کوفہ تک اور کوفہ سے شام تک تشییع کی۔

تجہیز تمام مخلوق:۔ شہادت کے بعد صحرا کے جانور آئے۔ وحوش و طیور آئے بلکہ ہوا نے آکر سامان تجہیز کیا۔ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ میرا ماں باپ قربان ہو حسینؑ پر جو کوفہ کے قریب شہید ہوں گے۔ گویا میں دیکھتا ہوں کہ وحوش صحرا نے اپنی گردنیں اس کی قبر پر لمبی کی ہیں اور رو رہے ہیں اور ساری رات صبح تک ماتم کرتے رہے ہیں۔ جب یہ وقت آجائے تو ظلم نہ کرنا۔

تجہیز بنی اسد:۔ ہاں اس دن بنی اسد بھی آئے۔ وہ زمین کربلا سے کچھ فاصلہ پر اپنی کھیتیوں میں تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کو عورتوں نے غیرت دلائی اور کہا کہ اگر تمہیں ابن زیاد کا ڈر ہے تو ہم جا کر ان پاک بدنوں کو دفن کرتی ہیں۔ پس وہ لوگ ابن زیاد کے خوف سے اس طرح آئے کہ کچھ لوگوں کو حفاظت کیلئے ادھر ادھر کھڑا کر دیا۔ اسی اثنا میں دیکھا کہ ایک سوار نمودار ہوا جو کوفہ کی طرف سے دکھائی دیا پس وہ گھوڑے سے اترا اور حالت رکوع کی طرح کمر جھکا کر حسینؑ کی لاش پر گیا اور لاش سے لپٹ گیا لاش کو بوسے دیتا تھا اور خوشبو سونگھتا تھا اور اس قدر رویا کہ تحت الحنک آنسو سے تر ہو گیا۔ بنی اسد سے دریافت کیا کہ تم لوگ کیوں آئے ہو انہوں نے جواب دیا کہ لاشوں کے دفن کے لیے آئے ہیں پس حکم دیا کہ ان کی قبریں کھود دو۔ اور یہ بتایا کہ اس کو پہلے اور اس کو بعد میں بالترتیب قبروں میں اتارو۔ پھر وہ آپ کی مدد کے لئے لاش حسینؑ پر گئے۔ لیکن آپ نے نہایت دھیمی آواز میں ان کو کہا تم سب ہٹ جاؤ اس لاش کو میں خود تنہا دفن کروں گا وہ کہتے ہیں ہم نے عرض کی مولا۔ آپ تنہا کس طرح دفن کریں گے حالانکہ ہم سب کوشش کر چکے ہیں لیکن اس کے بدن مطہر کے ایک عضو کو بھی ہم حرکت نہیں دے سکتے۔ تو آپ سخت روئے اور فرمایا

کہ اس معاملہ میں میری امداد کرنے والے موجود ہیں۔ پس اپنے دونوں ہاتھ مبارک لاش مطہر کی کمر کے نیچے رکھے اور زبان پر یہ کلمات جاری فرمائے۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ هٰذَا مَا وَعَدَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ پس تنہا لاش مطہر کو قبر میں اتارا اور کسی کو ہاتھ تک نہ لگانے دیا پھر اپنے رخسار کو گلوئے بریدہ پر رکھا اور بہت دیر تک روئے اور یہ لفظ کہے۔

طُوْبٰى لِاَرْضٍ تَضَمَّنَتْ جَسَدَكَ الشَّرِيْفَ اَمَّا الدُّنْيَا فَبَعْدَكَ الْمُظْلِمَةُ وَاَمَّا الْاٰخِرَةُ فَبِنُوْرِكَ مُشْرِقَةٌ اَمَّا الْحُزْنُ فَسَرْمَدٌ وَاللَّيْلُ فَمُسَهَّدٌ حَتّٰى يَخْتَارَ اللّٰهُ لِيْ دَارَكَ الَّتِيْ اَنْتَ مُقِيْمٌ فِيْهَا فَعَلَيْكَ مِنِّي السَّلَامُ يَا بْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

ترجمہ

یعنی پاک ہے وہ زمین جس نے تیرے پاک جسم کو اپنی گود میں لیا ہمارے لئے دنیا تیرے بعد تاریک ہوگئی اور آخرت تیرے نور سے روشن ہوگئی۔ میرا غم دائمی ہوگا۔ اور رات بیداری میں گذرے گی۔ یہاں تک کہ خدا میرے لئے وہ گھر اختیار کرے جس میں آپ مقیم ہیں۔ پس اے فرزند رسولؐ میرا سلام قبول ہو اس کے بعد قبر کو بند کر دیا پھر اپنے ہاتھ مبارک کو قبر پر رکھا اور انگشت مبارک سے قبر کے اوپر یہ الفاظ لکھے۔ هٰذَا قَبْرُ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ الَّذِيْ قَتَلُوْهُ عَطْشَانًا غَرِيْبًا۔ (یہ حسینؑ بن علیؑ کی قبر ہے۔ جس کو لوگوں نے عالم مسافرت میں پیاسا کر کے شہید کیا) اس کے بعد حضرت عباس کی قبر کی طرف متوجہ ہوئے اور لاش سے خطاب کیا۔ عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفَا يَا قَمَرَ بَنِيْ هَاشِمٍ اے قمر بنی ہاشم تیرے بعد دنیا پر خاک ہے۔ لاشوں کے دفن سے فارغ ہو کر بنی اسد

سے فرمایا اگر کوئی زائر آیا تو ان کو قبروں کی نشاندہی کرنا۔ انہوں نے عرض کی تجھے اس جسم مطہر حسینؑ کو آپ نے تنہا دفن کیا ہے آپ کون ہیں؟ تو فرمایا میں تمہارا چوتھا امام علی بن حسینؑ ہوں انہوں نے دوبارہ پوچھا کہ آپ ہمارے چوتھے امام ہیں تو فرمایا ہاں اور آنکھوں سے غائب ہوگئے۔ لیکن تجہیز نہ کر سکے کیونکہ جو اشرف اعضا رہے وہ چالیس روز تک نوک سنان پر رہا۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(ملحض کلام شیخ جعفر شوستری اعلی اللہ مقامہ)

(اقول) حضرت سجاد علیہ السلام نے اعجاز امامت کے ذریعے کوفہ سے تشریف لا کر لاشہ ہائے شہدا کو دفن کیا لیکن بہن تو بھائی کو گرم زمین کربلا پر بے گور و کفن دیکھ آئی تھی، یہ بات یاد رہے کہ شہید کا کفن اس کا اپنا لباس ہوا کرتا ہے اور حسین علیہ السلام کو بے کفن اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ پرانا لباس جو مظلوم نے اپنی بہن سے آخری وقت طلب کیا تھا تاکہ لوٹا نہ جائے مسلمانوں نے وہ بھی اتار لیا تھا اب یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ حضرت سجاد نے اپنے بابا کو کونسا کفن پہنایا ہوگا۔ البتہ جب فوج اشقیاء نے اپنے نجس مردوں کو دفن کرنے کی تجویز کی تھی اس وقت بنت علی نے جناب فضہ کو بھیج کر عمر سعد سے پوچھا تھا کہ اگر ہمیں اجازت ہو تو کم از کم ہم بھی اپنے شہدا کو خصوصاً حسین کے جسد مبارک کو دفن کر دیں تو فضہ روتی ہوئی واپس آئی اور یہ جواب لائی کہ ہم تو صرف مسلمانوں کی لاشوں کو دفن کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ (علم امامؑ وہی)

ہائے کسقدر ظالم و بے درد تھے وہ لوگ جو اپنے آپ کو تو مسلمان سمجھتے تھے اور بانی اسلام کے فرزند کو خارج از اسلام اور باغی کہتے تھے۔

ہائے سادانیوں نے یہ فقرے کس طرح سنے ہوں گے۔

سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ

آٹھویں مجلس

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْن

ایمان ابوطالب۔ قریش جناب رسالت مآبؐ کو قسم قسم کی تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ اور سب سے زیادہ آپ کا چچا ابولہب آپ کو زیادہ ستاتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ حجر اسود کے قریب تشریف فرما تھے کہ انہوں نے ایک بکرے کی اوجھڑی آپ پر ڈال دی۔ آپ غمزدہ ہو کر اپنے چچا حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور فرمایا چچا آپ کی میرے ساتھ محبت کیسی ہے؟ حضرت ابوطالب نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ قریش نے میرے اوپر اوجھڑی ڈالی ہے پس حضرت ابوطالب نے حضرت حمزہ سے کہا کہ تلوار سنبھالو قریش ابھی تک مسجد الحرام میں بیٹھے تھے کہ یہ دونوں بزرگوار تلواریں لے کر پہنچے اور اوجھڑی لے کر فرمایا۔ میں ہر ایک پر اسے پھیروں گا جس نے انکار کیا تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا اس کے بعد حضور کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا۔ بھتیجے تیری محبت ہمارے دلوں میں ایسی ہے۔ (بحار)

ایک دفعہ حضورؐ نماز میں مشغول تھے کہ ایک شخص حضورؐ کی گردن پر اپنا نجس قدم رکھنے کے لیے آگے بڑھا لیکن فوراً الٹے پاؤں پیچھے پلٹا لوگوں نے وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ میرے اور ان کے درمیان ایک آگ کی خندق پیدا ہو گئی اور میں نے پروں والے کئی فرشتے بھی وہاں دیکھے۔ آپؐ نے بعد میں فرمایا اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا عضو عضو جدا کر ڈالتے۔ (بحار)

آپ باہر تشریف لائے اور مقام حجر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا اے گروہ قریش اے گروہ عرب توحید اور میری رسالت کا اقرار کرلو۔ شرک اور بت پرستی

چھوڑ دو اگر میری نصیحت مانو گے تو عرب و عجم کے بادشاہ ہو جاؤ گے اور جنت کے بھی سردار ہو گے پس لوگ تمسخر کرنے لگے اور دیوانہ کہنے لگے لیکن حضرت ابوطالب کی وجہ سے جسارت کوئی نہ کر سکا۔ سب جمع ہو کر حضرت ابوطالب کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ تیرا بھتیجا ہمیں بے وقوف کہتا ہے اور ہمارے خداؤں کو گالیاں دیتا ہے اس نے ہمارے جوان طبقہ کو بگاڑ دیا اور ہماری جماعت میں کھلبلی ڈال دی اگر وہ تنگدستی کے لیے ایسا کرتا ہے تو ہم باہمی چندہ سے اس کو کافی مال جمع کر دیتے ہیں کہ قریش سے زیادہ مالدار ہو جائے گا اور جس عورت سے کہے اس کی شادی کراتے ہیں۔ حضرت ابوطالب نے حضورؐ کے سامنے یہ ماجرا بیان کیا آپؐ نے فرمایا چچا جان! یہ اللہ کا دین ہے جس کو اس نے انبیاء و رسل کے لیے پسند فرمایا اور اس نے مجھے رسولؐ بنا کر بھیجا ہے کہ لوگوں کو تبلیغ کروں۔ ابوطالب نے لوگوں کے لئے سوال کو دہرایا آپ نے فرمایا۔ ناممکن ہے کہ میں اپنے پروردگار کے حکم کی مخالفت کروں۔ پس حضرت ابوطالب خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد پھر حضرت ابوطالب کے پاس جمع ہو کر کہنے لگے تو ہمارے سرداران قوم میں سے ہے محمدؐ کو ہمارے حوالہ کر دے تاکہ اس کو ہم قتل کر دیں اور آپ ہمارے بادشاہ بن جائیں تو حضرت ابوطالب نے ایک قصیدۂ طویلہ پڑھا۔ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتا ہے کہ ابن اسحاق نے اس کا سیر میں مکمل ذکر کیا ہے جس کے اسّی سے زیادہ شعر ہیں اسی قصیدہ میں آپ فرماتے ہیں۔

لَمَّا رَاَیْتُ الْقَوْمَ لَاوُدَّ فِیْھِمْ
جب میں نے دیکھا کہ ان لوگوں میں پیار و محبت کی بات نہیں رہی

وَقَدْ قَطَعُوْا کُلَّ الْعُرٰی وَالْوَسَائِلِ
اور ہر قسم کے تعلقات اور میل جول کے ذرائع کو خیرباد کہہ چکے ہیں۔

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ يُبْزَى مُحَمَّدٌ
(تو میں نے کہا، کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ بیت اللہ کی قسم نا ممکن ہے) کہ

وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُوْنَهٗ وَنُنَاضِلِ
محمدؐ قتل کیا جائے بغیر اس کے کہ ہم اس کی حفاظت کے لیے تیر و

وَنُسْلِمُهٗ حَتّٰى نُصَرَّعَ دُوْنَهٗ
نیزہ کو استعمال نہ کریں اور اسے چھوڑ دیں بغیر اس کے کہ اس کی

وَنَذْهَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ
حفاظت کے لئے ہم قتل کئے جائیں اور بیوی بچوں کی بھی پرواہ نہ کریں۔

جب قریش نے جناب رسالت مآبؐ کے قتل پر ایکا کیا اور آپس میں عہد نامہ لکھا تو حضرت ابو طالب نے بنی ہاشم کو جمع کر کے بیت رکن مقام اور مشاعر کی کعبہ میں قسم کھائی اور فرمایا کہ اگر محمدؐ کو ایک کانٹا چبھنے کی تکلیف بھی ہوئی تو میں تم سب کی گردنیں اڑادوں گا۔ پس آپ کو شعب میں لے گئے اور شب و روز آپ کی حفاظت فرماتے تھے اور چار سال تک تلوار لے کر خود پہرہ دیتے رہے۔ (بحار)

حضرت ابو طالب نے تین سال تک پیغمبر کی حفاظت اس طرح کی کہ لوگوں کے سامنے حضورؐ کو ایک بستر پر سلاتے تھے اور جب رات کا ایک حصہ گذر جاتا تھا تو ان کا بستر تبدیل کر کے ان کے بستر پر کسی رات خود آرام کرتے تھے اور کسی رات حضرت علیؑ کو سلاتے تھے۔ ایک مرتبہ جو حضرت ابو طالب اپنے فرزند علیؑ کے پاس گئے تو حضرت علیؑ نے عرض کی بابا جان! آپ مجھے موت کے بستر پر سلاتے ہیں؟ تو حضرت ابو طالب نے چند اشعار کہے جن کا مقصد یہ ہے (بیٹا صبر کرو۔ کیونکہ صبر کرنا دانشمندی ہے۔ اور ہر زندہ کی بازگشت موت ہی ہے۔ بے شک ہم نے تجھے مقام امتحان میں پیش کیا ہے کیونکہ تجھے نجیب بن نجیب کا فدیہ قرار دیا

ہے (فواتح میبذی) اس کے جواب میں حضرت علیؑ نے یہ اشعار پڑھے۔

اَتَأْمُرُنِیْ بِالصَّبْرِ فِیْ نَصْرِ اَحْمَدٍ
کیا آپ مجھے جناب احمد مجتبیٰؐ کی نصرت میں تلقین صبر فرماتے ہیں؟ خدا کی

فَوَاللّٰهِ مَا قُلْتُ الَّذِیْ قُلْتُ جَازِعًا
قسم میں نے جو کچھ عرض کیا۔ وہ از راہ بزدلی نہیں تھا۔

وَلٰکِنَّنِیْ اَحْبَبْتُ اَنْ تَرَ نُصْرَتِیْ
بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ آپ میری فداکاری دیکھیں تاکہ آپ کو معلوم

لِتَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَزَلْ لَکَ طَائِعًا
ہو کہ میں آپ کا دائمی اطاعت گذار ہوں اور جناب احمد مجتبیٰؐ کی نصرت

وَسَعْیِیْ لِوَجْهِ اللّٰهِ فِیْ نَصْرِ اَحْمَدٍ
میں خوشنودی خدا کی خاطر میری جدوجہد بھی دیکھیں کہ نبی محمود کی

نَبِیِّ الْهُدٰى الْمَحْمُوْدِ طِفْلًا وَیَافِعًا
نصرت بچپنے اور جوانی میں میں کیسے کرتا ہوں۔ (روائع القرآن)

ایک مرتبہ ایک اعرابی بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوا اور اپنے اشعار میں اپنے علاقہ کی بربادی قحط سالی اور قلت باران کی شکایت کی اور آپ سے دعا کی خواہش کی۔ آپؐ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص قحط سالی اور قلت باران کا شاکی ہے۔ پس آپؐ اٹھے اور منبر پر تشریف لائے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد طلب باراں کے لئے دعا مانگی ابھی تک آپؐ نے اپنے ہاتھ واپس نہیں کئے تھے کہ مدینہ پر بادل چھا گئے اور زوروں کی بارش ہوئی۔ یہاں تک کہ ہر طرف سے الغرق الغرق کی آوازیں بلند ہونے لگیں پس آپ نے دعا کی تو بارش رک گئی۔ آپ ہنس پڑے اور فرمایا خدا ابو طالب کو جزا دے اگر آج ہوتا تو اس کی آنکھ ٹھنڈی ہوتی اپنے

شعر کے مضمون کی صداقت سے۔ پس حضرت عمرؓ اُٹھے اور کہنے لگے کہ شاید آپ ابوطالب کا یہ شعر مراد لے رہے ہیں۔

وَمَا حَمَلَتْ مِنْ نَاقَةٍ فَوْقَ ظَهْرِهَا	کسی ناقہ نے اپنے پشت پر ایسے شخص کو نہیں اٹھایا جو حضرت محمدؐ
اَبَرُّ وَاَوْفٰی ذِمَّةً مِنْ مُحَمَّدٍ	سے زیادہ نیک اور وفادار ہو۔

حضورؐ نے فرمایا یہ تو ابوطالب کا شعر ہی نہیں بلکہ یہ تو حسان بن ثابت کا ہے پس حضرت علیؑ اُٹھے اور عرض کی شاید اس سے مراد یہ شعر ہے۔

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ	آپ نورانی چہرہ والے ہیں کہ آپ کی وجہ سے بادل سے طلب باراں
ثِمَالَ الْيَتَامٰى عِصْمَةً لِلْاَرَامِلِ	کی جاتی ہے۔ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کا دادرس ہے۔ آل ہاشم کے
تَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ	مصیبت زدگان اس کی پناہ حاصل کرتے ہیں اور اس کی بدولت
فَهُمْ عِنْدَهٗ فِيْ نِعْمَةٍ وَفَوَاضِلِ	وہ نعمتوں اور خوشحالیوں میں ہیں۔

یہ ایک طویل قصیدہ ہے جس کے دو شعر پہلے بھی ذکر ہوئے ہیں۔ اس میں آپ نے حضورؐ کی صداقت کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔ (بحار)

جب تک حضرت ابوطالب زندہ رہے تو آپ امن سے تبلیغ اسلام فرماتے رہے اور حضرت ابوطالب کی موت کے بعد قریش کی طرف سے تکالیف زیادہ ہو گئیں۔ ہجرت سے تین سال قبل ابوطالب اور خدیجہؓ کا انتقال ہوا اور یہ حضورؐ کی ذات بلکہ اسلام کا زبردست المیہ تھا۔

ایک دفعہ ایک کافر نے حضورؐ کے سر مبارک پر مٹی ڈالی آپ گھر آئے۔ بتولؑ

معظمہ اپنے بابا کے سر سے مٹی کو صاف بھی کرتی تھی اور روتی بھی تھی تو آپ فرماتے تھے۔ دختر گرامی صبر کرو خدا تیرے باپ کا خود محافظ ہے۔ نیز فرمایا کہ جب تک ابوطالب موجود تھے قریش کی یہ جرأت نہ تھی۔ (تاریخ طبری)

رسولؐ کے ناقدر شناس کہتے ہیں کہ ان تکالیف میں حضورؐ کفار کی دلجوئی کرنے لگے تھے۔ چنانچہ سورہ والنجم اتری اور آپ نے تلاوت کی۔ جب وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى۔ پر پہنچے تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیئے تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى۔ ان الفاظ سے مشرکین خوش ہوئے کیونکہ ان کے خداؤں کی تعریف تھی۔ پس بوقت شام جبریلؑ نے آکر تنبیہ کی کہ تم نے خدا پر افترا کیا تو حضورؐ بہت غمگین ہوئے الخ (تاریخ طبری)

معاذ اللہ خدا ایسے عقیدہ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ اسی سورہ نجم کے شروع میں اسی رسولؐ کے حق میں ارشاد ہے کہ۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول خدا قرآن میں اپنی جانب سے کچھ الفاظ بڑھا دیں یا کسی رسولؐ کی زبان پر شیطان کسطرح مسلط ہو سکتا ہے؟ غیر جو لوگ خدا کا قدم جہنم میں ڈال سکتے ہیں ان کے لئے رسول پر الزام لگانا کیا مشکل ہے؟ حضرت ابوطالب اور خدیجہؓ کی وفات کے بعد وحی ہوئی کہ مکہ میں اب تمہارا کوئی حامی نہیں رہا۔ لہٰذا ہجرت کر جاؤ۔ شب ہجرت دنیا کی عظیم الشان تاریخی راتوں میں سے ہے۔ دیکھئے حضرت ابوطالب نے رسولؐ کی حفاظت کے لئے جو طریقہ اختیار کیا تھا اسی روش سے حضرت علیؑ خوابگاہ آنحضرتؐ پر ایسے استقلال و ایمان سے سو گئے کہ خدا نے فرشتوں پر مباہات کی اور آیت مرضات نازل فرمائی۔ سفر ہجرت کا سارا انتظام سواری و زاد راہ وغیرہ کا حضرت امیرؑ نے کیا۔ مکہ میں رہ کر حضورؐ کی امانتیں

اداکیں پھر حرمِ رسولِ خداؐ کو باحتیاط مدینے پہنچایا۔ حضرت امیر علیہ السلام رات کو سفر کرتے اور دن کو آرام کرتے تھے جب مدینے پہنچے تو آپ کے قدم مبارک پھول گئے تھے جنابِ رسالت مآبؐ نے جب بلایا تو چلنے کی طاقت نہ تھی پس حضورؐ خود بنفسِ نفیس تشریف لائے اور گلے لگایا اور پاؤں کے ورم دیکھ کر رو دیئے اور اپنا لعاب دہن ڈالا تو تندرست ہو گئے کہ پھر تا دمِ شہادت عافیت سے رہے۔ (تاریخ کامل۔ اسد الغابہ) بے شک ہزار تلواروں کے سائے میں اطمینان سے سونا علیؑ کا کام تھا۔ لیکن جسم مبارک پر تلوار لگی نہیں۔ مگر قربان جاؤں سید الشہداءؑ کے کہ حمایتِ اسلام میں ان کے بدن پر تلواریں پڑتی رہیں لیکن اطمینان میں فرق نہ آیا۔ ع پدر اگر نتواند پسر تمام کند

حضرت سجادؑ فرماتے ہیں کہ میں نے جب لاشوں کو ریگِ گرم پر بے دفن پڑا دیکھا تو میرا غم بہت بڑھ گیا کہ تاب برداشت نہ رہی اور قریب تھا کہ روح پرواز کر جائے جب صدیقہ صغراؑ نے اس حالت کا مشاہدہ کیا تو فرمانے لگیں اے میرے نانا، باپ اور بھائیوں کی یادگار بیٹا، تجھے کیا ہوتا جا رہا ہے تو میں نے عرض کی کہ کس طرح گریہ و بکا سے میری حالت دگرگوں نہ ہو اپنے پدر بزرگوار اور اعمام و برادران کی لاشوں کو خون میں غلطاں ریگِ گرم پر بے دفن و کفن دیکھ رہا ہوں۔ کہ کوئی مسلمان ان کی خبرگیری نہیں کرتا اور نہ کوئی ان کے قریب آتا ہے جیسا کہ ترک و دیلم کے باشندے ہوں۔ یہ سن کر فرمانے لگیں۔ اس بات سے رنجیدہ خاطر نہ ہو۔ کیونکہ یہ رسول اللہؐ کا عہد تھا تیرے دادا اور باپ اور چچے کی طرف اور خدا نے اس امت کے ایک گروہ سے عہد لیا ہے جن کو اس امت کے فرعون نہیں پہچانتے اور اہلِ آسمان انکو جانتے ہیں وہ ان اعضائے متفرقہ کو جمع کریں گے اور ان کو دفن کریں گے۔ اور تیرے پدر بزرگوار کے لئے اس طف میں ایک علم گاڑیں گے

جس کے رہتی دنیا تک آثار باقی رہیں گے اور نشان قائم رہیں گے اور ائمۂ کفر و ضلال اس کو مٹانے کی ہزار کوشش کریں گے لیکن اس کا اثر بڑھتا جائے گا اور اس کی حقیقت نمایاں ترقی کرتی جائے گی۔

شیخ مفید نقل فرماتے ہیں کہ قافلۂ اہلِ بیتؑ کا داخلہ ابن زیاد ملعون پر ہوا تو جنابِ زینبِ عالیہ غیر معروف حالت میں تھیں۔ نہایت پرانا لباس پہنے ہوئے تھیں محل کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں اور کنیزوں نے اردگرد گھیرا بنا لیا۔ ابن زیاد نے دریافت کیا کہ وہ تنہا گوشہ میں بیٹھنے والی جس کے گرد عورتوں کا احاطہ ہے کون ہے؟ کسی نے جواب نہ دیا۔ حتیٰ کہ اس نے دوبارہ سہ بارہ پوچھا تو بعض کنیزوں نے جواب دیا کہ یہ فاطمہؑ کی شہزادی ہے تو ابنِ زیاد متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔ اللہ کا حمد ہے جس نے تمہیں رسوا و قتل کیا اور تمہاری بدعت کو باطل کیا۔ پس جنابِ زینب عالیہ سے ضبط نہ ہو سکا فرمایا۔ حمد ہے اس اللہ کی جس نے ہمیں وجودِ پیغمبرؐ سے کرامت بخشی اور ہمیں رجس سے پاک کیا۔ فاسق و فاجر رسوا ہوا کرتا ہے اور وہی جھوٹا ہوا کرتا ہے اور وہ بحمد اللہ ہم نہیں ہمارا دشمن ہے۔ ابنِ زیاد نے کہا خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ عالیہ بی بی نے فرمایا۔ خدا نے اہل بیتؑ کے لئے قتل کی موت مقدر کی تھی۔ پس وہ اپنی قتل گاہوں تک پہنچ گئے۔ پس اب تمہاری اور ان کی پیشی دربارِ ایزدی میں ہو گی اور وہیں فیصلہ ہو گا۔ ابن زیادؒ غصہ سے پُر ہو گیا تو عمرو ابن حریث نے کہا اے بادشاہ عورتوں کی باتیں قابلِ گرفت نہیں ہوا کرتیں۔ پس ابن زیاد نے کہا کہ خدا نے تمہاری بغاوتوں سے ہمیں تسکین دی ہے تو جنابِ زینبِ عالیہ کے دل کو صدمہ ہوا اور رو پڑیں پھر فرمایا بخدا تو نے میرے بزرگوں کو قتل کر دیا۔ اور میری اہل کو ذلیل کیا اگر اسی بات میں تیری تسلّی ہے تو ہو۔ ابن زیاد نے کہا کہ یہ شجاعت کے الفاظ ہیں اور

بے شک اس کا باپ بھی شجاع تھا۔ یہ سن کر عالیہ بی بی نے فرمایا۔ عورت کی شجاعت کیسی؟ (بقول ابن نما) میں شجاعت سے مشغول ہوں اور مجھے تعجب ان لوگوں سے ہے؟ جو ان لوگوں کے قتل کو تسلّی و شفا سمجھتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ قیامت میں بدلہ دیں گے۔

سید و ابن نما لکھتے ہیں کہ پھر سجادؑ سے مخاطب ہوا کہ تو کون ہے؟ فرمایا میں علیؑ ابن الحسینؑ ہوں۔ کہا علیؑ کو تو اللہ نے قتل کیا ہے۔ فرمایا میرا ایک بھائی علیؑ نامی تھا وہ لوگوں نے شہید کر ڈالا ہے۔ ابن زیاد نے کہا بلکہ اللہ نے قتل کیا ہے۔ سجاد نے فرمایا بے شک اللہ ہی قبض روح کرتا ہے۔ ابن زیاد نے کہا ابھی تجھ میں میرے قول کی ردّ کی جرأت ہے۔ پس حکم دیا کہ اس کو قتل کیا جائے پس عالیہ بی بی سجاد کے گلے سے لپٹ گئیں اور فرمایا ابن زیاد ہمارے خون سے تو ابھی سیر نہیں ہوا خدا کی قسم میں جدا نہیں ہوں گی اگر اس کو قتل کرنا ہے تو مجھے بھی ساتھ قتل کر دے۔ پس وہ ملعون ایک گھنٹہ تک دیکھتا رہا اور پھر کہا کہ یہ خونی رشتہ عجیب ہے وہ دل سے چاہتی ہے کہ میں اس کے ساتھ اس کو بھی قتل کر دوں۔

پھر قتل کا حکم برطرف کر دیا۔ سید فرماتے ہیں۔ پھر سجاد نے اپنی پھوپھی سے خطاب کر کے فرمایا۔ پھوپھی جان۔ آپ خاموش رہیں میں خود ہی اس ملعون کے قول کا اس کو جواب دوں گا۔ اور فرمایا۔ اے کمینہ کیا تو ہمیں قتل ہونے سے ڈراتا ہے۔ کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ قتل ہماری عادت ہے اور شہید ہونا ہمارے لیے کرامت ہے۔

شیخ مفید نقل فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ کا سر ایک دن پہنچا اور ابن سعد قیدیوں کو ہمراہ لے کر دوسرے روز پہنچا۔ ابن زیاد قصر الامارہ میں بیٹھا اور اس

نے امام پاک کے سر کو طلب کیا۔ جب سر پاک سامنے لایا گیا تو یہ ملعون سر کو دیکھ کر ہنستا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے دندان مبارک کی توہین کرتا تھا۔ اس کے پہلو میں رسولؐ کا صحابی زید بن ارقم بیٹھا تھا اور یہ بہت بوڑھا تھا جب اس نے چھڑی سے ظلم ہوتا دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا اور کہا ان پاک ہونٹوں سے چھڑی کو ہٹا لے۔ مجھے اللہ کی قسم میں نے بہت دفعہ رسول پاکؐ کے مبارک ہونٹوں کو ان پاک ہونٹوں کا بوسہ لیتے دیکھا ہے۔ اس کے بعد اس نے گریہ و بکا کی آواز بلند کی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

جہاں تک میرا اندازہ ہے تمام مصائب میں سے سادات کے لئے ابن زیاد کے دربار کا داخلہ نہایت سخت تھا۔ ایک وجہ تو اس کے لئے یہ ہے کہ یہ حرام زادہ کمینہ فطرت زبان دراز گستاخ اور پرلے درجے کا بے ادب تھا چنانچہ جب پھٹے پرانے لباس میں ملبوس بنت زہرا ایک گوشہ میں آ کر بیٹھ گئیں تو یہ ملعون از راہِ شماتت کہنے لگا یہ کون بی بی ہے؟ تو جواب دیا گیا کہ یہ حضرت علیؑ کی شہزادی جناب زینبؑ ہیں اس ملعون نے انتہائی ڈھٹائی و بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گستاخانہ لہجہ میں بات کی جس کا عالیہ بی بی نے منہ توڑ جواب دیا پھر اس حرام زادہ نے ناسزا الفاظ کہے حتیٰ کہ حضرت امام سجادؑ سے رہا نہ گیا اور فرمایا کَمْ تَهْتِكُ عَمَّتِيْ بَيْنَ مَنْ يَعْرِفُهَا وَبَيْنَ مَنْ لَا يَعْرِفُهَا یعنی (اے کمینہ) کب تک تو میری پھوپھی کی توہین کرتا رہے گا حالانکہ اس مجمع میں کچھ لوگ جاننے والے موجود ہیں اور کچھ نہ جاننے والے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس شہر کے اکثر لوگ اس خانوادہ طاہرہ کو حکومت کے رنگ میں دیکھ چکے تھے اور ان کی عزت و عظمت ان کو معلوم تھی اور یہی وجہ ہے کہ جناب سکینہ خاتون سے منقول ہے پورے سفر میں ہم نے اپنا گریہ کافی ضبط کیا لیکن جب کوفہ کے قریب یا حضرت علیؑ کے روضہ کے پاس سے گذر ہوا تو ہم سے گریہ ضبط نہ ہو سکا۔

نویں مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللہَ وَکُوْنُوا مَعَ الصَّادِقِیْن

فتح مکہ :۔ روز ہجرت حضورؐ نے مکہ کی طرف مڑ کر نگاہ کی اور فرمایا۔ اسے مکہ تو مجھے بہت محبوب ہے مگر ناچار ہوں۔ اب اسی مکہ میں دس ہزار فوج سمیت تشریف لائے۔ دنیا میں یہ نرالی فتح ہے کہ طرفین کی کثیر التعداد فوج کے باوجود بغیر کسی مقابلہ اور مقاتلہ کے حضورؐ کو عظیم الشان فتح نصیب ہوئی۔ حضورؐ نے جب فتح مکہ کے لیے تیاری کی تو اسے صیغۂ راز میں رکھا۔ لیکن جب حاطب بن ابی بلتعہ نے ایک خفیہ تحریر میں اہل مکہ کو اطلاع دینے دی تو جناب امیرؑ کی کوشش سے وہ تحریر حاصل ہو گئی جب حاطب کو بلایا گیا تو حضرت عمر نے نہایت جرأت سے عرض کی۔ دَعْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللہ اَضْرِبْ عُنُقَ ھٰذَا الْمُنَافِقِ۔ حضورؐ مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ جب حضرت عباس ابوسفیان کو اپنے پیچھے سوار کر کے لائے۔ اس وقت بھی حضرت عمر نے اظہار شجاعت کرتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ اس دشمنِ خدا کی گردن اڑا دوں۔

ابوسفیان لشکر اسلام سے قبل داخل مکہ ہوا اور کہا جو میرے گھر میں داخل ہو گا وہ با امن ہو گا۔ ہندہ نے کہا تھا کہ اس بوڑھے خبیث کو قتل کرو خدا اس پر لعنت کرے علم فوج سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا اور وہ کہہ رہا تھا۔ اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃ آج لڑائی کا دن ہے اَلْیَوْمَ تُسْبیٰ الْحُرْمَۃ آج عورتیں قید ہوں گی۔ ابوسفیان حاضر ہوا اور حضور کی رکاب تھام کر عرض گذار ہوا کہ سعد بن عبادہ یہ کلمات کہہ رہا ہے۔ پس آپ نے علیؑ کو حکم دیا کہ اس سے علم سنبھال لیں اور پُرامن طریق سے داخل مکہ

ہوں۔ کعبہ کے کلید دار نے دروازہ کھولنے سے انکار کیا اور چھت پر چڑھ گیا حضرت علیؑ اُوپر تشریف لے گئے اور اس سے کلید لے کر دروازہ کھولا۔ حضورؐ نے اپنے تمام ایذاء دینے والوں اور صحابہ کو ایذاء دینے والوں کو معاف فرما دیا۔ اور حضرت عمر کو حکم دیا کہ انبیاء و ملائکہ کی جو تصویریں دیوار کعبہ پر کفار نے بنائی تھیں۔ ان کو مٹا دو پس ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی تصویروں کے علاوہ باقی سب تصویروں کو اس نے مٹا دیا ان دونو تصویروں کے ہاتھوں میں جوئے بازی کے تیر تھے۔ آپؐ نے فرمایا کفار نہیں جانتے کہ انبیاء جوا بازی نہیں کیا کرتے۔ پس پانی کا ڈول لے کر آپ نے ان تصویروں کو دھو دیا۔ (مدارج النبوۃ)

اسی مدارج کی روایت کے مطابق حضرت امیر علیہ السلام نے ہی حضورؐ کو کعبہ سے بت شکنی پر متوجہ کیا تھا۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن عباس طواف بیت اللہ میں مصروف تھے دیکھا ایک شخص کعبہ کے پردہ سے لپٹ کر علیؑ سے بیزاری کر رہا ہے پس ابن عباس نے اس شخص کو بلوایا اور پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا۔ میں زمعہ بن خارجہ خارجی ہوں ابن عباس نے پوچھا کہ بتا علیؑ نے اسلام میں کون سی بدعت کی ہے کہ تو اس سے بیزار ہے۔ جواب دیا کہ جمل و صفین میں اس نے کافی مسلمانوں کو قتل کیا ہے ابن عباس نے کہا تیرا سر پھرا ہے۔ علیؑ نے تو ان لوگوں پر تلوار اٹھائی جو باغی تھے۔ علیؑ کو چار صفتیں ایسی ملی ہیں کہ اگر تمام خلائق سے مقابلہ کیا جائے تو وہ بڑھ جائیں گے اس نے کہا مجھے بھی بتاؤ تا کہ میں تائب ہو جاؤں۔ ابن عباس نے کہا: پہلی صفت یہ ہے کہ وہ سابق الاسلام ہے کبھی بت پرستی اور شراب نوشی کا مرتکب نہیں ہوا۔ دوسرے جب وحی اترتی تھی تو سوائے علیؑ کے اور کوئی بھی جبریلؑ کی آواز کو نہیں سنتا تھا۔ تیسرے جب اللہ نے علیؑ کی تزویج

کا فاطمہ سے انتظام کیا تو درخت طوبیٰ نے موتی نثار کئے جنہیں حوریں اٹھاتی تھیں اور قیامت تک ایسا ہوتا رہے گا اور حوریں کہتی ہیں کہ یہ فاطمہؑ کا ہدیہ ہے

چوتھے جب مکہ فتح ہوا تو سورج قریب غروب تھا۔ حضورؐ نے علیؑ کو فرمایا کہ میرے ساتھ چل کر کعبہ کے وہ بت توڑے جو بنی خزاعہ نے نصب کئے تھے جب وہاں پہنچے تو علیؑ جھکے اور عرض کی یا رسول اللہ آپ میری پشت پر بلند ہو کر توڑیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ یا علیؑ تو مجھے نہ اُٹھا سکے گا بلکہ دنیا والے مل کر میرے ایک عضو کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ پس حضورؐ نے علیؑ کے کندھے پر اپنا قدم رکھا لیکن برداشت نہ پاتے ہوئے اٹھا لیا اور فرمایا یا علیؑ یہ نبوت کا بوجھ ہے پھر آپ نے کندھا جھکایا اور علیؑ سے فرمایا تو چڑھ کر توڑ۔ چنانچہ علیؑ دوش نبیؐ پر سوار ہوئے اور کعبہ کی بلندی چالیس ذراع تھی۔ حضورؐ نے پوچھا یا علیؑ ہاتھ پہنچتا ہے؟ تو علیؑ نے جواب دیا کہ حضورؐ اگر چاہوں تو آسمان کو ہاتھ لگا سکتا ہوں۔ پس بت توڑے اور زمین پر کود پڑے اور ہنسنے لگے آپ نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ اتنی بلندی سے آنے کے باوجود مجھے چوٹ کوئی نہیں تو آپؐ نے فرمایا چوٹ کیسے آتی کہ اٹھانے والا محمدؐ تھا اور اتارنے والا جبریلؑ تھا یہ سنتے ہی زمعہ بن خارجہ نے فوراً توبہ کی اور حضرت علیؑ کا حب دار ہو گیا (زین الفتیٰ)

علیؑ کی بت شکنی کا واقعہ نقل کرنے والے۔ احمد بن حنبل، طبرانی۔ ابن ابی الحدید، خطیب وغیرہ ہیں۔

ایک روایت میں حضرت علیؑ نقل کرتے ہیں کہ بت تانبے اور پیتل کے بنے تھے اور میں نے بحکم رسولؐ جب زمین پر پھینکے۔ فَتَکَسَّرَ کَمَا تَتَکَسَّرُ الْقَوَارِیْرُ۔ اس طرح ریزہ ریزہ ہو گئے جس طرح شیشے کے برتن چور چور ہوتے ہیں۔ (روضہ ندیہ)

علیؑ بر دوشِ احمدؐ چشمِ بد دور — عیاں شد معنی نور علیٰ نور

فیضی کہتا ہے ؎

اے کہ دادشہاں بحکم تو باج بنی — اے کہ بعد نبی بر سر تو تاج نبی
آنی تو کہ معراج تو بالاتر شد — یک قامت احمدی از معراج نبی
امامیکہ بعد از وفاتِ پیغمبر — خلافت گذارد بما تم نشنید!
نہے نقش پا یش کہ بردوشِ احمد — ز مہر نبوت مقدم نشیند

حضرت امیر علیہ السلام اپنے زمانہ خلافت میں منبر رسولؐ پر پہنچے اور لوگوں نے تعجب کیا تو آپ نے فرمایا اَنَا الَّذِیْ وَضَعْتُ قَدَمَیَّ عَلٰی خَاتَمِ النُّبُوَّۃِ فَمَا ھٰذِہٖ الْاَعْوَادُ۔ میں وہ ہوں جس نے مہر نبوت پر قدم رکھے ہیں تو ان لکڑیوں کی کیا وقعت ہے۔

بہرکیف حضورؐ کی سواری اور سوار میں بڑا فرق ہے۔ حضورؐ تو بعض اوقات گدھے پر بھی سوار ہوتے ہیں۔

جناب رسالت مآبؐ نے گیارہ مردوں اور چار عورتوں کے قتل کا حکم دیا تھا خواہ وہ کعبہ کے غلاف سے چمٹے ہوئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک ہند مادر معاویہ تھی۔ حضرت علی کو معلوم ہوا کہ آپ کی بہن اُم ہانی بن ابی طالب نے بنی مخزوم کے چند آدمیوں کو پناہ دے رکھی ہے جن میں حارث بن ہشام اور قیس بن سائب تھے۔ پس آپ مسلح ہو کر تشریف لائے اور فرمایا ان لوگوں کو گھر سے باہر کرو۔ خوف کے مارے پرندوں کی طرح ان کا پاخانہ گرتا تھا۔ ام ہانی باہر آئی اور اس نے پہچانا نہ تھا کہنے لگی۔ اے عبد خدا میں اُم ہانی رسولؐ کی چچازاد اور علی کی بہن ہوں تم چلے جاؤ۔ آپ نے فرمایا ان لوگوں کو گھر سے باہر نکالو تو کہنے لگی خدا کی قسم میں تمہاری رسولؐ سے شکایت کردوں گی۔ آپ نے سر مبارک سے خود کو ہٹایا تو وہ پہچان گئی۔

اور گلے سے لپٹ گئی۔ پھر عرض کی قربان جاؤں میں قسم کھا چکی ہوں کہ رسولؐ سے شکایت کروں گی۔ آپ نے فرمایا تم اپنی قسم کو پورا کرو۔ حضورؐ وادی کے اوپر کی جانب تشریف فرما تھے پس وہ آئی جب کہ آپ غسل فرما رہے تھے۔ جب حضورؐ نے امُ ہانی کی آواز سنی تو فرمایا مرحبا ام ہانی۔ ام ہانی نے عرض کی میرا ماں باپ آپ پر فدا ہو میری علیؑ سے یہ گفتگو ہوئی ہے تو آپ نے فرمایا اے ام ہانی جسے تو نے پناہ دی اس کو میں نے بھی پناہ دی۔ حضرت بتول معظمہؑ اس وقت جناب رسالت مآبؐ کا پردہ بنا کر بیٹھی تھیں فرمایا ام ہانی تو علیؑ کا شکوہ کرنے آئی ہے۔ کہ اس نے خدا اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں کو خوفزدہ کیا ہے؟ تو ام ہانی نے کہا میں قربان جاؤں بس درگزر فرمایئے۔ تو رسولؐ خدا نے فرمایا۔ خدا کے نزدیک علیؑ کی سعی مشکور ہے اور ام ہانی نے جن کو پناہ دی ہیں ان کو علیؑ کی وجہ سے پناہ دیتا ہوں۔ کہ یہ علیؑ کی بہن ہے (بحار) ام ہانی کے چلے جانے کے بعد حضرت علیؑ آئے تو جنابِ رسالت مآبؐ نے ہنس کر پوچھا یا علیؑ ام ہانی کا معاملہ کیا ہے تو علیؑ نے عرض کی تیری برحق نبوت کی قسم، ام ہانی نے میرا وہ ہاتھ پکڑ لیا جس میں تلوار علم تھی جس کو میں نے دیر سے چھڑایا یہاں تک کہ وہ دو آدمی میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ حضورؐ نے فرمایا اگر ابو طالب تمام لوگوں کو جنتے تو سب کے سب بہادر ہوتے جس کو ام ہانی نے پناہ دی اس کو ہم نے بھی پناہ دی۔ پس ان کو کچھ نہ کہو (ناسخ التواریخ) وہ مرد جن کا خون حضورؐ نے معاف فرمایا تھا ان میں عثمان کا رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی السرح بھی تھا اور ایک اور شخص ہبّار ابن اسود نامی بھی تھا جو ہمیشہ مکہ میں حضورؐ کے درپے آزار رہتا تھا۔ حضرت زینب جن کو اہل سنت رسولؐ کی بیٹی کہتے ہیں (حالانکہ وہ ربیبہ تھی) جب یہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جانے لگیں تو ہبار نے حملہ کیا تھا اور اس کی دہشت سے اس کا حمل ساقط ہو گیا تھا اور یہی وجہ تھی

کہ آپؐ نے اس کے قتل کا حکم دیا تھا۔

ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ میں اپنے استاد ابو جعفر نقیب کے ہاں ایک مرتبہ ہبار کی حدیث پڑھ رہا تھا کہ اس نے زینب کے ہودج پر نیزہ مارا تھا جس سے اس کا حمل ساقط ہوا تو حضورؐ نے فتح مکہ کے روز اس کے قتل کا حکم دیا تو نقیب نے کہا کہ جب رسولؐ نے زینب کے ڈرانے اور حمل ساقط ہونے کی وجہ سے ہبار کا خون معاف کر دیا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر زندہ ہوتے تو اس شخص کا خون بھی معاف کر دیتے جس نے فاطمہؑ کو خوفزدہ کیا اور محسن کا حمل ساقط کیا۔ ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ روایت میں آپ سے نقل کر سکتا ہوں کہ انہوں نے فاطمہؑ کو خوفزدہ کیا اور محسن کا حمل ساقط کیا تو وہ فوراً تقیہ کر گیا اور کہنے لگا کہ اس روایت کی صحت یا غلطی کی میری طرف سے روایت نہ کرنا کیونکہ مجھے اس باب میں توقف ہے۔

احراقِ باب فاطمہؑ کی روایت نقل کرنے والے یہ ہیں، طبری، واقدی، صاحب استیعاب، ابن عبدربہ در کتاب العقد ابنِ ابی الحدید در شرح نہج البلاغۃ، سیوطی در جمع الجوامع۔ علی متقی در کنز العمال، شاہ ولی اللہ در ازالۃ الخفا و قرۃ العین تاریخ ابو الفدا اور الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ دینوری۔

جنابِ زینبؑ بنت علیؑ سے روایت ہے کہ جب فاطمہؑ کو معلوم ہوا کہ فدک سے مجھے محروم کیا گیا ہے تو خمار اوڑھ کر قبیلہ کی عورتوں کی ایک جماعت کے اندر روانہ ہوئی کہ آپ کی رفتار جناب رسالت مآبؐ کے عین مشابہ تھی۔ جب پہنچی تو مہاجر و انصار کا کثیر التعداد مجمع تھا۔ پس سفید چادر سے پردہ بنایا گیا۔ پس بی بی نے رونا شروع کیا تمام مجمع پر گریہ طاری ہو گیا۔ پس خاموش ہوئی کہ لوگوں میں بھی سکون ہو گیا۔ تو اپنا خطبہ حمد و ثنا سے شروع کیا (ابن ابی الحدید۔ نہایہ بن اثیر۔ مروج الذہب)

يَاابْنِ اَبِی قُحَافَۃَ اَتَرِثُ اَبَاكَ وَلَا اَرِثُ اَبِی۔ اے ابن ابی قحافہ تو اپنے باپ کا وارث ہوا اور میں اپنے باپ کی وارث نہ ہوں۔ پھر اپنے باپ سے خطاب کر کے بی بی نے اشعار پڑھے کہ لوگوں میں ایک کہرام ماتم بپا ہوا جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ کلام و حدیث میں رسول خداؐ کے ساتھ فاطمہؑ سے زیادہ مشابہت کوئی نہ رکھتا تھا۔ جب بی بی خدمت نبویؐ میں حاضر ہوتی تو حضورؐ تعظیم کے لئے اُٹھتے اور پیشانی کا بوسہ دیکر اور ہاتھ سے پکڑ کر اپنی مسند پر بٹھاتے تھے اور جب حضورؐ جاتے تو بی بی بابا کی تعظیم کے لئے کھڑی ہوتی اور بابا کا بوسہ دیکر اپنی جگہ پر بٹھاتی تھی۔ ایک دن حضورؐ نے اپنی شہزادی سے پیار کیا تو میں نے وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا اے عائشہ جب میں جنت کا مشتاق ہوتا ہوں تو فاطمہؑ سے محبت کرتا ہوں۔ نیز جب حضورؐ باہر تشریف لے جاتے تو سب سے آخر فاطمہؑ کے گھر جاکر وداع کرتے اور جب سفر سے واپس آتے تو پہلے فاطمہؑ کے گھر جاتے تھے۔ (روضہ ندیہ)

ہائے زینبؑ۔ کجا زینب۔ کجا بازار کوفہ۔ صدیقہ صغرا نے بھی بازار کوفہ میں خطبہ پڑھا تھا۔ لوگوں سے فرمایا خاموش ہو جاؤ۔ تو لوگوں کے سانس بند ہو گئے حتیٰ کہ حیوانات کی گردنوں میں جو ٹلیاں تھیں وہ بھی ساکت ہو گئیں اور آپ نے خطبہ پڑھا کہ ایک اسدی کہتا ہے کہ کسی عورت کو ایسی جرأت و روانی سے خطبہ پڑھتے میں نے نہیں سنا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت امیرؑ خطبہ پڑھ رہے ہیں۔ لوگ بوجہ حیرت انگلیاں منہ میں ڈالتے تھے۔ بی بی نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ ایک کونے میں رو رہا ہے اور آپ کے فضل کا اعتراف کر رہا ہے اور اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو چکی ہے پس سجاد نے عرض کی پھوپھی جان صبر کیجئے۔ بے شک آپ عالمہ غیر معلمہ ہیں پس بی بی خاموش ہو گئیں۔

مسلم جصاص سے مروی ہے کہ جب آپ خطبہ پڑھ رہی تھیں اور لوگوں میں گریہ و بکا کا ایک شور تھا۔ تو وہ لوگ سرہائے شہداء کو سامنے لائے کہ سب سے آگے سید الشہداءؑ کا سر مبارک تھا۔ جس کا چہرہ نورانی مشابہ چہرۂ رسولؐ تھا۔ چودہویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ ریش مبارک سے خضاب اترا ہوا تھا اور ہوا کی وجہ سے دائیں بائیں حرکت کرتی تھی۔ جونہی بہن نے بھائی کے سر کو دیکھا تو چوب محل سے پیشانی کو مارا کہ خون جاری ہو گیا۔ اور بھائی کے سر کو خطاب کر کے اشعار پڑھے يَاهِلَالًا لَمَّا اسْتَتَمَّ كَمَالًا غَالَهُ خَسْفُهٗ فَاَبْدَى غُرُوْبًا۔ اے میرا چاند جو قبل اپنی تمامیت کے گہن زدہ ہو کر غروب کر گیا اور انہی اشعار میں اپنا اور بچوں کا درد بھرا ماجرا بھی ذکر کیا۔ (منتخب)

ایک خطبہ بی بی نے دربار یزید میں بھی پڑھا تھا۔ جس میں اپنی حقانیت اور حسین کی صداقت اور اہل بیتؑ کی عظمت کو نہایت پُر درد اور جرأت مندانہ انداز میں بیان فرمایا تھا اور اپنے علوم قرآنیہ کو بھی واضح کیا تھا اور مصائب پر اپنا صبر و استقلال بھی ظاہر فرمایا تھا۔ آج یزید کہاں ہے۔ یہ ہے حق پر مرمٹنے والوں کی فتح عظیم کہ یزید کا نام لینے والا کوئی نہیں اور حسینؑ کا نام روز افزوں روشن اور تابندہ ہے۔ آج حسین کی قبر تمام خلائق کا ماویٰ بنی ہوئی ہے۔ بلکہ حضرت امیر علیہ السلام کی قبر کی زیارت بھی امام حسین علیہ السلام کی وجہ سے ہوتی ہے۔

ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

منقول ہے کہ جناب زینب عالیہ کا لہجہ بالکل اپنے پدر بزرگوار حضرت علیؑ کے لہجہ سے مشابہ تھا اور یہی وہ لہجہ ہے جو شب معراج ذات پروردگار نے رسولؐ سے کلام کرتے وقت اختیار فرمایا تھا۔ گویا بی بی لہجہ خداوندی میں خطبہ پڑھ رہی تھیں پھر کیا مجال تھی کہ کائنات میں سناٹا نہ ہوتا حیوانات خاموش بلکہ ان کی گردن میں بندھی ہوئی گھنٹیاں

بھی بے آواز ہوگئیں۔ قریب وبعید کے تمام لوگوں نے آواز سنی اور خطبہ علیؑ سمجھ کر مسجد کی طرف دوڑے اور ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ یہ کون ہے جو علیؑ کے لہجہ میں خطبہ پڑھ رہا ہے کیا علیؑ پلٹ کر تو نہیں آگئے۔ جب دیکھا کہ بنت علیؑ حالت اسیری ومظلومی میں اپنی درد بھری داستان کے ساتھ اپنا حسب ونسب بھی بیان کر رہی ہے تو ہر چہار سو آواز گریہ بلند ہوئی۔

کہتے ہیں، کوفہ کی عورتیں جب اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر قیدیوں کا تماشا دیکھنے لگیں۔ تو ام حبیبہ نامی ایک عورت بھی اپنے مکان کی چھت پر چڑھی، یہ وہ وقت تھا جب لوگ صدقہ کے خرمے قیدیوں کی طرف پھینک رہے تھے اور جناب ام کلثوم اپنے خوردسال بچوں سے وہ خرمے لے کر زمین پر پھینک دیتی تھیں اور فرماتی تھی۔ اے میرے بھوک کے پیاسے بچو! یہ صدقہ ہے اور تم آل محمدؐ پر صدقہ حرام ہے۔ بہت سے لوگوں کو اس وقت پتہ چلا کہ یہ کس کا خاندان اجڑا ہے۔

ام حبیبہ نے جب سکینہ کی پیاس دیکھی تو ایک پانی کا جام پیش کیا اور اپنے لیے دعا کی خواہش کی کہ میرے بچے یتیم نہ ہوں، قیدی نہ ہوں اور مجھے مدینہ میں جناب زینب علیا کی زیارت کا شرف نصیب ہو تو اس وقت جناب سکینہ نے پھوپھی کی طرف دیکھا تو جناب زینب عالیہ نے فرمایا: ام حبیبہ! تو نے نہیں پہچانا وہ زینب میں ہوں ہم اجڑ گئے ہیں یہ نیزہ پر میرے بھائی حسین کا سر ہے اور ہم آل محمدؐ قیدی ہیں۔ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

دسویں مجلس

یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

مراحل ایمان میں سے بڑا مرحلہ ہے جہاد نفس۔ اور یہی جہاد اکبر ہے حضرت امیرؑ سے مروی ہے ایک مرتبہ حضورؐ نے کسی طرف فوج بھیجی جب واپس آئی تو فرمایا کہ مرحبا اے قوم جنہوں نے جہاد اصغر سے کامیابی حاصل کر لی اور اب جہاد اکبر ان پر باقی ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہے تو فرمایا وہ ہے نفس کا جہاد اور پھر فرمایا بہتر جہاد ہے جہادِ نفس جو پہلوؤں کے اندر ہے (روضۃ الواعظین) فرمایا تیرا بدترین دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے اندر ہے۔

لوگوں کی تین قسمیں ہیں (۱) دنیا سے منہمک اور آخرت سے غافل یہ ہیں طاغوت پرست وشر الدواب (۲) ان کے برعکس یعنی طلب آخرت میں منہمک اور دنیا سے قطعی لاتعلق (۳) متوسط دونوں حقوق کی پاسداری کرتے ہیں اور حکماء کے نزدیک یہی افضل ہیں کیونکہ خدا نے نبیوں کو معاد ومعاش ہر دو کی اصلاح کے لئے بھیجا ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک یہ اقسام خدا کے اس فرمان میں داخل ہیں:۔ وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ پس دنیا وآخرت ہر دو کی اصلاح کرنے والا سابقون کے درجہ میں ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سابقون سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو تارک دُنیا ہو کر طالب آخرت ہوئے ہیں اس دلیل سے کہ فرماتا ہے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔ اور وہ لوگ اس نکتہ سے غافل ہیں کہ اللہ کی بہترین عبادت ہے مصالح عباد میں کوشش کرنا۔ ابن مسعود سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تمام لوگ اللہ کی عیال ہیں پس اللہ کا محبوب ترین

وہ ہے جوان کو زیادہ نفع پہنچانے والا ہو اور شریعت یہ چاہتی ہے کہ دنیاوی معاملات میں میانہ روی ہو اور اس کے استعمال کا سامان قوانین شرعیہ کے موافق ہو (از ریاض السالکین) ایک مرتبہ حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا اے دنیا کی مذمّت کرنے والو۔ بتاؤ دنیا تیرے اوپر مجرم ہے یا تو جرم وار ہے۔ ایک شخص بولا کہ میں ہی جرم وار ہوں تو آپ نے فرمایا۔ پھر دنیا کی مذمّت کیوں کرتا ہے۔ کیا یہ دنیا صادق کے لئے دار صدق نہیں۔ زاد حاصل کرنے والے کے لئے باعث غنی نہیں اور سمجھ دار کے لئے دار عافیت نہیں؟ یہ تو اللہ کے دوستوں کی سجدہ گاہ ہے انبیاء کا مصلّے ہے ملائکہ کی فرودگاہ ہے اور اس کے اولیاء کی تجارت کا مقام ہے۔ انہوں نے اطاعت کی اور نفع اٹھایا بہشت کا۔ کون اس کو بُرا کہتا ہے حالانکہ یہ تو اپنی انتہا کی خبر دے رہی ہے اور اپنے اختتام کا پتہ دے رہی ہے اور اپنے مصائب اور ناگہانی مصائب کی بدولت کڑوی ہے تو مراد کے حصول کے لئے میٹھی بھی ہے۔ اگر ناپسندیدہ امور کی وجہ سے رنجدہ ہے تو مرغوبات کے لانے کے لئے اچھی بھی ہے۔ بوقت ندامت کئی لوگ اس کی مذمت کریں گے تو کئی اس کی مدح وثنا بھی کریں گے۔ جنہوں نے اس سے نصیحت وعبرت حاصل کی اے غرور دنیا میں پھنس کر اس کی مذمت کرنے والو۔ اس نے کب تجھے دھوکا دیا۔ کیا تیرے آباء کی موتوں سے یا ماؤں کی قبروں سے؟ اس نے تجھے میٹھا یا کڑوا دونوں ذائقے چکھا دیئے ہیں۔ اگر تو اس کی کڑواہٹ کی مذمت کرتا ہے تو اس کے میٹھے کی تعریف بھی کر۔ ورنہ بلا مدح وذم اس کو چھوڑ دے۔ اس نے اپنا سب کچھ تیرے آگے رکھ دیا ہے اب تیرا مفت کا رونا بے کار ہے (مطالب السئول)

حضرت امیرؑ کو بصرہ کے گورنر عثمان بن حنیف کے متعلق یہ خبر موصول ہوئی کہ وہ ایک ولیمہ میں شریک ہوئے تو آپ نے ان کو ایک خط لکھا۔

اَلَا وَاِنَّ لِکُلِّ مَامُوْمٍ اِمَامًا
یَقْتَدِیْ بِہٖ وَیَسْتَضِیْئُ
بِنُوْرِ عِلْمِہٖ اَلَا وَاِنَّ اِمَامَکُمْ
قَدِ اکْتَفٰی مِنْ دُنْیَاہُ
بِطِمْرَیْہِ وَمِنْ طَعَامِہٖ
بِقُرْصَیْہِ اَلَا وَاِنَّکُمْ
لَا تَقْدِرُوْنَ عَلٰی ذَالِکَ
وَلٰکِنْ اَعِیْنُوْنِیْ بِوَرَعٍ وَ
اِجْتِہَادٍ وَعِفَّۃٍ وَسَدَادٍ
فَوَاللہِ مَا کَنَزْتُ مِنْ دُنْیَاکُمْ
تِبْرًا وَلَا ادَّخَرْتُ مِنْ
غَنَائِمِہَا وَفْرًا وَلَا
اَعْدَدْتُ لِبَالِیْ ثَوْبِیْ طِمْرًا
بَلٰی کَانَتْ فِیْ اَیْدِیْنَا
فَدَکٌ مِنْ کُلِّ مَا اَظَلَّتْہُ
السَّمَاءُ فَشَحَّتْ عَلَیْہَا
نُفُوْسُ قَوْمٍ وَسَخَتْ عَنْہَا
نُفُوْسُ قَوْمٍ وَنِعْمَ الْحَکَمُ
اللہُ وَمَا اَصْنَعُ بِفَدَکَ
وَغَیْرِ فَدَکَ وَالنَّفْسُ
مَظَانُّہَا فِیْ غَدٍ جَدَثٌ

ہر ماموم کے لئے امام ہوتا ہے جس کی وہ اقتدا کرتا ہے اور اس کے نورِ علم سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ آگاہ ہو تمہارے امام نے اپنی دنیا سے صرف دو چادروں پر اکتفا کر لی اور کھانے میں سے صرف دو روٹیوں کو کافی سمجھا بے شک تم لوگ اس پر قادر نہیں ہو سکتے لیکن پرہیزگاری سے میرا ساتھ دو اور کوشش ضبط اور درستی سے (میری مدد کرو) بخدا میں نے تمہاری دنیا میں سے گندم جمع نہیں کی اور نہ میں اس کی غنیمتوں سے ذخیرہ جمع کیا ہے اور نہ میں نے اپنے لباس کے لئے اس کا بدل تیار کیا ہے ہاں ہمارے ہاتھ میں زیر آسمان صرف ایک فدک تھا اس پر بھی ایک قوم کے نفوس نے بخل سے کام لیا اور دوسروں نے چشم پوشی کی۔ خدا بہترین حاکم ہے۔ ہاں مجھے فدک اور غیر فدک سے کیا واسطہ جب کہ کل نفس کے لئے وعدہ گاہ قبر ہے جس کی تاریکی

تَنْقَطِعُ فِي ظُلْمَتِهَا آثَارُهَا وَ تَغِيبُ أَخْبَارُهَا وَحُفْرَةٌ لَوْ زِيدَ فِي فُسْحَتِهَا وَأَوْسَعَتْهَا يَدَا حَافِرِهَا لَأَضْغَطَهَا الْحَجَرُ وَالْمَدَرُ وَسَدَّ فُرَجَهَا التُّرَابُ الْمُتَرَاكِمُ وَإِنَّمَا هِيَ نَفْسِي أَرُوضُهَا بِالتَّقْوَى لِتَأْتِيَ آمِنَةً يَوْمَ الْخَوْفِ الْأَكْبَرِ وَ تَثْبُتَ عَلَى جَوَانِبِ الْمَزْلَقِ وَلَوْ شِئْتُ لَاهْتَدَيْتُ الطَّرِيقَ إِلَى مُصَفَّى هَذَا الْعَسَلِ وَلُبَابِ هَذَا الْقَمْحِ وَنَسَائِجِ هَذَا الْقَزِّ وَلَكِنْ هَيْهَاتَ أَنْ يَغْلِبَنِي هَوَايَ وَيَقُودَنِي الْجَشَعُ إِلَى تَخَيُّرِ الْأَطْعِمَةِ وَلَعَلَّ بِالْحِجَازِ وَالْيَمَامَةِ مَنْ لَا طَمَعَ لَهُ فِي الْقُرْصِ وَلَا عَهْدَ لَهُ بِالشِّبَعِ أَوَ أَبِيتُ مِبْطَاناً وَحَوْلِي

میں اس کی کروفر ختم ہو جائے گی۔ اور اس کی ہو ہوا مٹ جائے گی ایسا گڑھا ہے کہ اگر اسے کھلا رکھا جائے اور گورکن کے ہاتھ اسے وسعت دیں بھی تو اس کو پتھر اور ڈھیلے تنگ کر دیں گے اور تہ بہ تہ مٹی اس کے سوراخوں کو بند کر دے گی پس اپنے نفس کو تقویٰ کی ریاضت دیتا ہوں تاکہ خوف اکبر کے روز وہ امن سے آئے اور پھسلنے کے مقامات پر ثابت رہے۔ اگر میں چاہتا تو آسان تھا میرے لئے کہ شہد خالص اور گندم کھاتا اور ریشمی بنا ہوا لباس پہنتا۔ لیکن ناممکن ہے کہ میری خواہشات مجھ پر غالب آجائیں۔ اور شکم پُری مجھے لذیذ کھانوں کی طرف کھینچ لے جائے۔ شاید حجاز و یمامہ میں ایسے لوگ موجود ہوں جنہیں روٹی میسر نہ ہوتی ہو اور انہیں سیر ہو کر کھانا نہ ملتا ہو کیا میں اپنا پیٹ بھروں۔ درحالیکہ میرے ارد گرد بھوکے پیٹ

بُطُونٌ غَرْثَى وَ أَكْبَادٌ حَرَّى كَمَا قَالَ الْقَائِلُ
وَحَسْبُكَ دَاءً أَنْ تَبِيتَ بِبِطْنَةٍ وَحَوْلَكَ أَكْبَادٌ تَحِنُّ إِلَى الْقِدِّ
وَأَقْنَعُ مِنْ نَفْسِي أَنْ يُقَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا أُشَارِكُهُمْ فِي مكاره الدهر او اكون أُسْوَةً لَهُمْ فِي جُشُوبَةِ الْعَيْشِ فَمَا خُلِقْتُ لِيَشْغَلَنِي أَكْلُ الطَّيِّبَاتِ كَالْبَهِيمَةِ الْمَرْبُوطَةِ هَمُّهَا عَلَفُهَا أَوِ الْمُرْسَلَةِ شُغُلُهَا تَقَمُّمُهَا تَكْتَرِشُ مِنْ أَعْلَافِهَا وَتَلْهُو عَمَّا يُرَادُ بِهَا أَوْ أُتْرَكَ سُدًى أَوْ أُهْمَلَ عَابِثاً أَوْ أَجُرَّ حَبْلَ الضَّلَالَةِ أَوْ أَعْتَسِفَ طَرِيقَ الْمَتَاهَةِ وَكَأَنِّي بِقَائِلِكُمْ يَقُولُ إِذَا كَانَ هَذَا قُوتُ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ فَقَدْ قَعَدَ بِهِ الضَّعْفُ

اور پیاسے جگر موجود ہوں بقول شاعر باطنی مرض کے لئے یہ کافی ہے کہ تو شکم پری سے رات گذار دے۔ درحالیکہ تیرے نواح میں ایسے جگر موجود ہوں جو جلے ہوئے ٹکڑوں کو ترستے ہوں کیا میں اس بات پر اتراتا ہوں کہ مجھے امیر المومنین کہا جاتا ہے۔ اور زمانہ کی سختیوں میں ان کے ساتھ شریک نہ بنوں اور تنگی و عیش میں ان کے لئے اسوہ نہ بنوں میں اس لئے پیدا نہیں کیا گیا کہ پاکیزہ کھانے مجھے غافل کر دیں مثل بندھے ہوئے چوپائے کے کہ اس کا مقصد صرف گھاس ہے یا مثل آزاد جانور کے کہ اس کا شغل زمین کی انگوری چرنا ہے۔ وہ گھاس سے اوجھڑی بھر لیتا ہے اور اسے اپنا انجام معلوم نہیں ہوتا کیا میں بلامقصد اور مہمل و بے کار چھوڑا گیا ہوں یا گمراہی کی رسی پھیلانے یا سرگردانی کا راہ اختیار کرنے کے لئے ہوں گویا مجھے کہنے والے کہتے ہیں کہ جب ابن

عَنْ قِتَالِ الْاَقْرَانِ وَمُنَازَلَتِ الشُّجْعَانِ
اَلَاوَاِنَّ الشَّجَرَةَ الْبَرِّيَّةَ اَصْلَبُ عُوْدًا
وَالرَّوَائِعَ الْخَضِرَةَ اَرَقُّ جُلُوْدًا وَالنَّابِتَاتُ
الْبَدْوِيَّةَ اَقْوٰی وُقُوْدًا وَاَبْطَاءُ
خُمُوْدًا وَاَنَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ كَالصِّنْوِ
مِنَ الصِّنْوِ وَالذِّرَاعِ مِنَ الْعَضُدِ وَاللّٰهِ
لَوْ تَظَاهَرَتِ الْعَرَبُ عَلٰی
قِتَالِیْ لَمَا وَلَّيْتُ
عَنْهَا وَلَوْ اَمْكَنَتِ الْفُرَصُ
مِنْ رِقَابِهَا لَسَارَعْتُ
اِلَيْهَا وَسَاَجْهَدُ
اَنْ اُطَهِّرَ الْاَرْضَ مِنْ
هٰذَا الشَّخْصِ الْمَعْكُوْسِ
وَالْجِسْمِ الْمَرْكُوْسِ حَتّٰی
تَخْرُجَ الْمَدَرَةُ مِنْ
حَبِّ الْحَصِيْدِ۔
اِلَيْكِ يَادُنْيَا فَحَبْلُكِ
عَلٰی غَارِبِكِ قَدِ
انْسَلَلْتُ مِنْ مَخَالِبِكِ
وَاجْتَنَبْتُ الذَّهَابَ
فِیْ مَدَاحِضِكِ اَيْنَ

ابی طالب کی یہ خوراک ہے تو اسکو کمزوری
ہمسروں کی لڑائی اور بہادروں کے مقابلہ سے
عاجز کر دیگی۔ آگاہ ہو تحقیق خشکی کے درخت کی
لکڑی مضبوط اور تروتازہ مقام کی انگوری نرم
ہوا کرتی ہے۔ جنگل میں اگنے والی
لکڑی کی آگ زیادہ گرم اور دیرپا ہوا
کرتی ہے مجھے رسول اللہ سے وہ
نسبت ہے جو تنے سے نکلی ہوئی دو
شاخوں کو آپس میں یا ذراع کو بازو
سے ہوتی ہے۔ بخدا اگر تمام عرب مل
جل کر میرے ساتھ لڑنے پر آمادہ ہوں
تو میں پیچھے نہ ہٹوں گا اور اگر تمام ایران
میرے مقابلہ میں آجائے تو میں
آگے ہی بڑھوں گا۔ اور میری کوشش
ہوگی کہ زمین کو اس الٹے
شخص اور ناپاک جسم سے طاہر کردوں
یہاں تک کہ مٹی کے روڑے خالص
گندم کے دانوں سے جدا ہو جائیں۔
دُور ہو جا اے دنیا۔ کہ تیری
رسی تیری گردن پر ہے میں کھسک چکا
ہوں تیرے پنجوں سے اور تیرے

الْقَوْمُ الَّذِيْنَ غَرَرْتِهِمْ
بِمَدَاعِبِكِ اَيْنَ الْاُمَمُ
الَّذِيْنَ فَتَنْتِهِمْ بِزَخَارِ
فِكِ هَاهُمْ رَهَائِنُ الْقُبُوْرِ
وَمَضَامِيْنُ اللُّحُوْدِ وَاللّٰهِ لَوْ
كُنْتِ شَخْصًا مَرْئِيًّا وَقَالِبًا
حِسِّيًّا لَاَقَمْتُ عَلَيْكِ
حُدُوْدَ اللّٰهِ فِیْ عِبَادٍ
غَرَرْتِهِمْ بِالْاَمَانِیِّ وَ
اَلْقَيْتِهِمْ فِی الْمَهَاوِیْ وَ
مُلُوْكٍ اَسْلَمْتِهِمْ اِلَی التَّلَفِ
وَاَوْرَدْتِهِمْ مَوَارِدَ الْبَلَاءِ اِذْ
لَا وِرْدَ وَلَا صَدَرَ هَيْهَاتَ
مَنْ وَطِئَ دَحْضَكِ زَلِقَ وَمَنْ
رَكِبَ لُجَجَكِ غَرِقَ وَمَنْ
اِزْوَرَّ عَنْ حِبَالِكِ وُفِّقَ وَالسَّالِمُ
مِنْكِ لَا يُبَالِیْ اِنْ ضَاقَ بِهِ
مُنَاخُهُ وَالدُّنْيَا عِنْدَهُ كَيَوْمٍ
قَدْ حَانَ انْسِلَاخُهُ اُعْزُبِیْ
عَنِّیْ فَوَاللّٰهِ لَا اَذِلُّ لَكِ
فَتَسْتَذِلِّيْنِیْ وَلَا اَسْلَسُ

پھسلنے کی جگہوں سے گریزاں ہوں۔
کہاں ہیں وہ لوگ جنہیں تو نے اپنی
مکاریوں سے دھوکا دیا کہاں ہیں وہ
قومیں جن کو تو نے اپنی طمع سازیوں سے
فتنہ میں ڈالا۔ وہ تو قبروں میں رہن
اور لحدوں میں گرفتار ہیں۔ بخدا
اگر تو ظاہر بظاہر دیکھنے والی چیز ہوتی
تو میں تجھ پر حد جاری کرتا۔ ان بندوں
کے بارے میں جنہیں تو نے
خواہشات سے دھوکا دیا اور
ہلاکتوں میں گرایا۔ کتنے بادشاہوں کو
تو نے برباد کیا اور مصیبت کے ایسے
گڑھوں میں ڈالا۔ کہ وہاں دخول و
خروج کا کوئی رستہ ہی نہیں۔ پس جو بھی
تیری پھسلان پر آیا وہ پھسلا اور جو بھی
تیری موجوں پر چڑھا وہ ڈوبا اور جو
کنارہ کش ہوا تیرے جال سے وہ اچھا
رہا تجھ سے بچنے والے کو پرواہ نہیں کہ
مکان تنگ ہے کیونکہ دنیا اسے ایک
فوراً گزر جانے والے دن کی طرح
معلوم ہوتی ہے۔ دفع ہو جا بخدا میں

لَكَ فَتَقُودَنِي وَ اَيْمُ اللّٰهِ
يَمِيْنًا اَسْتَثْنِيْ فِيْهَا
بِمَشِيَّةِ اللّٰهِ لَاَرُوْضَنَّ نَفْسِيْ
رِيَاضَةً تَهُشُّ مَعَهَا
اِلَى الْقُرْصِ اِذَا قَدَرَتْ
عَلَيْهَا مَطْعُوْمًا وَ تَقْنَعُ
بِالْمِلْحِ مَادُوْمًا وَلَاَدَعَنَّ مُقْلَتِيْ
كَعَيْنِ مَاءٍ نَضَبَتْ مَعِيْنُهَا
مُسْتَفْرِغَةً دُمُوْعُهَا اَتَمْتَلِي
السَّائِمَةُ مِنْ رَعْيِهَا
فَتَبْرُكَ وَتَشْبَعُ الرَّبِيْضَةُ
مِنْ عُشْبِهَا فَتَرْبُضَ
وَيَاكُلُ عَلِيٌّ مِنْ زَادِهٖ
فَيَهْجَعَ۔ قَرَّتْ اِذًا عَيْنَاهُ
اِذَا اقْتَدٰى بَعْدَ السِّنِيْنَ
الْمُتَطَاوِلَةِ بِالْبَهِيْمَةِ
الْهَامِلَةِ وَالسَّائِمَةِ
الْمَرْعِيَّةِ۔
طُوْبٰى لِنَفْسٍ اَدَّتْ اِلٰى
رَبِّهَا فَرْضَهَا وَعَرَكَتْ
بِجَنْبِهَا بُؤْسَهَا وَهَجَرَتْ

جھکنے والا نہیں کہ تو مجھے جھکالے اور
تیرے لئے میرا اپنے پیچھے چلا لینا آسان
نہیں ہے۔ بخدا اگر اللہ نے چاہا تو میں
اپنے نفس کو ریاضت کا عادی
بناؤں گا کہ وہ ایک روٹی کو خوشی
سے قبول کرے گا۔ جب کھانے کو
مل جائے اور سالن کی بجائے نمک
پر اکتفا کرے گا۔ اور اپنی آنکھ کو
ایسے چشمے کی طرح کروں گا جس کا پانی
خشک ہو گیا ہو یعنی آنسو ختم ہو جائیں
گے۔ کیا جانور بھی اپنا پیٹ بھر کر
بیٹھ جائیں اور بھیڑ بکری بھی کھیتوں
میں چر کر آرام کرے اور علی بھی کھا
پی کر سو جائے۔ تو پھر خوب آنکھ ٹھنڈی
کی اس نے جب مدت مدیدہ کے
بعد کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والے
اور کھلے کھیتوں میں چر کر پیٹ بھرنے
والے جانوروں کے نقش قدم پر چلا۔
خوشا نصیب وہ شخص جس نے
اپنا فریضہ خداوندی ادا کیا۔ اور
سختیوں کو اپنے پہلوؤں سے کچلا

فِي اللَّيْلِ غُمْضَهَا حَتّٰى
اِذَا غَلَبَ الْكَرٰى عَلَيْهَا
افْتَرَشَتْ اَرْضَهَا وَ تَوَ
سَّدَتْ كَفَّهَا فِيْ مَعْشَرٍ
اَسْهَرَ عُيُوْنَهُمْ خَوْفُ
مَعَادِهِمْ وَ تَجَافَتْ عَنْ
مَضَاجِعِهِمْ جُنُوْبُهُمْ وَهَمْهَمَتْ
بِذِكْرِ رَبِّهِمْ شِفَاهُهُمْ وَتَقَشَّعَتْ
لِطُوْلِ اسْتِغْفَارِهِمْ ذُنُوْبُهُمْ
اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَا اِنَّ
حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ
فَاتَّقِ اللّٰهَ يَا ابْنَ حُنَيْفٍ
وَلْتَكْفِكَ اَقْرَاصُكَ لِيَكُوْنَ
عَنِ النَّارِ خَلَاصُكَ

اور رات بھر نیند کو چھوڑا۔
اور جب غالب آئی تو زمین کو
فرش بنایا اور اپنے ہاتھ کو سرہانا
بنایا ایسی جماعت میں کہ جنہوں نے
قیامت کے ڈر سے اپنی آنکھوں کو
جگایا اور پہلوؤں کو خوابگاہوں سے
دور رکھا اور ذکر خدا میں ان کے لب
متحرک رہے اور طول استغفار ذنوب
کی وجہ سے خشک ہو گئے ایسے لوگ
اللہ کا گروہ ہیں اور آگاہ ہو اللہ کا
گروہ ہی فلاح و رستگاری پانے والا
ہے۔ پس اے ابن حنیف اللہ سے
ڈر تجھے اپنی روٹی پر کفایت کرنی چاہیئے
تاکہ آتش جہنم سے تجھے خلاصی نصیب ہو

حضرت ابن عباس سے منقول کہ میں حضرت امیرؑ کے پاس مقام ذی قار پر پہنچا
جب کہ آپ اپنے نعلین مبارک کو درست کر رہے تھے۔ فرمایا اے ابن عباس
میرے اس جوتے کی کتنی قیمت ہے۔ تو میں نے جواب دیا کہ حضور اس کی تو
کوئی قیمت ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ جوتا مجھے تمہاری اس حکومت سے زیادہ
محبوب ہے۔ جس میں قیام حق اور دفع باطل نہ ہو۔ (نہج البلاغۃ)
نوف بکالی سے مروی ہے کہ میں نے علیؑ کو منبر کوفہ پر دیکھا۔ اونی قمیض
پہنی تھی۔ اور نیام تلوار کھجور کے پتوں کا اور جوتا بھی کھجور کے پتوں کا تھا اور جبین مبین

پر محراب نمایاں تھا۔

مروی ہے کہ مدینہ میں حضورؐ کا ایک کھیت تھا کہ بال بچوں کی خوراک کا دانہ آٹا وہیں سے آتا تھا۔ ایک دن حضرت باغ میں پانی دے رہے تھے کہ ایک عرب آیا اور اس نے روٹی کا سوال کیا۔ اور وہ حضرت کو پہچانتا نہ تھا۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ روٹی کا برتن فلاں درخت کے نیچے ہے وہاں سے اٹھا کر کھالو۔ وہ آیا اور خوانچہ کو کھولا لیکن روٹی نہ کھا سکا۔ پس آپ نے فرمایا۔ اگر روغنی لذیذ کھانا کھانا چاہتا ہے جس سے تیرے دانتوں کو دکھ نہ ہو تو مدینہ میں حسنؑ بن علیؑ کے دولتکدہ پر جاؤ وہاں دسترخوان بچھا ہے لذیذ کھانا ملے گا وہاں امیر و غریب ہر ایک یکساں طور پر کھاتا ہے کسی کو روکاوٹ نہیں۔ وہ اعرابی پوچھتا ہوا امام حسنؑ کے مکان پہ حاضر ہوا۔ روٹی لائی گئی اور ایسی غذائیں تھیں جو دل کو لبھاتی اور آنکھوں کو بھاتی تھیں۔ ایک حلوہ کی پلیٹ بھی سامنے رکھی تھی۔ وہ ایک لقمہ کھاتا اور دوسرے کو آستین میں رکھتا جاتا تھا۔ امام حسنؑ نے فرمایا اے عرب تو جب تک اس شہر میں مقیم ہے صبح و شام یہاں آکر کھانا کھا جانا اور اگر کوئی رفیق سفر ہے تو اس کو بھی ہمراہ لانا۔ یہ ذخیرہ کیوں کرتا ہے عرض کی حضور! میں نے باغ میں ایک باغبان کو جو درختوں کو سیراب کر رہا تھا دیکھا ہے اس نے اپنی روٹی دکھائی وہ اس قدر خشک تھی کہ میں نہ کھا سکا۔ اس نے ہی مجھے آپ کے دسترخوان کی نشاندہی کی ہے۔ بس یہ روٹی اور حلوہ اسی کے لئے جمع کر رہا ہوں۔ حضرت امام حسنؑ نے فرمایا۔ وہ میرا بابا علیؑ تھا اور لذآت دنیا کو انہوں نے خود ہی ترک فرمایا ہے۔ (مجمع النورین)

حضرت علیؑ میں صفاتِ اضداد جمع تھیں۔ مثلاً خوفِ خدا اور شجاعت جمع نہیں ہوتی۔ لیکن مروی ہے کہ جنگ نہروان کے بعد حضرت امیرؑ منبر پر تشریف لائے۔ اور حمد و ثنا پروردگار کے بعد اس قدر روئے کہ ریش مبارک تر ہوگئی اور پانی

گرنے لگا۔ پس ہاتھ سے ریش مبارک کو جھاڑا کہ قریب بیٹھے ہوئے لوگوں پر قطرات ٹپکے۔ اور اس کے بعد لوگ کہا کرتے تھے کہ جن کے جسموں پر علیؑ کے آنسو کے قطرات گرے ان پہ آتش جہنم حرام ہے۔ (روضہ ندیہ)

رات بھر محراب عبادت میں رونا اور دن کو میدانِ حرب و ضرب میں ہنس کر دشمن اسلام کو مارنا علیؑ کی وہ سند ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ شیخ کا قول ہے۔ کہ سوائے علیؑ کے کوئی ایسا شجاع نہیں گذرا جو فلسفی ہو۔ (مجمع النورین)

شجاعت کا یہ عالم ہے کہ تلوار کی ایک ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل ہے جو خندق میں ہوئی۔

علم قرآن ملاحظہ ہو۔ منقول ہے کہ ایک پاؤں رکاب میں ڈالتے اور دوسرے پاؤں کے رکاب میں پہنچنے سے پہلے ختم قرآن فرماتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ملتزم کعبہ سے لے کر دروازے تک ختم قرآن کیا کرتے تھے۔

(شرحِ مشکوٰۃ از دہلوی)

ابن عباس کہتا ہے ایک چاندنی رات میں علیؑ نے میرا ہاتھ پکڑا اور عشاء کے بعد بقیع کی طرف لے گئے اور مجھے فرمایا قرأت کر۔ چنانچہ میں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی تو آپ نے اسکے اسرار بیان کرنا شروع کئے یہاں تک کہ صبح صادق طالع ہوگئی۔ (معراج الکلام) یہی وجہ تھی کہ حضرت رسالت مآبؐ متعدد بار فرماتے تھے۔ اے لوگو میں تم میں دو چیزیں گرانقدر چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے اپنی عترت اہل بیتؑ۔ اگر ان دونوں سے تمسک پکڑو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر اکٹھی وارد ہوں گی۔ جنگِ جمل میں علیؑ نے اپنے غلام مسلم کو قرآن دے کر بھیجا اور اس کو شہید کیا گیا تو آپ نے جنگ شروع کر دی اور جنگ صفین میں جب قرآن

کو بلند کیا گیا تو جنگ کو موقوف کر دیا۔ بقول مؤرخین حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے ایک رات کی مہلت تلاوت کتابِ خدا کے لئے مانگی تھی۔

روز عاشور جب دیکھا کہ لوگ میرے قتل پر تلے ہوئے ہیں۔ تو قرآن کو کھول کر سر پر رکھا اور با آواز بلند فرمایا۔ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب۔ اور میرا نانا ہے اے قوم میرے خون کو کیوں تم نے حلال سمجھا ہے۔ کیا میں تمہارے نبیؐ کا نواسہ نہیں ہوں کیا میرے اور میرے بھائی کے متعلق میرے نانا کا فرمان تم نے نہیں سنا کہ دو نو جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ اگر میری بات پر باور نہ ہو تو جابر بن عبداللہ۔ زید بن ارقم اور ابو سعید خدری سے پوچھ لو۔ کیا جعفر طیار میرا چچا نہیں۔
(تذکرہ خواص الامۃ)

نوک نیزہ پر قرآن کا پڑھنا اور چند اشخاص سے ہم کلام ہونا۔ سہل سے روایت ہے۔ باب بنی خزیمہ پر انہوں نے توقف کیا۔ سر مبارک ایک لمبے نیزہ پر تھا اور سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡکَہۡفِ وَالرَّقِیۡمِ الایۃ تک پہنچا تو میں رویا اور عرض کی یا ابن رسول اللہ بے شک تیرا سر زیادہ عجیب ہے۔ پھر میں بے ہوش ہو کر گر گیا اور مجھے اس وقت افاقہ ہوا، جب آپ سورہ کہف ختم کر چکے تھے۔

زن غولی سے مروی ہے کہ میں طلوع فجر تک سر پاک سے قرآن سنتی رہی، اختتام پر یہ آیت پڑھی وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ پھر میں نے سر کے آس پاس ایک آواز سنی اور سمجھا کہ یہ ملائکہ کی تسبیح کی آواز ہے
(ابو مخنف)

صبح ہوئی تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ سر پاک کو کوفہ کی گلیوں میں پھرایا جائے اور ہر محلہ میں لے جایا جائے۔ زید بن ارقم کہتا ہے میرے پاس سے گزرا تو میں

ایک بالاخانہ میں بیٹھا تھا۔ پس یہ آیت پڑھی۔ اَمۡ حَسِبۡتَ۔ الخ۔ پس میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور بول اٹھا۔ بے شک اے فرزند رسول آپ کا سر زیادہ عجیب ہے۔ (ارشاد)

جب ابن زیاد ملعون نے سر پاک سے بے ادبی کا ارادہ کیا تو ابن زیاد کے منہ پر اس عمل کی وجہ سے آگ نے حملہ کیا اس ملعون نے فرار کیا تو سر پاک سے آواز آئی اِنۡ فَرَرۡتَ مِنۡ نَارِ الدُّنۡیَا اَیۡنَ الۡمَفَرُّ مِنۡ نَارِ الۡاٰخِرَۃِ۔ اگر دنیا کی آگ سے بھاگے تو آخرت کی آگ سے کہاں بھاگے گا۔ (مجمع النورین)

کوفہ میں جب ایک درخت پر آویزاں کیا گیا تو یہ آیت پڑھ رہے تھے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے نوک نیزہ پر سر پاک کو یہ آیت پڑھتے سنا ہے سَیَکۡفِیۡکَہُمُ اللّٰہُ وَہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ (مثیر الاحزان) ایک شامی سے روایت ہے کہ میں ان کافروں کمینوں کے ہمراہ تھا جو اسیروں اور قیدیوں کو دمشق لے جا رہے تھے۔ جب نصرانیوں کے دیر پر پہنچے تو ان میں یہ بات چل پڑی کہ نصر خزاعی ایک لشکر گراں کے ساتھ ان پر حملہ آور ہونے والا ہے اور اسیروں اور قیدیوں کو چھین لے گا اور ان کے جوانوں بہادروں کو قتل کر ڈالے گا۔ پس اس پریشانی میں امراء لشکر نے فیصلہ کیا کہ اس رات دیر کو اپنے لئے پناہ گاہ بنایا جائے کیونکہ وہ ہر طرف سے محفوظ ہے۔ پس شمر اور اس کے ساتھیوں نے دروازہ دیر پر آواز دی تو ان کا بڑا پادری باہر آیا اور پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم ابن زیاد کے فوجی ہیں اور شام جا رہے ہیں پادری نے پوچھا کہ واقعہ کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ ایک شخص نے یزید بن معاویہ پر فوج کشی کی تھی۔ پس ان کو قتل کیا گیا ہے اور ان کے سر اور عورتیں یزید کی طرف بھیجے جا رہے ہیں۔ جب اس پادری نے حسینؑ کے سر کی طرف دیکھا تو ایک نور ساطع

تھا جو آسمان تک پہنچتا تھا تو اس کے دل میں اس کی ہیبت پیدا ہوئی تو کہنے لگا۔ ہمارے دیر میں تم سب کی جگہ نہیں ہے۔ صرف سروں اور قیدیوں کو اندر بھیج دو۔ اور خود باہر ان کا پہرہ دو۔ اگر کوئی دشمن آئے تو اس سے خود لڑو، اور سروں اور قیدیوں کا فکر مت کرو۔ ان کو یہ بات پسند آئی۔ پس سر پاک ایک صندوق میں مقفل کیا اور قیدیوں سمیت دیر میں بھیج دیا۔ پھر پادری نے سر پاک کو دیکھنا چاہا۔ اور جس کمرہ میں صندوق تھا اس کے ارد گرد نظر دوڑانی شروع کی۔ آخر اس کے روشن دان سے جو نگاہ کی تو حجرہ کو نورانی پایا اور معلوم ہوا کہ چھت شگافتہ ہوئی اور آسمان سے ایک تخت اترا جس پر ایک عورت بیٹھی تھی اور دیکھا چند اور عورتیں نکلی ہیں۔ معلوم ہوا حوّا، صفیہ، ہاجرہ، راحیل اور مادر موسیٰ اور آسیہ اور مریم اور رسالت مآبؐ کے حرم ہیں۔ پس انہوں نے سر کو صندوق سے نکالا اور ہر عورت نے باری باری اس کو بوسہ دیا۔ جب جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی باری آئی تو ان پر غش طاری ہوا اور صاحب دیر بھی بے ہوش ہو گیا۔ پھر اس کو نظر کچھ نہ آتا تھا صرف آواز سنائی دیتی تھی۔ کہ ایک بی بی کی آواز آتی تھی۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا قَتِیْلَ الْاُ مَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مَظْلُوْمَ الا مَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا شَہِیْدَ الْاُ مَ ....

بیٹا تیرے سر اور بدن کو کس نے جدا کیا۔ بیٹا تجھے کس نے ظلم سے قتل کیا۔ بیٹا تیرے پردہ داروں کو کس نے اسیر کیا۔ بیٹا تیرے بچوں کو کس نے یتیم کیا۔ پھر اس نے سخت رونا شروع کیا کہ صاحب دیر پر پھر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو نیچے اترا اور صندوق کو توڑ کر سر باہر نکالا اس کو غسل دیا وضو کیا۔ کافور مشک اور زعفران کے ساتھ اور اپنے قبلہ کی جانب رکھ کر رونا شروع کیا اور عرض کی۔ اے بنی آدم کا سردار۔ اے جمیع خلق خدا سے برتر۔ میں سمجھتا ہوں کہ تو ان لوگوں

میں سے ہے۔ جن کی خدا نے تورات و انجیل میں تعریف کی ہے۔ تجھے فضیلت حاصل ہے کیونکہ دنیا و آخرت کی بنی آدم کی سردار مستورات تجھے رونے اور پیٹنے والی ہیں۔ میں تجھے پہچاننا چاہتا ہوں۔ تیرا نام کیا ہے اور تو کون ہے؟ تو بقدرت خدا سر سے آواز آئی۔ انا المظلوم۔ انا المھموم۔ انا الذی بسیف العدوان قتلت۔ انا الذی بحرب اهل البغی ظلمت۔ انا الذی علی غیر جرم نهبت۔ انا الذی عن الاهل والاوطان بعدت۔ صاحبِ دیر نے عرض کی اے سر پاک تجھے خدا کی قسم۔ وضاحت فرمائیے۔ پس آواز آئی۔ اگر میرا حسب نسب دریافت کرنا چاہتا ہے تو انا ابن محمدن المصطفیٰ۔ انا ابن علی المرتضیٰ۔ انا ابن فاطمة الزهراء۔ انا ابن خدیجة الکبریٰ۔ انا ابن العروة الوثقیٰ۔ انا شہید کربلا۔ انا قتیل کربلا۔ انا مظلوم کربلا۔ انا عطشان کربلا۔ انا ظمآن کربلا۔ انا غریب کربلا۔ انا وحید کربلا۔ انا سلیب کربلا۔ انا الذی خذلونی الکفرة بارض کربلا۔

جب صاحبِ دیر نے سر پاک سے یہ آواز سنی تو اپنے شاگردوں کو جمع کیا اور واقعہ بیان کیا۔ وہ کل ستر (۷۰) آدمی تھے۔ گریہ و بکا کی آواز ان میں بلند ہوئی سروں سے عمامے اتارے اور گریبان چاک کر ڈالے اور حضرت سجاد کی خدمت میں حاضر ہو کر فعل یہود و نصاریٰ سے تائب ہوئے اور اسلام لا کر اذنِ جہاد کے طالب ہوئے آپ نے فرمایا تم ایسا مت کرو ان سے انتقام لینے والا عنقریب آ جائے گا

(دمعہ ساکبہ)

مجلس یزید میں سر پاک نے یہ آیت مجیدہ پڑھی۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

خرابۂ شام میں ایک شخص تلاوت قرآن مجید کر رہا تھا جب آیہ امحَسِبْتَ

تک پہنچا تو سر مطہر سے آواز آئی کہ اصحاب کہف کے قصہ سے میرا قتل و نوک نیزہ پر بلند ہونا زیادہ عجیب ہے۔

لھوف میں ہے یزید نے حضرت سجاد سے کہا کہ اپنی تین حاجات مجھ سے طلب کرو۔ آپ نے فرمایا (۱) ہمارا جو مال لوٹا گیا ہے وہ واپس دلایا جائے (۲) اگر مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو مستورات کے ہمراہ ایسے شخص کو بھیج جو انہیں حرم پیغمبر تک پہنچا دے۔ (۳) مجھے اپنے بابا کے سر پاک کی زیارت کرا۔ تاکہ میں اس سے وداع کر لوں۔ یزید نے کہا۔ باقی باتیں ہوں گی لیکن اپنے بابا کے سر کو نہ دیکھو گے اس وقت سامنے کے کمرہ میں سر مطہر ایک طشت میں رکھا ہوا تھا۔ سجاد نے فرمایا۔ کمینہ تو سمجھتا ہے کہ میں بابا کے سر کو نہیں دیکھوں گا۔ پس اٹھے اسی کمرہ کی طرف رُخ کیا اور عرض کی السلام علیکم یا ابتاہ پس دروازہ خود بخود کھلا اور سر مبارک سے رومال ہٹا اور سر کو جنبش ہوئی اور جواب دیا۔ علیك السلام یا ولدی و قرۃ عینی اصبر علی ما اصابك فان اللہ مع الصابرین تیرے اُوپر سلام ہو اے فرزند میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہر مصیبت پر صبر کر کیونکہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔ (مجمع النورین)

قرآن مجید کی چودہ منزلیں ہیں اول حدوث سے لے کر جنت تک۔

(۱) اس کے حدوث و ایجاد کی منزل لوح محفوظ ہے جو ایک جسم خاص ہے یا بقولے ایک فرشتہ ہے۔

(۲) قلب اسرافیل جو لوح پر نظر رکھتا ہے۔

(۳) قلب میکائیل جب اسرافیل اس پر تلاوت کرے۔

(۴) قلب جبرئیل جب میکائیل اس پر تلاوت کرے۔

(۵) لیلۃ القدر میں اس کا بیت المعمور پر نازل ہونا۔

(۶) قلب نبی پر نزول تاکہ لوگوں کو تعلیم دے۔

(۷) نزول قرآن ترتیب وار تلاوت کے لئے۔

(۸) ہر شب قدر امام وقت کے پاس نزول (۹) سامعین کے کانوں پر نزول (۱۰) قاریئن کی زبان پر نزول (۱۱) صفحات کاغذ پر نزول (۱۲) دلوں پر نزول (۱۳) یوم قیامت ایک شکل خاص میں۔

(۱۴) جنت میں منزل جبکہ اس کے قاری کو کہا جائے گا۔ پڑھتا جا اور چڑھتا جا۔ یہ روایات مختلفہ کا ماحصل ہے۔ ان منازل کی مزید تحقیق ہم نے اپنی کتاب روضات الجنات میں کی ہے۔ خدا توفیق اتمام دے۔

اسی طرح امام حسینؑ کی فضائل و مصائب کی چودہ چودہ منزلیں ہیں۔

(۱) خلقت نوری (۲) عرش کے ساتھ تعلق اور اس کی متعدد حالتیں ہیں (۳) جنت سے تعلق کی منزل اور اس کی کئی حالات ہیں۔ مثلاً ثمرۂ جنت ہونا یا زہرا کے کانوں کی بالیوں کی شکل میں وعلی ہذا (۴) اصلاب شامخہ میں نور ہونا (۵) ارحام مطہرہ میں خصوصاً شکم مادر میں کہ فرماتی ہیں جب سے حسینؑ میرے شکم میں آیا شب تاریک میں مجھے چراغ کی ضرورت نہ رہی (۶) لعیا حور کے ہاتھوں پر جو کہ آپ کی دایہ تھی (۷) رسولؐ کے جسم کی منزل۔ کندھے پر۔ گردن پر۔ سینے پر۔ پشت پر اور گود میں اور ہر ایک کی جدا جدا کیفیتیں ہیں جو اپنے محل میں مذکور ہیں بلکہ رسولؐ کے اعضاء کو حسینؑ کے جسم سے کئی تعلقات و منازل ہیں۔ رسولؐ کی زبان کی منزل حسینؑ کا منہ ہونٹوں کی منزل حسینؑ کے جسم کے متعدد اعضاء۔ جبین۔ گردن اور یہ عموماً تھی اور ناف کے اوپر (۸) زہرا کا سینہ (۹) علی کے ہاتھ کہ جب اٹھاتے تھے تو رسولؐ بوسہ دیتے تھے اور فرماتے تھے میں تلواروں کے مقامات پر بوسہ دیتا ہوں اور روتا ہوں (۱۰) پر جبرئیل (۱۱) منبر رسولؐ کہ سوائے حسینؑ کے رسولؐ کے ہمراہ منبر رسولؐ پر کوئی نہیں

سوار ہوا۔ مگر ایک دفعہ حضرت علیؑ جبکہ مقام غدیر میں ان کی خلافت کا اعلان کیا گیا تھا لیکن حسینؑ کو کئی مرتبہ گود میں لیا اور لوگوں سے تعارف کرایا پھر اس کے قاتل پر لعنت بھیجی اور پھر تمام مومنین کو حسینؑ سونپا۔ گویا حاضرین مجلس بھی اس مرتبہ میں شریک ہیں جب کہ آپ نے فرمایا تھا۔ اللهم استودعك صالح المؤمنين پس لوگ رونے لگے تو آپ نے فرمایا۔ روتے تو ہو لیکن مدد نہ کرو گے۔ اب میں بھی کہتا ہوں کہ تم یہ حدیث سنتے تو ہو لیکن روتے نہیں ہو (۱۲) قلب نبی کی منزل (۱۳) بوقت شہادت سینہ رسولؐ کی منزل۔ کیونکہ اس وقت حضورؐ کا سر اپنے نانا کے سینے پر تھا۔ جناب رسالت مآبؐ اس وقت حیرت سے رو رہے تھے اور حسینؑ کی روح پرواز کر رہی تھی اور آپ فرماتے تھے یزید کو مجھ سے کیا مطلب خدا یزید سے برکت سلب کرے۔ پس جسد امامت سے روح نے پرواز کی (۱۴) مومنوں کے دلوں کی منزل کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ ان کے دلوں میں حسینؑ کی محبت مکنون ہو گی۔ اپنے دلوں میں نگاہ کیجئے واقعی اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے سچ فرمایا۔ یہ تھیں حسینؑ کے فضائل کی چودہ منزلیں۔ اب ذرا حسینؑ کے مصائب کی چودہ منزلیں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) مدینہ سے روانگی کہ عرض کر رہے تھے کہ اللہ میں تیرے نبی کی عترت ہوں اور نانا سے عرض کی۔ میں تیری شہزادی کا بیٹا حسینؑ ہوں۔ امت نے مجھے بے ناصر چھوڑا اور انہوں نے مجھے ضائع کر دیا ہے۔

(۲) مکہ میں منزل جو انسان حیوان طیور و وحوش بلکہ شجر و نبات کے لئے بھی امن کا مقام ہے لیکن وہ بھی ان کے لئے جائے خوف بن گیا کیونکہ وہ یہاں بھی ان کے قتل کا ناپاک ارادہ کرتے تھے (۳) مکہ سے کوفہ تک کا سفر جن میں کئی منزلوں پر نزول اجلال فرمایا (۴) بقصد قیام کربلا میں منزل کہ شتربانوں کو فرمایا کہ اب چلے جاؤ

میں نے یہاں رہنا ہے (۵) میدان حرب و ضرب میں نزول (۶) مقام قتل گاہ جس کے متعلق فرماتے تھے کہ میری قتل گاہ میرے لئے معین کی جا چکی ہے۔ پس سات دن وہاں پشت زمین پر قیام فرمایا اور پھر اس کے بعد بطن کی طرف منتقل ہوئے جہاں آپ کی ضریح مقدسہ ہے (۷) سر کی منزل کہ گیارہویں کی رات خولی کے گھر اور عام مشہور یہ ہے کہ تنور میں قیام ہوا۔ (۸) مجلس ابن زیاد میں ایک طبق میں قیام۔ درحالیکہ وہ ملعون خوشی سے ہنس رہا تھا اور شاید خیزران کی چھڑی سے اس کا ہنسنا زیادہ تکلیف دہ تھا (۹) کوفہ میں ایک درخت پر منزل جبکہ وہاں لٹکایا گیا (۱۰) کوفہ و شام کے درمیان کبھی نوک نیزہ پر اور کبھی صندوق میں۔ راستہ میں متعدد منزلیں تھیں اور اب تک ہر منزل پر آپ کے نشانات پائے جاتے ہیں (۱۱) دیر راہب (۱۲) طشت طلا میں یزید کے سامنے اور یہاں مصائب کا ہجوم تھا جن کی تفصیل کہیں آجائے گی (۱۳) یزید کے دروازہ پر جسے زوجۂ یزید ہند بھی برداشت نہ کر سکی اور وہ بے تابانہ کھلے سر یزید کے دربار میں آگئی اور کہنے لگی او ملعون! حسینؑ ابن فاطمہؑ کا سر تو نے میرے دروازہ پر آویزاں کر دیا۔ پس یزید اٹھا اور اس کے سر پر برقعہ دیا اور واپس گھر پہنچایا اور حکم دیا کہ سر کو وہاں سے اتار لیا جائے اور ہند کو فرزند رسولؐ پر گریہ و بکا کی اجازت دی (۱۴) شہر دمشق کے دروازہ پر یہاں تک کہ حضرت سجاد برداشت نہ کر سکے اور بول اُٹھے کیونکہ جب سر مطہر کو طشت طلا میں یزید کے سامنے رکھا گیا تھا اور یزید پلید خیزران سے بے ادبی کرتا تھا اس وقت حضرت سجاد دیکھ رہے تھے لیکن ضبط کر رہے تھے لیکن جب شہر شام کے دروازہ پر لٹکا ہوا دیکھا تو ضبط نہ ہو سکا اور فرمایا یا یزید اما تستیحی ان یکون راس ابن فاطمہ مصلوبا علی باب مدینتکم وھو ودیعة رسول اللہ۔ اے یزید تجھے شرم نہیں آتی کہ فاطمہؑ کے لعل کا سر تمہارے شہر کے دروازہ پر لٹکا ہوا ہے حالانکہ وہ رسولؐ کی

امانت تھے اس کے بعد جنت و محشر میں حسینؑ کی منازل خاص ہیں۔ اور درجات رفیعہ ہیں۔ (ملخص از خصائص)

ولاحول ولا قوۃ اِلاّ باللہ العلی العظیم۔

میں کہتا ہوں۔ منازل مصائب میں سے تخت یزید کے زینے پر جو حسین کو مقام ملا وہ غالباً سب سے زیادہ المناک تھا۔ تختِ طلا میں حسینؑ کا سر ہو اور اس کے قریب جام شراب ہو یزید کے ہاتھ میں خیزران کی چھڑی ہو ایک طرف دندانِ مبارک پر چھڑی سے ظلم کرتا رہے اور دوسری طرف جام شراب سے گھونٹ گھونٹ پی کر باقی کو امام مظلوم کے سر اقدس والے طشت میں پھینک کر گستاخانہ لہجہ میں پوچھتا ہو کیا تیرے نانا نے یہی شراب حرام کیا تھا یہ ظلم دیکھ کر تمام سادانیاں رونے لگ گئیں چنانچہ دمعہ ساکبہ میں ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو اس وقت جنابِ فاطمہ بنت حسن اٹھائے ہوئے تھی ماں کو روتا دیکھ کر شہزادے نے گریہ کی وجہ پوچھی تو بی بی نے بچشم گریان طشتِ طلا کی طرف اشارہ کر کے وضاحت کی پس ماں کے ہاتھوں پر بلند ہو کر امام محمد باقر علیہ السلام نے یزید کو جھڑک کر اتمام حجت کی اور اپنا مقام واضح فرمایا۔ کہ تمام حاضرین میں گریہ بپا ہوا۔

کہتے ہیں جب دربار میں بیبیوں کو کھڑے ہوئے کافی دیر ہو گئی تو سفیرِ روم نے یزید سے پوچھا کہ ان عورتوں کا وارث کوئی نہیں ہے کہ کافی دیر سے دربار میں کھڑی ہیں تو اس ملعون نے جواب دیا؛ کہ ان کے مرد سب مارے گئے ہیں اور یہ قیدی ہیں تو سفیر روم نے کہا، اے یزید! ان چھوٹے بچوں پر تو رحم کرو کہ کافی دیر سے کھڑے ہونے کے باعث تھک گئے ہیں۔

گیارہویں مجلس

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُو اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْن

صادقین کے ساتھ ہونے سے مراد ان کی اطاعت و پیروی ہے نہ کہ پاس بیٹھنا۔

اطاعت کے لئے جزئی امور کی معرفت ضروری ہے اور ان کے احکام کا دریافت کرنا ضروری ہے جو بغیر سوال کے حاصل نہیں ہو سکتے اور مسائل شرعیہ کا دائرہ بہت کچھ وسیع ہے۔ چنانچہ زرارہ نے ایک مرتبہ حضرت صادق آلِ محمدؐ کی خدمت میں عرض کی اے فرزند رسولؐ! میں آپ پر فدا ہوں۔ چالیس سال سے میں آپ سے مسائل حج دریافت کر رہا ہوں اور آپ فتویٰ دیتے چلے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا جس گھر کی حج حضرت آدم علیہ السلام سے دو ہزار برس پہلے شروع ہوئی ہے۔ تو چاہتا ہے کہ اس کے مسائل چالیس برس میں ختم ہو جائیں؟

اعتقادات و اصول کے بعد تمام فروع دین میں سے نماز کو زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ باقی تمام اعمال کی مقبولیت کا معیار نماز ہے۔ پس نماز کا درست پڑھنا تمام اعمال کی صحت و درستی کے لئے از حد ضروری ہے اور اس میں کوتاہی کرنا بالکل ناجائز ہے۔

حماد کہتا ہے کہ ایک دفعہ مجھے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اے حماد کیا تو نماز درست پڑھ سکتا ہے؟ میں نے عرض کی حضور! حریز کی کتاب صلاۃ مجھے یاد ہے۔ آپ نے فرمایا اس میں حرج کوئی نہیں اٹھ کر میرے سامنے نماز پڑھو پس میں نے قبلہ رو ہو کر نماز شروع کر دی اور رکوع سجود تمام کیا آپ نے فرمایا اے حماد تجھے نماز پڑھنا نہیں آتی اور کس قدر بری بات ہے کہ انسان کی ساٹھ ستر برس

عمر ہو جائے اور ایک نماز بھی صحیح ادا نہ کر سکے۔ حماد کہتا ہے۔ میں اپنے جی میں نہایت شرمسار ہوا اور عرض کی حضور! آپ مجھے تعلیم فرمائیں تو حضور خود قبلہ رو کھڑے ہوئے اور خود پڑھ کر مجھے نماز کا طریقہ سکھایا (الحدیث)

جس طرح تمام لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔ ادنیٰ۔ اوسط۔ اعلیٰ۔ اسی طرح تمام امور جزئیہ شرعیہ کے بھی تین مراتب ہیں۔ عام۔ خاص اور خاص الخاص۔ نماز عام تو وہی ہے جس میں شرائط و اجبات موجود ہوں اور مبطلات سے خالی ہو۔ اور نماز خاص جو مقبولیت خاص سے روکنے والی چیزوں سے مبرا ہو۔ مثلاً حسد۔ بخل۔ غیبت وغیرہ اور اسباب مقبولیت موجود ہوں مثلاً تقویٰ۔ معرفت اور ظاہر میں اس کے کمال کے وجوہ پائے جائیں جیسے اذان۔ اقامت۔ جماعت۔ مسواک وغیرہ اور نماز خاص الخاص وہ ہے کہ ان تمام امور کے علاوہ خدا کی طرف توجہ ہو اور اس توجہ کے بھی کئی مراتب ہیں اور اس کا کم از کم مرتبہ یہ ہے کہ وہ سمجھے کہ میں کس ذات سے ہمکلام ہو رہا ہوں اور اس سے بلند مرتبہ ہے کہ غیر از خدا ہر چیز سے بے خبر ہو کہ نوک تیر پاؤں سے نکالی جائے اور اس کے خیال میں تبدیلی نہ آئے۔

روزہ عام۔ وہ روزہ جو تمام ان چیزوں سے بچے جن سے روزہ باطل ہوتا ہے اور روزہ خاص تمام اعضائے بدن کا روزہ شرعی گناہوں سے بچے۔ اور روزہ خاص الخاص کہ دل بھی روزہ دار ہو ناحق امور سے۔

بعض روایات میں ہے کہ ایک دن حضرت عیسیٰؑ نے مناجات میں عرض کی پروردگار! مجھے اپنے دوستوں میں سے ایک دوست کی زیارت نصیب کر۔ خطاب ہوا کہ فلاں مقام پر جاؤ۔ وہاں میرا ایک دوست ہے۔ وہاں پہنچے دیکھا ایک عورت نابینا ہاتھ پاؤں سے معذور ہے جس کے اوپر مکھیاں جمع ہیں۔ لیکن زبان پر ذکر خدا جاری ہے اور شکر گذاری میں مشغول ہے۔ آپ نے آگے بڑھ کر سلام

کیا تو اس عورت نے جواب میں کہا وعلیک السلام یا روح اللہ۔ آپ نے فرمایا۔ اے عورت تو نے کبھی دیکھا نہیں پھر یہ کیسے پہچانا کہ میں عیسیٰ ہوں۔ عورت نے جواب دیا کہ جس دوست نے تجھے میرا پتہ بتایا ہے اس نے مجھے بھی بتایا ہے۔ فرمایا اے عورت نہ تیری آنکھ نہ ہاتھ نہ پاؤں پھر شکر کونسی نعمت کا کرتی ہے؟ عورت نے جواب دیا۔ بحمد اللہ۔ دل ذاکر زبان شاکر اور جسم صابر مجھے خدا نے عطا فرمائے اور شکر کرتی ہوں کہ گناہ میں پڑنے کے ذرائع اس نے مجھ سے لے لئے ہیں۔ اگر آنکھ ہوتی تو نامحرم پر نگاہ پڑتی۔ اگر ہاتھ ہوتے تو لقمہ حرام کی طرف بڑھتے اگر پیر ہوتے تو لذات دنیاوی کی طرف بڑھتے یہ نعمت جو خدا نے مجھے دی ہے کسی کو نہیں دی حضرت عیسیٰؑ نے پوچھا اس جگہ اس حالت میں تیری خبر گیری کون کرتا ہے؟ جواب دیا کہ وہ ذات جس نے ساتوں آسمانوں کو بلا ستون کھڑا کیا ہے۔ فرمایا تیری کوئی خواہش بھی ہے؟ جواب دیا ہاں ایک لڑکی ہے جو بالغ ہو چکی ہے دل میں بعض اوقات اس کا فکر رہتا ہے۔ پس خدا سے دُعا طلب کرتی ہوں کہ مجھ سے غم دور کرے تاکہ صرف اس کی طرف توجہ کے سوا اور کسی طرف دل متوجہ نہ رہے حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں۔ جب تھوڑی دور راہ چلا دیکھا ایک لڑکی پڑی ہے جس کو شیر نے پھاڑ کھایا ہے۔ میں نے دل میں کہا۔ سبحان اللہ اس عورت کی یہ مراد بھی پوری ہو گئی

حسن بصری کہتا ہے ایک شب میں مسجد الحرام میں تھا اور چاہتا تھا کہ لوگ چلے جائیں اور میں طواف کروں اور یہ رات میری عبادت خاصہ کی رات ہو۔ میں نے سنا کہ ایک آدمی اپنی مناجات میں کہہ رہا ہے

يَا ذَا الْمَعَالِيْ عَلَيْكَ مُعْتَمَدِيْ — اے بلندیوں کا مالک تجھ پر ہی میرا
طُوْبٰى لِعَبْدٍ تَكُوْنُ مَوْلَاهُ — بھروسہ ہے طوبیٰ اس بندے کیلئے

طُوبیٰ لِمَنۡ بَاتَ خَائِفًا وَجِلاً	جس کا تو مولا ہو، طوبیٰ اس کے لئے
یَشۡکُو اِلیٰ ذِی الۡجَلَالِ بَلۡوَاہُ	جو رات خوف میں گذارے۔ کہ اپنے
	مصائب کا شکوہ اپنے مالک
اِذَا خَلَافِی الظَّلَامِ مُبۡتَہِلاً	ذوالجلال سے کرے۔ جب تاریکی
اَکۡرَمَہٗ رَبُّہٗ وَلَبَّاہُ	میں عجز و انکساری سے پکارے

تو اس کا ربّ اس کا اکرام کرے اور اسے جواب دے۔

پس میں نے سنا کہ خانہ کعبہ کے اندر سے جواب آیا۔

لَبَّیۡکَ لَبَّیۡکَ اَنۡتَ فِی کَنَفِی	لبیک لبیک تو میری حفاظت میں
وَکُلَّ مَا قُلۡتَ قَدۡ سَمِعۡنَاہُ	ہے اور تو نے جو کچھ کہا ہے ہم نے
صَوۡتَكَ تَشۡتَاقُہٗ مَلَآئِکَتِی	سن لیا۔ تیری آواز کے میرے ملائکہ
وَعُذۡرَكَ اللَّیۡلَ قَدۡ قَبِلۡنَاہُ	شائق ہیں آج شب تیرا عذر مقبول
سَلۡ بِلَا حِشۡمَةٍ وَّلَا رَهَبٍ	ہے بلا خوف و ہراس مانگ۔ اور
وَلَا تَخَفۡ اِنَّنِیۡ اَنَا اللّٰہُ	ڈر نہیں میں ہی تیرا رب ہوں

میں نے تعجب کیا کہ یہ کون ہے جس کا مقام اس قدر بلند ہے کہ خدا جواب میں لبیک کہتا ہے۔ میں نے ڈھونڈنا شروع کیا۔ دیکھا ایک شخص گوشۂ مسجد میں سربسجود ہے میں نے جانا کہ مناجات کرنے والا یہی تھا۔ جب سجدہ سے سر اٹھایا تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت امام حسینؑ ہے۔ مسلمانو! وہی حسینؑ جس کی آواز کے فرشتے مشتاق اور خدا جس کی آواز پر لبیک کہتا تھا۔ آج روزِ عاشور هل من ناصر ینصرنا کی آواز بلند کرتا ہے۔ اور اس کو جواب دینے والا کوئی نہیں ہے۔ ہاں اس کا بیمار فرزند بستر بیماری سے تڑپ کر اٹھا اور صدائے لبیک بلند کی۔

(مجمع النورین)

تمام اعمال۔ افعال۔ اقوال و آرا کے تین مراتب ہیں اور اسیطرح زیارت سید الشہدا اور بکاء مظلوم ان کے بھی تین مراتب ہیں۔ عزاداری کی ایک قسم یہ ہے کہ ہم اور تم قائم کرتے ہیں۔ اور ایک قسم وہ تھی جو حضرت سجاد کرتے تھے کہ چالیس سال برابر اپنے باپ کے غم میں گریہ کیا۔ دن کو روزہ اور رات کو عبادت میں بسر کرتے تھے اور حضرت رباب بھی عزاداری کر گئیں کہ مولا حسینؑ کے بعد ایک سال تک زندہ رہیں اور اسی درد سے عالم فانی سے کوچ کیا اور حسین کے بعد سایہ پر نہ بیٹھیں۔

(تذکرہ خواص الامۃ)

اور ایک عزاداری کی قسم یہ ہے جو سید المرسلینؐ کر گئے۔ جو سید الشہداؑ پر رونے والوں میں سے گویا اعظم الباکین ہیں۔ وہ مظلوم کی ولادت کے وقت روئے اور آخری وقت بھی فرمایا۔ مَالِیۡ وَیَزِیۡدُ لَا بَارَكَ اللّٰہُ فِی یَزِیۡدَ وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ۔

(اقول) بیشک مولائے مظلوم کی عزاداری جو جناب فاطمہ زہراؑ نے کی ہے اس کی برابری نہیں ہو سکتی بلکہ آج تک محو گریہ ہیں منقول ہے کہ قبر میں بھی چین سے نہیں بلکہ حضرت حسنؑ مجتبیٰ کی زہر آلود قمیص ایک کندھے پر اور حضرت حسینؑ کا خون آلود کرتہ دوسرے کندھے پر رکھ کر کبھی بیٹھ جاتی ہیں اور کبھی کھڑی ہو جاتی ہیں اور بابا کی قبر کی طرف منہ کر کے فریاد کرتی ہیں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بی نے ہر اس مقام پر گریہ کیا ہے جہاں جہاں اس کی اولاد کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ پس کربلا میں روئیں کوفہ کے بازاروں میں روئیں خولی کے تنور پر آ کر ماتم کیا۔ دروازۂ شام کے پاس روتی رہیں حتیٰ کہ ایک دفعہ داروغہ قید نے حضرت سجاد سے عرض کی کہ رات کو مکان کا دروازہ بند کرنے سے پہلے بیبیوں اور بچوں کو سنبھال لیا کرو کیونکہ چند راتوں سے میں سنتا ہوں کہ دروازہ کے پاس ایک بی بی ساری رات روتی ہے آپ نے رو کر جواب دیا کہ اے داروغہ وہ میری دادی جناب فاطمہ ہیں۔

جو ہر وقت اپنی اولاد کی مظلومی پر آنسو بہاتی ہیں۔ (علی ما نقل)

جنابِ بتول معظمہؑ کا حسینؑ کے غم میں رونا اُس وقت سے ہے جب حسینؑ شکم اطہر میں تھے۔ چنانچہ میں نے ایک روایت میں دیکھا ہے کہ بعض اوقات شکم اطہر سے آواز آتی تھی۔ یَا اُمَّاہ اَنَا عُرْیَانٌ۔ اماں جان میں لباس سے محروم ہوں۔ اور بعض اوقات آواز آتی تھی اَنَا عَطْشَانٌ (میں پیاسا ہوں) اور کسی وقت آواز آتی تھی اَنَا مُسْحَقَانٌ (میں کچلا جا چکا ہوں) جب مخدومۂ طاہرہ اپنے ابا جان حضرت رسالت مآبؐ سے یہ حقیقت بیان کرتی تھیں۔ تو آپ بھی روتے تھے اور بی بی بھی رویا کرتی تھیں بوقت ولادت حسینؑ جب جبریلؑ مبارکباد کے ساتھ شہادت کی خبر بھی لائے تو حضورؐ درِ دولتِ عصمت پر مبارکباد کے لیے تشریف لائے۔ پس رو دیئے اور بی بی عالیہ کے دریافت کرنے پر جبریل کی زبانی واقعات کربلا میں سے بعض کا ذکر فرمایا تو بی بی پاک نے سخت گریہ کیا ——— اور ایک واعظ نے بھی ایک دفعہ بیان کیا تھا کہ حضرت امیر المومنینؑ علیہ السلام ایک رات قبرِ بتول پر غالباً شب جمعہ تشریف لائے اور وہیں قبر پر سر رکھ کر سو گئے۔ تو عالمِ خواب میں بی بی کو روتے ہوئے دیکھا جب اس گریہ کا سبب دریافت کیا تو بی بی عالیہ نے جواب دیا کہ میرا حسینؑ پیاسا ہے جا کر اُسے پانی دیجئے چنانچہ آپ فوراً گھر میں تشریف لائے تو دیکھا حسینؑ اپنے بستر پر پانی مانگ رہے ہیں۔ پس آپ نے پانی پلایا اور وہ سو گئے۔

اور جناب بتول معظمہؑ کا حسینؑ پر آخری گریہ بروزِ محشر ہوگا جب حاضر بارگاہ توجہ ہونگی اور حکم ہوگا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ پس عرض کریں گی میں اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہونگی جب تک میرے حسینؑ کے قتل کا فیصلہ نہ ہو۔ پس حکم ہوگا کہ وسط محشر میں نگاہ کیجئے تو دیکھیں گی کہ حسینؑ بغیر سر کے موجود ہیں اور کٹی ہوئی رگوں سے خون جاری ہے۔ پس گریہ کریں گی اور ناقہ جنت سے نیچے عرصہ محشر پر آجائیں گی اور تمام اہل محشر میں آہ و گریہ بلند ہوگا۔ پس بی بی اپنے فرزند کے غم میں رونے والوں کے حق میں شفاعت کرینگی اور وہ انکی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد۔

بارہویں۱۲ مجلس

کونوا مع الصّادقین

علیؑ وہ ہے کہ عالم لاہوت و تجرد میں اور عالم ناسوت و مادیت میں اس کا مقابل کوئی نہیں۔ پس یہی ہیں صادقین کا مصداق واقعی۔ - - - سلمان سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ میں اور علیؑ خلقت آدم سے چار ہزار برس پہلے ایک نور تھے۔ پس جب خدا نے حضرت آدمؑ کو خلق فرمایا تو اس نور کو دو ٹکڑے کر دیا۔ ایک حصہ میں ہوں اور دوسرا حصہ علیؑ ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِد۔ (تذکرہ خواص الامۃ)

سلمانؓ سے منقول ہے جناب رسالت مآبؐ کو فرماتے ہوئے میں نے خود سُنا کہ میںؐ اور علیؑ ایک نور سے پیدا ہوئے۔ عرش کے دائیں جانب ہم حضرت آدمؑ کی خلقت سے چودہ ہزار سال قبل خدا کی تسبیح و تقدیس کرتے رہے جب خدا نے آدمؑ کو پیدا کیا تو ہم نیک مردوں کی پشتوں اور پاک عورتوں کے رحموں میں منتقل ہوتے چلے آئے۔ یہاں تک کہ صلب عبد المطلب میں پہنچے۔ پس اس نور کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک حصہ صلب عبد اللہ کی طرف منتقل ہوا اور دوسرا حصہ صلب ابوطالب کی طرف منتقل ہوا۔ پس ایک نصف سے میں اور دوسرے نصف سے علیؑ ہے اور خدا نے اپنے ناموں سے نام مشتق کئے۔ وہ محمود اور میں محمدؐ ہوں۔ وہ اعلیٰ اور میرا بھائی علیؑ ہے۔ وہ فاطر اور میری شہزادی فاطمہؑ ہے وہ محسن اور میرے دو نوشہزادے حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ میرے حصہ میں رسالت اور نبوت آئی اور اس کے حصہ میں خلافت و امامت آئی۔ میں رسول اللہ ہوں اور علی سیف اللہ ہیں۔ (حموینی در فرائد السمطین)

ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خلقت آدمؑ سے دو ہزار برس قبل میں اللہ کے سامنے ایک نور تھا۔ اس نور نے تسبیح پڑھی تو ملائکہ نے سُن کر تسبیح شروع کی، جب آدمؑ پیدا ہوئے تو وہ نور ان کے صلب میں رکھا گیا پس میں بذریعہ صلب آدمؑ زمین پر آیا پھر صلب نوحؑ پھر صلب ابراہیمؑ اور اسی طرح یکے بعد دیگرے اصلاب کریمہ اور ارحام طاہرہ سے منتقل ہو کر دو حصّوں میں ظاہر ہوا اور ان اصلاب و ارحام سے کبھی بدکاری واقع نہیں ہوئی جن میں یہ نور منتقل ہوتا رہا۔ (محمد بن سعود کازرونی در منتقیٰ)

چالیس تک علمار اہل سنت نے اس حدیث شریف کو نقل کیا ہے کہ روائ حدیث صحابہ رسولؐ ہیں۔ ہاں الفاظ حدیث میں فرق ضرور ہے کسی میں ہے۔ مجھ میں نبوت اور علیؑ میں خلافت ہے۔ کہیں ہے۔ مجھے نبی بنایا اور علیؑ کو وصی بنایا (یا) مجھ میں نبوت ورسالت اور علی میں فروسیت و فصاحت (یا) میرا نام رسالت و نبوت میں اور علیؑ کا نام خلافت و شجاعت میں دیا میں رسول اللہ اور علی سیف اللہ ہے (یا) عَلِیٌّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ لَحْمُہٗ لَحْمِیْ وَدَمُہٗ دَمِیْ فَمَنْ اَحَبَّہٗ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّہٗ وَمَنْ اَبْغَضَہٗ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَہٗ۔ علیؑ مجھ سے اور میں علیؑ سے ہوں اس کا گوشت میرا گوشت اس کا خون میرا خون جس نے اس سے محبت کی وہ میری محبت سے ہے اور جس نے اس سے بغض رکھا تو میرے بغض سے ہوگا (یا) مجھے نبوت کے لئے نامزد کیا اور علیؑ کو شجاعت علم و فصاحت کے لئے مختار کیا (یا) ایک جزء میں اور ایک جزء علیؑ ہے (یا) علیؑ مجھ سے اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے۔

حضرت عثمان بن عفان سے مروی ہے کہ حضرت عمر روایت کرتے ہیں۔ خداوند کریم نے ملائکہ کو حضرت علیؑ کے چہرے کے نور سے خلق فرمایا (مناقب

اخطب خوارزم) نور وجہ فاطمہؑ کے متعلق حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ اسلکُ فِی السَّمَّرَا لِخِیَاطَ فِی اللَّیْلَۃِ الْمُظْلِمَۃِ مِنْ نُوْرِ وَجْہِ فَاطِمَہ۔ شب تار میں جناب فاطمہؑ کے نور کی وجہ سے سوئی میں تاگا ڈال لیا کرتی تھی۔ (ہدایۃ السعداء مصنفہ ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی سورہ تغابن فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ اس نور سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ (محمد بن جریر طبری)

خلقت ظاہری۔ جابر بن عبداللہ کہتا ہے میں نے جناب رسالتمآبؐ سے حضرت علیؑ کی ولادت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا تو نے بہترین مولود کے متعلق پوچھا ہے۔ جو مسیح کے مشابہ پیدا ہوا ہے۔ خدا نے علیؑ کو میرے نور سے اور میرا نور اپنے نور سے خلق فرمایا۔ ہم دونو ایک نور تھے۔ اور خدا نے ہمیں صلب آدمؑ میں منتقل کیا پھر اصلاب طاہرہ اور ارحام پاکیزہ میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ میں بہترین رحم آمنہ میں اور علیؑ بہترین رحم فاطمہ بنت اسد میں منتقل ہوئے۔ ہمارے زمانہ میں ایک عابد مسرم نامی تھا جس نے اللہ کی عبادت ۲۷۰ برس کی تھی اور کبھی اللہ سے اپنی حاجت کا سوال نہ کیا تھا۔ پس خدا نے ابوطالب کو اس کی جانب روانہ کیا جب اس نے دیکھا تو تعظیم کے لئے اٹھا اور سر کا بوسہ دیا اور سامنے بٹھایا۔ پھر دریافت کیا کہ آپ کون ہیں آپ نے فرمایا میں تہامہ کا رہنے والا ہوں۔ اس نے پوچھا تہامہ سے کیا مراد۔ فرمایا بنی ہاشم۔ پس اٹھا اور دوبارہ سر کا بوسہ دیا۔ پھر کہنے لگا۔ اے عبد خدا مجھے خدا نے الہام کیا ہے ابوطالب نے پوچھا وہ کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ خدا تجھے فرزند عطا کرے گا۔ جو ولی اللہ ہوگا۔ جس رات آپ پیدا ہوئے زمین نورانی ہوگئی۔ ابوطالب باہر نکل کر آواز کرنے لگے۔ لوگو! کعبہ میں ولی اللہ کی پیدائش ہوگئی۔ صبح کو کعبہ میں داخل ہوئے۔

اور یہ شعر پڑھے۔

یَا رَبَّ ھٰذَا الْغَسَقِ الدَّجِیِّ وَالْقَمَرِ الْمُبْلَجِ الْمُضِی
بَیِّنْ لَنَا مِنْ اَمْرِکَ الْخَفِیِّ مَاذَا تَرٰی فِیْ اِسْمِ ذَا الصَّبِیِّ
اے شب تار اور روشن چاند کا پروردگار
اپنے امر خفی سے بتا کہ اس بچہ کا نام کیا ہو
یَا اَھْلَ بَیْتِ الْمُصْطَفٰی النَّبِیِّ خُصِّصْتُمْ بِالْوَلَدِ الذَّکِی
اِنَّ اسْمَہٗ مِنْ شَامِخٍ عَلِیٍّ عَلِیٌّ اشْتُقَّ مِنَ الْعَلِی
اے مصطفٰی کے گھر والو تمہیں اس پاکیزہ بچے سے خصوصیت دی گئی ہے
پروردگار بلند و بالا کی جانب سے اس کا نام علیؑ ہے جو نام خدا علی سے مشتق ہے

(محمد بن یوسف در کفایۃ الطالب)

حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے حضرت علیؑ کی ولادت کو کئی وجوہ سے مشابہت حاصل ہے۔

(۱) ولادت کا مخفی ہونا۔ کیونکہ احادیث متواترہ میں ہے کہ حضرت علیؑ جناب فاطمہ بنت اسد کے شکم مبارک سے اندرون کعبہ پیدا ہوئے۔

(مستدرک حاکم)

۱۳ رجب بروز جمعہ ۳۰ عام الفیل ہجرت سے ۲۳ یا ۲۵ سال قبل بعثت سے ۱۰ یا ۱۲ سال پہلے مکہ میں بیت اللہ کے اندر آپ کی ولادت ہوئی اور اس سے قبل کسی کا تولد بھی بیت اللہ میں نہ ہوا اور یہ آپ کی وہ فضیلت ہے کہ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور یہ پہلا ہاشمی ہے۔ جس کے ماں اور باپ دونو ہاشمی تھے۔ (فصول مہمہ ابن صباغ مالکی)

بروایت سعید بن جبیر یزید بن قعنب کہتا ہے کہ میں حضرت عباسؓ کے ساتھ

بیت اللہ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا کہ جناب فاطمہ بنت اسد والدہ ماجدہ علیؑ تشریف لائیں ان کو درد زہ پیدا ہوا تو کہنے لگیں اے پروردگار! میں تیرے اوپر ایمان رکھتی ہوں اور تیرے رسولوں اور کتابوں پر ایمان رکھتی ہوں اور اپنے جد حضرت خلیلؑ کی تصدیق کرنے والی ہوں اور یہ جانتی ہوں کہ یہ بیت اس کا بنایا ہے۔ پس تجھے اس کا واسطہ جس نے یہ گھر بنایا اور اس بچہ کا واسطہ جو میرے شکم میں ہے کہ اس بچہ کی ولادت کو میرے اوپر آسان فرما پس ہم نے دیکھا کہ پشت کی طرف دیوار بیت اللہ شق ہوئی اور بی بی اندر داخل ہو گئیں اور ہماری آنکھوں سے غائب ہو گئیں پھر دیوار مل گئی۔ ہم نے دروازہ کا قفل کھولنے کا ارادہ کیا لیکن نہ کھل سکا تو ہم جان گئے کہ یہ خدائی راز ہے پھر چوتھے روز بی بی بیت اللہ سے باہر تشریف لائیں جبکہ امیرالمومنین اس کے ہاتھوں پر تھا اور کہتی تھی کہ میں گذشتہ تمام عورتوں سے اس امر میں فضیلت رکھتی ہوں کیونکہ آسیہ بنت مزاحم نے خفیہ طور پر ایک ایسی جگہ خدا کی عبادت کی جہاں سوائے اضطرار کے عبادت نہیں ہو سکتی اور مریم بنت عمران نے خشک کھجور کو حرکت دی اور تازہ پھل کھائے اور میں اللہ کے گھر میں داخل ہو کر جنت کے میوہ جات کھاتی رہی ہوں اور جب میں نے باہر آنے کا ارادہ کیا تو ہاتف سے ندا پہنچی اے فاطمہؑ اس بچے کا نام علی رکھو۔ اور اللہ علی اعلیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے اور میرا تعلیم یافتہ ہے۔ اس کو میں نے اپنے گھر کے علوم پر مطلع کیا ہے یہ میرے گھر سے بتوں کو توڑ پھینکے گا اور یہی میرے گھر کے اوپر اعلانیہ اذان کہے گا اور میری تقدیس و تمجید کرے گا۔ پس طوبیٰ ہے اس کے لئے جو اس کی اطاعت کرے، اور اس سے دوستی رکھے اور ویل اس کے لئے جو اس سے بغض رکھے اور نافرمانی کرے۔ (بحار)

(۲) ممکن ہے اس امر میں مشابہت مقصود ہو کہ جس طرح حضرت عیسیٰؑ کی ولادت

پرداپہ گری کا کام حورانِ جنت نے کیا تھا اسی طرح یہاں بھی وہ خادمہ تھیں۔

(۳) ممکن ہے بچپنے میں کلام کرنے کی مشابہت مراد لی گئی ہو کیونکہ حضرت ابوطالب کی نظر پڑی تو آپ ہنس پڑے اور حضرت علیؑ نے کہا۔ السلام علیک یا اَبَتَاہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ پھر حضرت رسالت مآبؐ تشریف لائے تو حضرت علیؑ نے خوشی میں جسم مبارک کو حرکت دی اور ہنس دیئے اور عرض کی۔ السلام علیک یا رسول اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ پھر باذن خدا تنحنح کیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورۂ مومنوں کی تلاوت شروع کی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ واقعی مومنوں نے تیری وجہ سے فلاح پائی۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْوَارِثُوْنَ الخ تو حضورؐ نے فرمایا واللہ آپ ان کے امیر ہیں۔ تَمِیْرُھُمْ مِنْ عُلُوْمِکَ کہ آپ اپنے علوم سے ان کو سکھائیں گے اور وہ سیکھیں گے اور تو ہی ان کا ولی ہے اور تیری وجہ سے وہ ہدایت پر ہوں گے۔ (دمعہ ساکبہ)

بوقت ولادت جناب امیرؑ جناب رسالت مآبؐ کی عمر شریف ۳۰ برس کی تھی پس آپ نے ہی ان کی پرورش فرمائی اور محبت سے پیش آئے۔ آپ خود ہی ان کو غسل دیتے اور دودھ پلاتے تھے اور جھولا جھلاتے تھے۔ نیز جاگتے میں بچوں کی طرح ان سے باتیں کرتے تھے اور سینے پر سلاتے تھے اور فرماتے تھے یہ میرا بھائی ہے۔ میرا ولی۔ میرا ناصر میرا مخلص۔ میرا ذخیرہ۔ میری پناہ۔ میرا داماد اور میرا وصی و امین ہے۔ اور نیز خلیفہ ہے اور ہمیشہ ان کی محافظت فرماتے تھے اور اپنے ہمراہ مکہ کے پہاڑوں اور وادیوں میں پھراتے تھے۔ (کشف الحق نقلاً عن بشائر المصطفیٰ)

تیرہویں مجلس ۱۹۳۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ

ہم نے گذشتہ سال کی مجالس میں بیان کیا تھا کہ صادقین کے ساتھ ہونے کا کیا مطلب ہے اب ہم بتائیں گے کہ صادقین کون ہیں اور ان کے ساتھ ہونے کا امر کیوں ہے؟ حق کی ترجمانی کا نام صدق ہے اور صدق کے مصداق کا نام حق ہے۔

شہر بن حوشب سے مروی ہے کہ میں ام المومنین جناب ام سلمہ کے پاس موجود تھا جب کہ ایک شخص نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ تو ام سلمہ نے پوچھا تو کون ہے؟ جواب دیا میں غلام علی ابو ثابت ہوں۔ ام سلمہ نے آنے کی اجازت دی پھر پوچھا اے ابو ثابت جب لوگوں کے حواس باختہ ہو گئے تھے اور دل ٹھکانے نہ رہے تو تیرا دل کہاں تھا اس نے جواب دیا علیؑ کے پیچھے تھا تو ام سلمہ نے کہا کہ توفیق تیرے شامل حال رہی۔ میں نے بخدا جناب رسالت مآبؐ سے سنا ہے فرماتے تھے۔ عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْقُرْاٰنِ۔ وَالْحَقُّ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ وَلَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَلْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ حَیْثُ دَارَ۔ علیؑ حق اور قرآن کے ساتھ ہے۔ اور حق و قرآن علیؑ کے ساتھ ہیں۔ یہ آپس میں جدا نہ ہوں گے۔ حتیٰ کہ حوض کوثر پر وارد ہوں گے اور دوسری روایت میں ہے کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ علی کا رُخ جس طرف ہو۔ (حموینی۔ موفق بن احمد مطالب السئول ترمذی وغیرہ)

جنگ جمل کے روز محمد بن ابی بکر نے اپنی بہن عائشہ کو سلام کہا تو اس نے جواب نہ دیا محمد نے کہا میں کلمہ توحید کے بعد تجھ سے سچ پوچھتا ہوں۔ کیا تجھ سے میں نے

یہ نہیں سنا تھا کہ علیؑ کی اطاعت کو لازم رکھنا کیونکہ میں نے رسولؐ اللہ سے سنا ہے۔ اَلْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ لَا یَفْتَرِقَانِ حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ قَالَتْ بَلٰی قَدْ سَمِعْتُ ذٰلِکَ مِنْهُ۔ حق علیؑ کے ساتھ اور علیؑ حق کے ساتھ ہے آپس سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ کوثر پر پہنچیں گے تو عائشہ نے جواب دیا بیشک میں نے یہ بات حضورؐ سے سنی تھی۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

قرآن مجید میں حق کا اطلاق بہت سے مقامات پر ہوا ہے۔ بروایت ابوہریرہ جابر بن عبداللہ کہتا ہے۔ ہم جناب رسالتمآبؐ کے ہمراہ بیت اللہ میں داخل ہوئے وہاں ۳۶۰ بت تھے جو حضورؐ کے حکم سے منہ کے بل گرا دیئے گئے اور بیت اللہ پر ایک بڑا بت تھا جسے ہبل کہتے تھے۔ حضورؐ نے علیؑ کو دیکھ کر فرمایا۔ یا علیؑ تو میرے اوپر سوار ہو گا یا میں تجھ پر سوار ہوں تاکہ کعبہ کی پشت سے اس بت کو گرایا جائے۔ حضرت علیؑ نے عرض کی حضورؐ آپؐ مجھ پر سوار ہوں جب حضرت علیؑ بیٹھے اور جناب رسالت مآبؐ سوار ہوئے تو علیؑ میں رسالت کے بوجھ کی قوت برداشت نہ تھی اور عرض کی کہ آپ جھکیں اور میں سوار ہوتا ہوں تو حضور ہنس پڑے اور کندھا جھکا دیا۔ پس علیؑ سوار ہوئے اور فرمایا۔ دانہ چیرنے اور روح پیدا کرنے والے کی قسم اگر چاہوں تو آسمان کو پکڑ سکتا ہوں۔ پس ہبل کو پشتِ کعبہ سے نیچے گرایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا (مطالب السؤل)

مدینہ کا حاکم محمد بن حرب ہلالی کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی۔ یابن رسول اللہ میں ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا اگر تو چاہے تو تیرے پوچھنے سے قبل میں تجھے اپنا مسئلہ بتا دوں اور نہیں تو تو خود پوچھ لے۔ میں نے عرض کی۔ فرزند رسول۔ آپ دل کی باتیں کیسے جان لیتے ہیں؟ فرمایا توسم اور تفرس سے۔ کہ خدا فرماتا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ

لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ۔ کہ توسم کرنے والوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں اور جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے پس میں نے عرض کی حضورؐ مجھے اپنا مسئلہ بتائیے۔ آپ نے فرمایا کہ تو یہی پوچھنا چاہتا ہے کہ پشت کعبہ سے بت شکنی کے لئے علیؑ جناب رسول خداؐ کو کیوں نہ اٹھا سکے تھے؟ باوجود اس قدر قوت و طاقت کے کہ خیبر کے باب قموص کو اکھاڑ پھینکا جو چالیس گز دور جا پڑا اور پھر چالیس آدمی نہ اٹھا سکے۔ حالانکہ جب رسولؐ خدا گھوڑے خچر گدھے اور براق پر شب معراج سوار ہوئے اور یہ سب علیؑ سے طاقت و قوت میں کمزور تھے؟ میں نے عرض کی فرزند رسول! بخدا پوچھنا تو یہی چاہتا تھا۔ پس آپ اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔ پس آپ نے فرمایا۔ علیؑ نے جو شرف اور بلندی حاصل کی وہ بوجہ رسول تھی اور رسولؐ کے واسطہ سے ہی علیؑ آتش شرک کے بجھانے اور ہر باطل خدا کے مٹانے پر کامیاب ہوئے۔ اگر رسولؐ علیؑ پر سوار ہو کر یہ کام انجام دیتے تو گویا رسولؐ علیؑ کے وسیلہ و واسطہ سے بلند ہو جاتے اور رسولؐ فرع ہو جاتے پس علیؑ کو رسولؐ سے افضل ماننا پڑتا۔

دیکھئے، علیؑ رسولؐ کے دوش پر سوار ہو کر فخر یہ کہہ رہے تھے کہ مجھے شرافت مل گئی اور میں بلند ہو گیا اور چاہوں تو آسمان کو ہاتھ لگاؤں۔ تم دیکھتے نہیں کہ چراغ سے اندھیرے میں راہ معلوم کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس کی فرع ایک اصل کی وجہ سے ہوتی ہے تم جانتے نہیں کہ محمدؐ و علیؑ خدا کے سامنے باقی مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار برس قبل تھے اور جب ملائکہ نے دیکھا کہ اس نور کی ایک اصل ہے جس سے کئی شعاعیں پھوٹتی ہیں تو کہنے لگے اے معبود و مولا یہ نور کیا ہے؟ تو خدا نے ان کو وحی کی یہ نور میرے نور سے ہے جس کی اصل نبوت ہے اور فرع امامت ہے نبوت میرے عبد محمدؐ کے لئے جو میرا عبد و رسول ہے اور امامت میرے عبد علیؑ کے

لئے جو میری حجت اور ولی ہے۔ اگر یہ دونو نہ ہوتے تو میں مخلوق کو پیدا نہ کرتا۔

کیا تم دیکھتے نہیں کہ بروز غدیر خم حضرت رسول خدا نے علی کو اتنا بلند کیا کہ دونو کی بغل کی سفیدیاں ظاہر ہو گئیں پس علیؑ کو تمام مسلمانوں کا ولی و امام قرار دیا۔ نیز آپ نے حدیقہ بنی النجار سے امام حسنؑ و امام حسینؑ کو اٹھایا تھا اور فرمایا تھا کہ دو اٹھانے والے بھی خوب ہیں اور دو راکب بھی خوب ہیں اور ان دونو کا باپ ان سے افضل ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے امام حسنؑ کو اور حضرت جبرئیلؑ نے امام حسین کو اٹھایا تھا۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ دو اٹھانے والے خوب ہیں۔

ایک دن حضورؐ مسجد پاک میں صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک سجدہ کو طول دیا جب دریافت کیا گیا کہ حضورؐ نے سجدہ طولانی کیوں کیا ہے تو فرمایا کہ میرا بیٹا میری پشت پر سوار ہو گیا تھا پس میں نے ناپسند کیا۔ سر اٹھانا جب تک کہ خود نہ اتر جائے یہ سب کچھ ان کی رفعت شان اور شرافت کی خاطر تھا۔ (کہ حضورؐ کی وجہ سے ہی یہ سب کچھ ہوا) پس نبی رسولؐ بھی نبی بھی اور امام بھی ہے اور علیؑ امام ہے نہ رسول ہے نہ نبی لہذا وہ ثقل رسالت کو برداشت نہ کر سکے۔

محمد بن حرب ہلالی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی حضورؐ کچھ اور بھی وضاحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا بے شک تو مزید سننے کے اہل ہے اور فرمایا کہ حضورؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے دوش اطہر پر سوار کیا تھا اور یہ اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ حضرت علیؑ ان کی ذرّیت کے باپ اور ان کی صلب میں سے ہونے والے آئمہ کے امام ہیں۔ جس طرح نماز استغاثہ کے بعد آپ نے اپنی ردا مبارک کو الٹا کر دیا تاکہ صحابہ اور قوم یہ تصور کر لیں کہ قحط سالی کو خوشحالی سے تبدیل کر دیا گیا۔

میں نے عرض کی کچھ اور بھی فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا۔

ایک وجہ یہ ہے کہ قوم کو بتلانا چاہتے تھے کہ یہ وہ شخص ہے جو میری گردن کے بوجھ کو ہلکا کرے گا۔ مثلاً دشمنوں کی دشمنی اور تکلیفوں کا بوجھ وغیرہ۔

میں نے عرض کی کچھ اور بھی ارشاد ہو۔ تو فرمایا۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ علیؑ کو دوشِ مبارک پر اُٹھانے سے معلوم ہو جائے کہ علیؑ معصوم ہے تاکہ ان کے افعال لوگوں کے نزدیک درست قرار فرمائیں۔ پھر آپ نے اس کو ذرا اور وضاحت سے بیان کیا۔ محمد بن حرب کہتا ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا اے امیر اگر علیؑ کے دوشِ نبی پر سوار ہونے کے جملہ وجوہ میں تیرے سامنے بیان کروں تو تم کہو گے کہ یہ دیوانہ ہے پس اسی کو کافی سمجھو۔ پس میں اٹھ کھڑا ہوا اور سر مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کی۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ
غایۃ المرام مصنفہ سید ہاشم بحرینی نقلاً عن ابن بابویہ

حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ علیؑ نے فرمایا میں وہ حق ہوں جس کا خدا نے حکم دیا ہے فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ (مرأۃ الانوار)

حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ آیۂ نجویٰ کے اترنے کے بعد میں نے دس مرتبہ جناب رسالت مآبؐ سے صیغہ راز میں گفتگو کی ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ میں نے دریافت کیا مَا الْحَقُّ۔ حق کیا ہے ؟ آپؐ نے فرمایا۔ اسلام، قرآن اور ولایت جب تجھ تک پہنچ جائے۔ (کتاب حافظ ابو نعیم۔ تفسیر مدارک)

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ۔ کلمات سے مراد آئمہ ہیں۔ چنانچہ دُرِّ منثور میں فتلقیٰ آدمؑ کی تفسیر میں مرقوم ہے۔ حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے مدینہ سے روانگی کے وقت ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وصیت ہے حسینؑ بن علیؑ کی طرف سے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے لئے حسینؑ شہادت دیتا ہے کہ خدا کے

سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ اُس کا عبد و رسول ہے جو حق لے کر حق کی طرف سے آیا۔ جنت و نار حق ہے۔ قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اور خدا اٹھائے گا تمام کو جو دفن کئے جا چکے ہیں میں کسی اوچھے بُرے یا فساد و ظلم کے نظریہ کے ماتحت نہیں جا رہا بلکہ اپنے نانا کی امت میں اصلاح کے خیال سے ترک وطن کر رہا ہوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چاہتا ہوں اور یہ کہ اپنے باپ اور نانا کی سیرت پر عمل پیرا ہوں جو قبولِ حق کرے گا تو اللہ حق کا زیادہ سزاوار ہے اور جو رد کریگا تو میں صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ خدا میرے اور قوم کے درمیان حق کا فیصلہ کرے گا اور وہ بہتر حکم کرنے والا ہے اے بھائی یہ میری وصیت ہے اور میری توفیق اللہ سے ہے اور اسی پر توکل ہے اور اسی کی طرف بازگشت ہے۔

حضورؑ نے کوفہ والوں کو ایک خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حسینؑ بن علیؑ کا خط جملہ مومنین و مسلمین کی طرف۔ اما بعد۔ ہانی اور سعید تمہارے خطوط لے کر پہنچے اور یہ تمہارے آخری خطوط ہیں۔ میں نے تمہارے تمام خطوط کا مطلب سمجھا اور اکثر کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا امام کوئی نہیں ہے۔ آپ جلد تشریف لائیں۔ تاکہ شاید ہم حق پر جمع ہو جائیں اور میں تمہاری جانب اپنے موثق بھائی اپنے اہل بیتؑ میں سے مسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں۔ اگر اس نے مجھے لکھا کہ تمہارے ارباب بست و کشاد اور صاحبان عقل و دانش کی رائے تمہارے خطوط و پیغامات کے مضمون سے متفق ہے تو میں فوراً

پہنچ جاؤں گا۔ امام وہی ہو سکتا ہے جو کتاب اللہ سے حکم کرنے والا ہو اور انصاف پر قائم دین حق پر عامل اور اپنے نفس کو ان چیزوں کا پابند کرنے والا ہو۔ والسلام

جب آپ مکہ سے روانہ ہوئے تو راستہ میں عبداللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا اے فرزند رسول! میں قربان جاؤں کہاں کا ارادہ ہے؟ ہاں اہل کوفہ سے بچنا وہ غدار ہیں جیسا کہ آپ کے والد اور بھائی سے ان کا برتاؤ ظاہر ہے۔ پس آپ حرم میں رہیں آپ عرب کے سردار ہیں اور کوئی بھی آپ کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ ہر جانب سے لوگ آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔ بخدا اگر بنی امیہ نے آپ کو قتل کر دیا تو پھر وہ کسی سے نہ ڈریں گے اور وہ شریف مردوں کو اپنا غلام بنالیں گے آپ نے یہ سب کچھ سن کر فرمایا۔ کیا موت سے ڈر کر ایسا کروں۔ خدا کی قسم اَلْمَوْتُ عَلَى الْحَقِّ اَوْلٰى مِنَ الْحَيٰوةِ عَلَى الْبَاطِلِ۔ حق کی موت باطل کی زندگی سے بہتر ہے وَاللّٰهِ لَجِهَادُ يَزِيْدَ عَلَى الدِّيْنِ اَحَقُّ مِنْ جِهَادِ الْمُشْرِكِيْنَ۔ خدا کی قسم دین کی حفاظت کے لئے یزید سے جہاد کرنا مشرکین کے جہاد سے زیادہ ضروری ہے

جب لشکر حر سے ملاقات ہوئی تو بوقتِ عصر حضرت نے کوچ کا حکم دیا۔ چنانچہ بمطابق فرمان امام تیاری کی گئی۔ پھر نماز عصر کی اذان و اقامت ہوئی۔ امام نے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔ سلام کے بعد حمد و ثنائے پروردگار کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ لوگو! اگر تم اللہ سے خوف کرو اور حق اور اہل حق کو پہنچا نو تو اللہ تم سے راضی ہوگا۔ ہم اہل بیت محمدؐ ان ظلم و عدوان کرنے والے ناحق مدعیان حکومت سے ولایت کے زیادہ سزاوار ہیں اور اگر تم ہمارے حق کا انکار کرو اور ہمیں ناپسند کرو اور تمہاری رائے اپنے خطوط و پیغامات کے خلاف قائم ہو چکی ہو تو میں واپس جاتا ہوں۔

حر اپنے لشکر سمیت امام کے ہمراہ سفر کر رہا تھا کہ حر نے عرض کی اے فرزند رسول! میں تجھے اپنی ذات کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر آپ لڑیں گے تو مارے جائینگے آپ نے فرمایا۔ کیا تو مجھے موت سے ڈراتا ہے؟ کیا مجھے قتل کر کے تم مصیبت سے بچ جاؤ گے؟ میں تو وہی بات کہتا ہوں جو ایک اوسی نے اپنے چچازاد کو کہی تھی۔ جب کہ نصرتِ رسول ص کے لئے وہ تیار تھا اور اس کو اپنے چچازاد نے کہا تھا کہ کیوں جاتے ہو وہاں مارے جاؤ گے تو اس نے اس کے جواب میں کہا تھا۔

سَامْضِیْ وَمَا بِالْمَوْتِ عَارٌ عَلَی الْفَتٰی	میں جاؤنگا اور موت جوانمرد کے لئے عار نہیں۔ جب کہ نیت حق ہو، اور
اِذَا مَا نَوٰی حَقًّا وَجَاهَدَ مُسْلِمًا	مسلمان ہو کر جہاد کرے اور نیک لوگوں کی جان سے ہمدردی کرے
وَ وَاسَی الرِّجَالَ الصَّالِحِیْنَ بِنَفْسِهٖ وَفَارَقَ مَثْبُوْرًا وَبَاعَدَ مُجْرِمًا	اور غلط کار اور مجرم لوگوں سے کنارہ کش ہو، اگر زندہ رہوں گا تو پشیمان نہ ہوں گا اور اگر مرجاؤں گا
فَاِنْ عِشْتُ لَمْ اَنْدَمْ وَاِنْ مِتُّ لَمْ اُلَمْ	تو ملامت نہ کیا جاؤں گا۔ انسان کی پست ہمتی کے لئے یہ کافی ہے۔
کَفٰی بِكَ ذُلًّا اَنْ تَعِیْشَ وَ تُرْغَمَا	کہ ذلیل زندگی بسر کرے۔

راستہ میں امام عالی مقام نے خواب سے بیدار ہو کر اپنے اہل بیتؑ کو اپنا خواب بیان کیا جس میں موت کی بشارت تھی تو آپ کے جوان شہزادے حضرت علی اکبرؑ نے دریافت کیا۔ یَا اَبَتَ لَا اَرَاكَ اللّٰهُ سُوْءً اَلَسْنَا عَلَی الْحَقِّ۔ بابا جان خدا آپ کو کوئی غم نہ دکھائے کیا ہم حق پر نہیں؟ تو فرمایا۔ بَلٰی وَالَّذِیْ اِلَیْهِ مَرْجِعُ الْعِبَادِ۔ ہاں ضرور ہم حق پر ہیں۔ قسم اس ذات کی جس کی طرف بندوں کی بازگشت ہے تو شہزادے

نے سن کر عرض کی فَاِنَّنَا اِذًا لَا نُبَالِیْ اَنْ نَمُوْتَ مُحِقِّیْنَ کہ ہمیں موت کی پھر کوئی پرواہ نہیں جبکہ ہم حق پر ہوں۔

جب حر کے لشکر نے راستہ روک لیا تو آپ نے ایک خطبہ میں حمد و ثنائے پروردگار کے بعد اپنے جدّ پاک پر درود بھیجا اور فرمایا وہ بات جو تمہارے سامنے ہے اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ دنیا میں تغیر آچکا ہے اور وہ بدل گئی ہے اس سے نیکی منہ موڑ چکی ہے اور اس میں اس قدر باقی ہے جس طرح پانی پلٹنے کے بعد برتن میں کچھ رہ جاتا ہے اور ذلیل زندگی مثل بدہضم گھاس کے ہوتی ہے تم دیکھتے ہو کہ حق پر عمل نہیں کیا جاتا اور باطل سے کوئی رکتا نہیں تاکہ مومن حق کی طرف ہو کر اپنے رب سے ملاقات کرے۔ میں موت کو سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندگی بسر کرنا بُرا جانتا ہوں۔ پس زہیر بن قین نے کھڑے ہو کر عرض کی اے فرزند رسول! ہم نے آپ کا فرمان سُن لیا۔ اگر دنیا غیر فانی ہوتی اور ہمیں موت سے چھٹکارا بھی ملتا۔ ہم تب بھی دنیاوی زندگی سے آپ کی معیت میں مرمٹنے کو ترجیح دیتے۔ پھر نافع بن ہلال بجلی نے اٹھ کر عرض کی اے فرزند رسول خدا کی قسم ہم پروردگار کی ملاقات کو ناپسند نہیں کرتے اور ہم اپنی نیتوں اور بصیرتوں پر ثابت ہیں ہم تیرے دوست کے دوست اور تیرے دشمن کے دشمن ہیں پھر بریر بن خضیر ہمدانی اٹھا اور عرض کی بخدا اے فرزند رسول! تیری بدولت ہم پر اللہ کا احسان ہے کہ تیرے سامنے لڑیں اور ہمارے اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہوں پھر بروز محشر تیرا نانا ہمارا شفیع ہو۔ پس آپ نے فرمایا۔ خدا تمہیں جزائے خیر دے۔

ہاں آپ نے حق کی طرف بلایا اور پوری طرح اتمام حجت کی طلب نصرت کیلئے استغاثہ فرمایا۔ آؤ ہم بھی آپ کی آواز پر صدائے لبیک بلند کریں اور اپنی جان کا فدیہ

دیں اور آپ پر روئیں۔ ان کے غم میں حضرت رسالت مآبؐ رو چکے ہیں اور ان کے لیے طلب نصرت کر چکے ہیں۔ چنانچہ فرمایا تھا۔ میرا یہ فرزند بے ناصر قتل کیا جائے گا اسے اللہ اس کو اپنے مقتول ہونے میں برکت دے اور اس کو شہیدوں کی سرداری عطا فرما اور اس کی مدد سے منہ موڑنے والوں اور قاتلوں سے برکت سلب کر۔ راوی کہتا ہے کہ مسجد میں گریہ و بکا کا شور بلند ہوا تو آپ نے فرمایا۔ ہیہات تم لوگ روتے تو ہو لیکن مدد نہ کرو گے۔

اے اللہ تو ہی اس کا ولی و ناصر بن۔

جب آپ حسینؑ کے جسم کے مختلف اعضاء کو بوسہ دیتے تھے تو روتے تھے جب پوچھا جاتا تھا تو فرماتے تھے اُقَبِّلُ مَوْضِعَ السُّيُوفِ مِنْكَ وَاَبْكِي۔ بیٹا میں تیرے جسم سے تلواروں کی جگہوں کو بوسہ دیتا ہوں اور روتا ہوں۔

ابن عباس سے منقول ہے کہ صفین کی طرف جاتے ہوئے میں حضرت علیؑ کے ہمرکاب تھا۔ جب آپ کا گذر نینوی پر جو کہ شط فرات ہے ہوا تو اترے۔ اور باآواز بلند کہا۔ اے ابن عباس تو اس جگہ کو پہچانتا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا اگر تو اس جگہ کو اس طرح پہچانتا جس طرح میں پہچانتا ہوں تو میری طرح بغیر گریہ کئے آگے نہ جاتا پھر بہت دیر تک روتے رہے یہاں تک کہ ریش اقدس آنسوؤں سے تر ہو گئی اور سینہ مبارک پر آنسو ٹپکنے لگے اور ہم بھی روئے آپ بار بار فرماتے تھے ہائے ہائے میرا آل سفیان سے کیا واسطہ میرے ساتھ آل حرب کے کیا ہو گیا ہے؟ جو شیطان کی جماعت اور کفر کے ہمنوا ہیں ہاں (اے فرزند) اے ابوعبداللہ صبر کرنا۔ تیرے باپ پر بھی مصائب گذرے جو تجھ پر آ رہے ہیں۔ پھر وضو کیا اور بہت دیر تک نماز میں رہے پھر پہلے جیسی تقریر فرمائی۔ مگر نماز کے اختتام اور اس تقریر کے بعد تھوڑا سا سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو فرمایا۔ ابن عباس کہاں ہے؟ میں نے عرض کی قبلہ!

میں حاضر ہوں۔ فرمایا۔ میں تجھے بتاؤں کہ میں نے ابھی خواب میں کیا دیکھا ہے؟ تو میں نے عرض کی۔ آپ نے عالم خواب میں کوئی خیر دیکھی ہے؟ فرمایا۔ ابن عباس! میں نے دیکھا ہے کہ جانب آسمان سے سفید جھنڈوں کے ساتھ کئی لوگ اترتے ہیں۔ جنہوں نے گلے میں چمکدار تلواریں لٹکائی ہیں اور اس زمین کے اردگرد انہوں نے ایک خط کھینچا ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ ان کھجوروں کی شاخیں زمین پر آ گئی ہیں اور سرخ خون میں تیرتی ہیں۔ پھر میں نے اپنے فرزند لخت جگر حسینؑ کو دیکھا کہ اس میں غرق ہیں اور آواز استغاثہ بلند کرتے ہیں لیکن کوئی فریادرسی کرنے والا نہیں اور گویا نورانی چہروں والے کئی جوان جانب آسمان سے اترے ہیں اور کہتے ہیں۔ اے آل رسولؐ صبر کرو کہ تم بدترین لوگوں کے ہاتھوں قتل کئے جاؤ گے۔ اور اے حسینؑ جنت تیری مشتاق ہے اور وہ مجھے پرسا دیتے ہیں اور کہتے ہیں اے ابوالحسن خدا تیری اس دن آنکھ ٹھنڈی کرے گا جس روز پروردگار کے سامنے پیشی ہو گی اور بعینہٖ اسی طرح بخدا مجھے رسول صادقؐ نے خبر دی تھی کہ میں باغیوں سے لڑنے کے لئے اسی زمین یعنی کرب و بلا سے گذروں گا جس میں حسینؑ میری اور فاطمہؑ کی ذریت کے سترہ جوانوں کے ساتھ قتل ہو گا اور یہ زمین آسمان میں معروف ہے جس طرح حرمین کی زمین اور بیت المقدس کی زمین۔ پھر آپ بہت دیر تک روتے رہے اور ہم بھی روتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ منہ کے بل غش کھا کر گر گئے۔

بے شک اس مظلوم کو اس کی مادر طاہرہ ہر روز گریہ کرتی ہے۔

اور حضرت سجادؑ اپنے بابا کے ماتم میں چالیس سال تک گریہ کرتے رہے حالانکہ دن کو روزہ اور رات کو عبادت میں گزارتے تھے۔ بے شک رہنے والوں میں سے جناب زینب بھی بہت روئیں۔ بعد از قتل و اسیری اہل بیتؑ جب

لاشہائے شہداء پہ پہنچی تو بھائی کی لاش کی طرف غمزدہ حالت غبار آلود چہرہ بھوکی پیاسی محزون ومکروب روتی ہوئی آئیں اور بوسہ دینے کا ارادہ کیا اور ایک بین کیا۔

خاک عالم بسرم کازدم شمشیر وسنان   جائے یک بوسہ من درہمہ اعضائے تونیست

وَامُحَمَّدَاہ صَلّٰی عَلَیْکَ مَلِیْکُ السَّمَاءِ وَھٰذَا حُسَیْنٌ مُرَمَّلٌ بِالدِّمَاءِ مُقَطَّعُ الْاَعْضَاءِ فَاَبْکَتْ وَاللّٰہِ کُلَّ عَدُوٍّ وَصَدِیْقٍ۔ ہائے نانا۔ تجھ پر خدا کا درود وسلام ہو یہ دیکھ کر حسینؑ خاک وخون میں غلطاں ہے جس کے اعضاء قطع کیے گئے راوی کہتا ہے۔ خدا کی قسم اس مخدومہ کے اس بین سے دوست ودشمن رو پڑے اہل حرم میں اگر کسی کو ہوش آتا۔ تو جناب زینبؑ کی صدائے گریہ اس کے کانوں میں گونجتی تھی پس روتے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اَقُوْلُ لاشہ ہائے شہدا سے اسیران اہلبیتؑ کا وداع بہت پُر درد تھا ہائے جس بہن نے بھائی کو نانا کی پشت سینہ اور دوش پر سوار دیکھا کبھی بتولؑ معظمہ کی گود کی زینت اور کسی وقت پر جبریل پر مقام رکھتا ہو آج اسی بھائی کو خدا جانے کس طرح دیکھ کر برداشت کیا ہوگا کہ ریگزار کربلا میں بے گور وکفن سو رہے ہیں گرم ریت اڑ اڑ کر زخموں پر پڑ رہی ہے پھر ظالم بالائے ظلم گھوڑوں کے دوڑ جانے کے بعد لاشوں کی جو حالت ہوئی جیسا کہ روایات میں ہے رَضُّوْا صَدْرَہٗ بِطَھْرِہٖ۔ یہی کہا ع نَحْنُ رَضَضْنَا الصَّدْرَ بَعْدَ الظَّھْرِ کہ ہم نے امام مظلوم کے سینے اور پشت کی ہڈیوں کو کچل ڈالا ہے یہی وجہ ہے کہ بابا کی لاش کو حضرت سجادؑ دیکھ کر غش کر گئے اور جناب زینب عالیہ نے تسکین وتسلی دیکر اٹھایا اس کے بعد بی بی عالیہ چونکہ ایک وقت تک سربراہِ امامت تھیں اس لئے اپنے گریہ کو ضبط کر لیتی تھیں تاکہ چھوٹے بچوں اور بیواؤں کے غم واندوہ میں ان کو تسکین دے سکیں اور غالباً اسی عظمت کا مظاہرہ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے بھائی کی لاش کو دیکھ کر پورے صبر وسکون اور اطمینان قلب سے اپنے جگر کو قابو کر کے بارگاہ ربوبیت میں اپنی قربانی

کی قبولیت کے لئے دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا ھٰذَا الْقُرْبَانَ اَوْ کَمَا قَالَتْ اے پروردگار ہماری یہ قربانی قبول فرما۔

میں بالعموم مجالس میں یہ بات کہا کرتا ہوں کہ لوگ شیعوں کے رونے پر تعجب کرتے ہیں حالانکہ جب شیعہ خوش ہوں تو لوگوں کو ان کی خوشیوں پر تعجب کرنا چاہیے۔ اور ایک روایت میں معصوم نے فرمایا کہ مسلمانوں نے ہمارے لیے کوئی عید نہیں رہنے دی۔ اسی طرح سادات کے ماتم پر تعجب نہیں کرنا چاہیے بلکہ تعجب تو اس بات پر ہونا چاہیے کہ اس قدر مصائب کے پہاڑ سروں سے گذارنے کے بعد یہ قوم زندہ کیوں ہے؟ میں نفسیاتی پہلو سے یہ بات کیا کرتا ہوں۔ کہ اگر کسی غیرت مند شریف اور باعزت نوجوان کے سامنے دشمن کے بھرے مجمع میں اس کی ماں بہن کے سروں سے چادریں چھن جائیں تو ایسی حالت میں اس نوجوان کے رونے پر تعجب نہیں کیونکہ اس کے بس میں ہو تو دیواروں سے ٹکرا کر مر جائے۔ اور یقین جانیے کہ مردوں کے قتل ہو جانے سے ناموس کا درد زیادہ ہوتا ہے۔ اور سجاد ایسا غیور کجا اور پھوپھیوں، ماؤں اور بہنوں کا سربرہنہ حالت میں بازاروں درباروں میں جانا کجا اسی طرح شریف زادیاں کجا اور فاسقوں اور فاجروں کے درباروں میں پیش ہونا کجا۔ اور یہی وجہ ہے کہ مدینہ میں جب حضرت سجاد سے مصائب کی زیادتی اور گریہ کی فراوانی کا مقام پوچھا جاتا تو بقول مشہور وہ کربلا کے بجائے شام کا نام لیتے تھے حالانکہ دل دہلا دینے والے اور عرش کو ہلا دینے والے روح فرسا مصائب کا طوفان بے پایاں کربلا میں تھا اسی بناء پر ایک معصوم نے فرمایا کہ جب ہم پر مصائب لگاتار آنا شروع ہوئے تو ہر بعد میں آنے والی مصیبت کو دیکھ کر ہمیں پہلی مصیبت بھول جایا کرتی تھی۔ اور جناب زینب عالیہ کا لقب ام المصائب بھی اسی لیے ہے لیکن مصائب کے سر بفلک پہاڑوں کو اپنے عزم واستقلال کے قدموں سے روند کر بڑھتے جانا اسی بی بی کا ہی کام تھا جبھی تو کہنے والے کہتے ہیں کہ حسین نے اپنے خون سے اسلام کو زندہ کیا تو زینب خاتون نے اپنے عزم وثبات قدمی سے جور واستبداد کے طوفانوں کا رخ موڑ کر حسین کو زندہ کر دیا اور تا قیامت شریف زادیوں کے پردہ وناموس کی بقا جناب زینب خاتون کا مرہون منت ہے۔ حسینیت زندہ باد

چودہویں مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

کونوا مع الصادقین

قرآن کی اطاعت جبھی ہو سکتی ہے جب صادقین کی صحبت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ہر مقام پر ثقلین سے تمسک کا حکم صادر فرمایا (صراط سوی محمود قادری) میں ہے کہ مرض موت میں ایک مرتبہ حضورؐ کے پاس صحابہ کا کثیر التعداد مجمع تھا تو ارشاد فرمایا۔ عنقریب میں تم سے جدا ہو جاؤں گا۔ آگاہ رہو میں تم میں اللہ کی کتاب اور اپنی عترت اہل بیتؑ چھوڑے جا رہا ہوں۔ پھر علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور فرمایا۔ ھٰذا عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَ الْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ لَا یَفْتَرِقَانِ حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ (الحدیث) یہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے یہ آپس سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر وارد ہوں گے۔ اور میں ان کے بارے میں پوچھوں گا کہ تم نے ان سے کیا سلوک کیا؟

حدیث ثقلین کو مسلم۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ ترمذی۔ مسند احمد۔ طبرانی۔ خصائص نسائی دارقطنی۔ مستدرک حاکم۔ خصائص کبریٰ۔ سیوطی۔ صواعق محرقہ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ متواتر ہے اور مسلم بین الفریقین ہے۔

بحر الانساب میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تمہیں قرآن و اہل بیتؑ کافی ہیں (ہدایۃ السعداء)

پس جنہوں نے کہا ہمیں صرف کتاب خدا کافی ہے تو گویا انہوں نے ... کو توڑا اور خدا اور رسولؐ کے عہد کو توڑنے والے باصطلاح قرآن ملعون و خاسر ہیں۔ اہل بیتؑ نبوۃ قرآن کے ساتھ معیت مکانی اور زمانی رکھتے

کے متعلق ارشاد ہے۔ بَلْ ھُوَ آیَاتٌ بَیِّنَاتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ۔ اور معیت زمانی کے متعلق ارشاد نبویؐ ہے۔ حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ۔

حضرت علیؑ قرآن کے ساتھ: آپ نے بوقت ولادت سورہ مومنون کی تلاوت کی تھی اور بوقت شہادت بھی زبان پر قرآن تھا کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ اسی طرح خدا کی جانب سے سورہ برات کی تبلیغ کے لئے علیؑ کو ہی نامزد کیا گیا تھا۔

تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں علیؑ ہی قرآن کے حافظ تھے اور دوسرا کوئی حافظ نہ تھا۔ اور علیؑ ہی پہلا جامع ہے۔ (شرح ابن ابی الحدید۔ اتقان۔ ازالۃ الخفاء)

حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کی وفات کے بعد میں نے قسم کھائی کہ دوش پر عبا نہ ڈالوں گا جب تک کہ قرآن کو جمع نہ کر لوں پس میں نے دوش پر عبا نہیں لی تھی۔ جب تک قرآن کو جمع نہ کر لیا۔ (ابو نعیم فی الحلیہ۔ خطیب فی الاربعین)

اخبار اہل بیتؑ میں اس طرح وارد ہے کہ آپ نے قسم کھائی تھی کہ سوائے نماز ... دوش پر ردا نہ لوں گا۔ جب تک قرآن کو جمع نہ کر لوں گا۔ پس ایک عرصہ تک آپ ... صحابہ کے مجمع میں تشریف نہ لے گئے اور قرآن کے جمع میں مشغول رہے۔ پھر ایک ... میں لپیٹ کر لے گئے جب کہ مسجد میں صحابہ کا کثیر التعداد مجمع تھا تو ایک مدت ... جو علیؑ کو آتے دیکھا کہنے لگے کسی خاص بات کے لئے ہی ابوالحسن تشریف ... پس آپ نے ان کے وسط میں پہنچ کر قرآن ان کے درمیان رکھا اور فرمایا ... رسالتمآبؐ فرما گئے تھے میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک قرآن۔ ... اہل بیتؑ۔ لو یہ قرآن ہے اور میں اہل بیتؑ سے ہوں پس حضرت عمر نے ... جواب دیا کہ اگر آپ کے پاس قرآن ہے تو ہمارے پاس بھی قرآن موجود

ہے۔ ہم کو تم دونوں کی ضرورت نہیں۔ پس آپ اتمام حجت کے بعد قرآن مجید کو اٹھا کر واپس
گھر تشریف لائے۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

علیؑ کا ختم قرآن:۔ حضرت علیؑ ہی کے متعلق وارد ہے کہ ایک رکاب میں پاؤں ڈالتے تھے اور دوسری رکاب تک پاؤں پہنچنے سے قبل ختم قرآن کر لیتے تھے بلکہ ایک روایت میں ہے ملتزم کعبہ سے دروازہ کعبہ تک ختم قرآن کرتے تھے۔

(فاضل دہلوی در شرح مشکوٰۃ)

علیؑ کے مقابلہ میں آنے والے دوسرے حضرات کی قرآن دانی پر ایک نظر ڈالی جائے تو ایک عبرتناک منظر سامنے آجاتا ہے اور مسلمانوں کے انتخاب کی داد دیئے بغیر رہا نہیں جا سکتا۔ اور کہنا پڑتا ہے کہ انصاف کا خون کرنا انہی کا ہی حصہ ہے۔ ابن عمر سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے سورہ بقرہ آٹھ برس میں پڑھی اور ختم پر ایک اونٹ قربان کیا اور مالک نے موطا میں ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر آٹھ برس تک سورۂ بقرہ پڑھتا رہا۔ اور طبقات بن سعد میں مروی ہے کہ اس نے چار برس میں سورۂ بقرہ تمام کر لی۔ (درمنثور) بہرکیف کم از کم چار برس ہی سہی۔ ذہن وذکا کی داد ضرور دینی پڑتی ہے اور جب اس قسم کے ذکی وذہین لیڈر اہل اسلام کو نصیب ہو جائیں تو کیوں نہ انہیں اہل بیتؑ سے مستغنی کریں۔

لیکن علیؑ کی شان کے قربان۔ راوندی نے ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ آپ گذر رہے تھے کہ ایک شخص کپڑے سی رہا تھا اور ساتھ ساتھ گا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا اے جوان اگر گانے کی بجائے قرآن خوانی کرتا تو زیادہ خوب ہوتا۔ اس نے عرض کی حضور! مجھے نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا میرے قریب ہو۔ جب وہ قریب ہوا تو آپ نے اس کے کانوں میں کچھ پڑھا تو خداوند کریم نے اس کے دل میں قرآن ڈال دیا اور وہ حافظِ قرآن ہو گیا۔

(مدینۃ المعاجز)

بے شک قدر والی چیز کی قدر و منزلت قدر شناس کے پاس ہوا کرتی ہے

ع۔ قدر زر زرگر شناسد قدر جوہر جوہری

قرآن مجید کی جو قدر و منزلت اہل بیتؑ نبوت کے پاس تھی وہ کوئی دوسرا کیا کر سکتا ہے۔ آیئے بڑے بڑوں کی قدر دانی ملاحظہ ہو:۔

بروایت حضرت عمر حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جب آیۃ رجم اتری اور بڑے آدمی کی رضاعت کے متعلق دس مرتبہ دودھ پینے سے محرم ہونے والی آیت نازل ہوئی تو ایک کاغذ پر لکھی ہوئی میرے بستر کے نیچے پڑی تھی۔ جناب رسالت مآبؐ کی وفات ہوئی اور ہم اس طرف مشغول ہو گئے تو ایک بکری آکر اسے کھا گئی۔

(ابن ماجہ۔ محاضرات راغب اصفہانی)

اس سے بڑھ کر خدا اور رسولؐ اور شریعت طاہرہ پر جرأت کا مظاہرہ دیکھئے بلکہ شریعت کے ساتھ تمسخر دیکھئے کہ جب کوئی آدمی حضرت عائشہ کی زیارت کرنے کا خواہشمند ہوتا تھا تو حضرت عائشہ اپنی بھتیجیوں اور بھانجیوں کو حکم دیتی تھی کہ اس کو اپنا دودھ پلاؤ، اگرچہ پانچ مرتبہ ہی سہی۔ پس وہ اس کے بعد حضرت عائشہ کی بے جھجھک زیارت کر سکتا تھا۔ (فتح الباری جلد ۲۱ ص ۱۴۱)

حالانکہ جناب ام سلمہ اور باقی ازواج نبی اس قسم کے دودھ پینے سے کسی کو اپنا محرم نہیں سمجھتی تھیں جب تک کہ مہد میں دودھ نہ پیئے۔ اس قسم کے امور قرآن کی ناقدر شناسی کی وہ دلیل ہیں جسے رد نہیں کیا جا سکتا۔

بس دنیا میں اہل بیتؑ سے بڑھ کر نہ کوئی عالم قرآن ہے اور نہ کوئی عامل قرآن۔

پس یہی حقیقی قدر دان تھے اللہ کی کتاب کے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت امیرؑ نے ہر ہر مرحلہ پر اپنے مقابلہ والوں کو کتاب اللہ کی طرف رجوع کی پیش کش کی لیکن نہ مانی گئی۔ جنگ صفین میں جب قرآن کو بلند کیا گیا تو آپ نے فرمایا کلمۃ

حَقٌّ یُرَادُ مِنْھَا الْبَاطِل۔ یعنی اہل شام حق کا کلمہ کہہ کر باطل مراد لے رہے ہیں یعنی دھوکا دینا چاہتے ہیں اور باوجود اس کے آپ نے جنگ کو روک دیا۔

جنگ جمل میں جب حضرت عائشہ نے حضرت امیرؑ کو دونوں صفوں کے درمیان پھرتا ہوا دیکھا تو کہنے لگی دیکھو یہ ایسا کر رہا ہے جیسے جناب رسولؐ نے جنگِ بدر کے دن کیا تھا۔ لیکن خدا کی قسم تم کو زوال تک مہلت نہ دی جائے گی۔ تو حضرت علیؑ نے فرمایا۔ عنقریب تو پچھتائے گی۔ پھر لوگوں نے لڑائی میں عجلت کا ارادہ کیا تو آپ نے منع فرمایا اور دُعا مانگی اے میرے پروردگار میں نے ان لوگوں کو ڈرایا ہے۔ اور ان کے زور کو توڑ دیا ہے تو میرا گواہ رہنا۔ پھر قرآن مجید کو ہاتھ میں لیا اور فرمایا۔ کوئی ہے جو قرآن کی یہ آیت ان لوگوں کو سنائے۔ وَاِنْ طَائِفَتَانِ۔ الخ تو مسلم مجاشعی نے کہا میں حاضر ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ یکے بعد دیگرے تیرا دایاں پھر بایاں ہاتھ کٹ جائے گا اور پھر تو قتل کیا جائے گا تو اس نے جواب دیا اللہ کی ذات کی خوشنودی کے لئے یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ پس وہ قرآن کو لے کر ان کی طرف بڑھا تو اس کا دایاں ہاتھ قلم ہوا۔ پس قرآن کو بائیں ہاتھ میں لیا پھر بایاں ہاتھ کٹا تو قرآن کو دانتوں میں پکڑ لیا۔ پھر خود قتل ہو کر شہید ہوا۔

مسلم کی شہادت کے بعد حضرت علیؑ نے اپنی فوج کو جنگ کی اجازت دیدی

اسی طرح حضرت سید الشہداءؑ نے جب دیکھا کہ لوگ میرے قتل سے باز نہیں آتے تو آپ نے قرآن مجید کھول کر اپنے سر پر رکھا اور فرمایا۔ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے۔ اے لوگو! میرا خون کیوں حلال سمجھتے ہو۔ کیا میں تمہارے نبیؐ کا نواسہ نہیں ہوں۔ کیا میرے اور میرے بھائی امام حسنؑ کے متعلق میرے نانا نے نہیں فرمایا تھا۔ یہ دونو جوانان جنت کے سردار ہیں۔ اگر میری بات پر یقین نہ ہو تو جابر، زید بن ارقم اور ابو سعید خدری سے دریافت کر لو کیا حضرت جعفر طیّار

میرے چچا نہیں۔ یہ سُن کر شمر نے اپنی زبانِ نجس سے گستاخانہ کلمہ نکالا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اللہ اکبر میرے نانا نے مجھے خبر دی تھی کہ میں نے ایک کتے کو دیکھا ہے جو میری اہل بیتؑ کے خون کو چاٹتا ہے اور تو وہی ہے (تذکرہ خواص الامۃ)

۹ محرم کو جب فوجِ اشقیاء نے حملہ کیا تو حضرت عباس سے فرمایا اگر ہو سکے تو جا کر ان سے آج رات کی مہلت لو اور جنگ کو کل تک مؤخر کراؤ۔ تاکہ ہم نماز پڑھ لیں اور دعا و استغفار کر لیں اور وہ جانتا ہے کہ میں نماز تلاوتِ قرآن اور دُعا و استغفار کو محبوب رکھتا ہوں۔ ملہوف میں ہے کہ جناب عباسؑ نے جب ان سے یہ سوال کیا۔ تو عمر بن سعد نے توقف کیا۔

منتخب میں ہے کہ ابن سعد نے شمر سے پوچھا تیری کیا رائے ہے اس نے جواب دیا اگر میں ہوتا تو ان کو مہلت نہ دیتا۔

ملہوف میں ہے کہ عمرو بن حجاج زبیدی نے کہا اگر ترک و دیلم کے باشندے ہوتے اور ہم سے یہ سوال کرتے تو ہم ضرور مان لیتے۔ لیکن یہ تو آلِ محمدؐ ہیں۔ ان کو اجازت کیوں نہ دی جائے؟ پس انہوں نے مان لیا تو امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب نے رات گذاری تو ساری رات ان کی تسبیح و تقدیس کی آواز مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح سنائی دیتی تھی۔ بعض قیام میں بعض قعود میں کئی رکوع میں اور کئی سجود میں تھے اور شہادت کے بعد قرآن پڑھ کر جناب رسالتمآبؐ کی حدیث کی عملاً تصدیق کی کہ دیکھو ہم قرآن سے جدا ہونے والے نہیں ہیں اور سورۂ کہف کی تلاوت سے شاید اپنی تشبیہ مقصود ہو اور ان کا قصہ اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ عجیب اس لئے ہے کہ وہ ایک غار میں اور سائے میں پڑے ہیں اور ان کے جسم کو تغیر نہیں آیا لیکن سید الشہداءؑ اور ان کے ساتھیوں کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے خاک و خون میں غلطاں اور دھوپ میں برہنہ تھے اور گرد اڑ اڑ کر ان پر پڑتی تھی اور باوجود اس کے ان

میں تغیر تو بجائے خود ان کے ابدان طاہرہ سے مشک وعنبر کی خوشبو آتی تھی جس طرح ایک اسدی کی روایت میں ہے۔ غلام حبشی نے اجازت مانگی اور امام نے تاخیر کی تھی تو اس نے عرض کی تھی مولا چونکہ میرا خون بدبودار ہے اس لئے مجھے اجازت نہیں ملتی چنانچہ اصرار کے بعد وہ اجازت لے کر گیا تو جون کو دس دن کے بعد دیکھا گیا تو اس کے بدن سے کستوری کی خوشبو آرہی تھی۔ آیئے اس غلام حبشی کی طرح حسینؑ کی غلامی کا عہد کریں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(اقول) جون کو حضرت امیر علیہ السلام نے ایک سو پچاس دینار میں خرید کر ابوذر کو بخشدیا تھا ابوذر کی وفات کے بعد حضرت امیرؑ کی خدمت میں واپس آیا پھر امام حسنؑ کی غلامی میں رہا اور آخر میں حضرت سید الشہداءؑ کے قدموں پر نثار ہوا جون اسلحۂ جنگ کی شناخت میں مہارت کاملہ رکھتا تھا۔ اسی لئے خیام حسینی میں شب عاشور آلات جنگ کی اصلاح اور دیکھ بھال جون کے ذمہ تھی۔ بروایت ملہوف امام حسینؑ نے جون کو چلے جانے کی اجازت دیدی تھی لیکن اس وفادار نے کہا اے فرزند رسولؐ خوشحالی کے زمانہ میں آپ کا کاسہ لیس رہوں اور مصیبت میں چھوڑ جاؤں یہ ہرگز نہ ہوگا میرا حسب و نسب پست ہے اور میرا خون بدبودار ہے آپ مجھے بہشت میں جانے دیں تاکہ میری بو پاکیزہ حسب شریف اور رنگ نورانی ہو جائے۔ پس اجازت لے کر بحر جنگ میں غوطہ لگایا ۲۵ ملاعین کو قتل کر کے شربت شہادت نوش فرمایا۔ حضرت حسینؑ نے اس کے حق میں دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کی بو کو پاکیزہ کر اور اس کی شکل کو نورانی کر اور ابرار میں اس کو شامل فرما۔ آپ کی دعا مقبول ہوئی پس دس دن کے بعد جو جون کی لاش ملی تو اس سے عطر اور عنبر کی خوشبو مہک رہی تھی۔

پندرہویں مجلس (۱۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کونوا مع الصادقین

صادق وہی ہے جس کا کوئی قول وفعل قرآن کے خلاف نہ ہو۔

حضرت علیؑ کے متعلق متفقہ حدیث نبویؐ منقول ہے۔ عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ۔

ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ اَقْضٰی اُمَّتِیْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِب۔ (میری امت کا بڑا قاضی علیؑ ہے)۔ (مناقب خوارزمی)

عن ابی طفیل قال قال علیؑ سَلُوْنِیْ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ فَاِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ آیَۃٍ اِلَّا وَقَدْ عَرَفْتُ بِلَیْلٍ نَزَلَتْ اَمْ بِنَہَارٍ اَمْ فِیْ سَہْلٍ اَمْ فِیْ جَبَلٍ۔ (مناقب)

ابو طفیل سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ مجھ سے کتاب اللہ کے متعلق سوال کرو کیونکہ قرآن کی کوئی آیت نہیں جس کو میں نہ جانتا ہوں۔ کہ رات میں اتری یا دن میں اور سہل میں اتری یا جبل میں (مناقب خوارزمی)

نیز آپ نے فرمایا۔

سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ فَاِنَّمَا بَیْنَ الْجَوَانِحِ مِنِّیْ عِلْمٌ جَمٌّ ہٰذَا سَفَطُ الْعِلْمِ ہٰذَا لُعَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ص ہٰذَا مَا زَقَّنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ص مِنْ غَیْرِ

مجھ سے پوچھو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ کیونکہ میری پسلیوں کے اندر گہرا علم ہے یہ علمی خزانہ۔ یہ لعاب رسولؐ اور یہ وہ ہے جو مجھے رسولؐ نے چوسایا ہے بغیر اس کے کہ مجھ پر

وَحِیَ اُوحِیَ اللّٰهُ اِلَیَّ فَوَ اللّٰهِ
لَوْ ثُنِیَتْ لِیْ وِسَادَةٌ فَجَلَسْتُ
عَلَیْهَا لَاَفْتَیْتُ لِاَهْلِ التَّوْرَاةِ
بِتَوْرَاتِهِمْ وَلِاَهْلِ الْاِنْجِیْلِ
بِاِنْجِیْلِهِمْ فَیَقُوْلُ صَدَقَ
عَلِیٌّ قَدْ اَفْتَاکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ
فِیَّ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتَابَ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (اخطب)

وحی اتری ہو۔ بخدا اگر میرے لئے مسند لگا دی جائے اور میں اس پر بیٹھ جاؤں تو تورات والوں کو تورات سے اور انجیل والوں کو انجیل سے فتویٰ دوں گا کہ وہ کتاب بول اُٹھے گی کہ علیؑ نے سچ فرمایا اور وہ فتویٰ دیا جو خدا نے مجھ میں نازل کیا۔ الخ (اخطب خوارزم)

تفسیر اتقان اور ذخیرۃ المآل میں ہے آپ نے فرمایا۔

لَوْ شِئْتُ لَاَوْقَرْتُ سَبْعِیْنَ
بَعِیْرًا مِنْ تَفْسِیْرِ سُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ
قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَخَذَ بِیَدِیْ
الْاِمَامُ عَلِیٌّ لَیْلَةً مُقْمِرَةً فَخَرَجَ
بِیْ اِلَی الْبَقِیْعِ بَعْدَ الْعِشَاءِ
فَقَالَ اقْرَءْ یَا عَبْدَ اللّٰهِ فَقَرَأْتُ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
فَتَکَلَّمَ لِیْ فِیْ اَسْرَارِ الْبَاءِ اِلَی
الْفَجْرِ۔

اگر چاہوں تو سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بار کر سکتا ہوں۔ ابن عباس کہتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ایک دفعہ چاندنی رات میں میرا ہاتھ پکڑا اور نماز عشاء کے بعد مجھے بقیع کی طرف لے گئے اور فرمایا۔ قرأت کرو تو میں نے بسم اللہ پڑھی پس آپ نے باء کے اسرار کو بیان کرنا شروع کیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

نیز ایک روایت میں ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے نقطہ بائے بسم اللہ کی شرح کو ایک رات شروع کیا اور سپیدی صبح نمودار ہو گئی لیکن بیان تمام نہ ہو سکا تو میں نے اپنے نفس کو ان کی ذات والا صفات کے سامنے ایسا پایا جیسا کہ

ایک پانی کا چلّو بحر زخار کے سامنے۔ اب ان وسعتوں کے مقابلہ میں کسی کو دم مارنے کی کیا مجال ہے کیا کلالہ و اب کے معانی کو نہ سمجھ سکنے والا بھی مقابلہ کی تاب لا سکتا ہے جو اپنی کمزوری علم کو خود ان الفاظ سے ببانگ دہل ظاہر کرتا ہے (اِنْ زُغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ) اگر میں غلط بیان کروں تو میری اصلاح کر دینا۔ بہر کیف حضرت علیؑ کا علمی وقار تمام صحابہ میں مسلّم تھا بنا بریں دوسروں کی علمی کمزوریوں کا ذکر کرنا غیر ضروری ہے کیونکہ شمس امامت کی علمی شعاعیں اور ضیا پاشیاں اس قسم کی معمولی گرد سے چھپ نہیں سکتیں

ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ میں نے قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ کے متعلق پوچھا کہ اس سے کون مراد ہے تو آپ نے فرمایا میرے بھائی حضرت سلیمان بن داؤد کا وصی۔ تو میں نے پوچھا۔ قُلْ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ۔ سے کون مراد ہے تو آپ نے فرمایا کہ میرا بھائی علی ابن ابی طالب۔

بے شک جس قدر وسعت علم ہو اسی قدر حدود و تصرفات میں وسعت ہوتی ہے جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا وہ ملکہ سبا بلقیس کے تخت کو ملک سبا سے چشم زدن میں لا سکتا تھا لیکن جس کے پاس کل کتاب کا علم تھا اس کی خاطر چشم زدن میں سورج واپس پلٹ کر آ گیا جیسا کہ مناقب ابن مردویہ، تفسیر ثعلبی، خصائص نطنزی وغیرہ میں مرقوم ہے۔

جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت امیر علیہ السلام نے ہمیں نماز صبح پڑھائی اور ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا اے لوگو! خدا تمہارے بھائی سلمان کے بارے میں تمہارا اجر زیادہ کرے تو لوگ اس میں باتیں کرنے لگے۔ آپ نے جناب رسالت مآبؐ کا عمامہ سر پر باندھا اور آپ کی قمیص پہنی اور آپ کا عصا ہاتھ میں لیا پھر ناقہ غضبا پر سوار ہوئے قنبر سے فرمایا کہ تم دس تک شمار کرو۔ قنبر کہتا ہے کہ میں نے دس تک شمار کیا تو اپنے آپ کو سلمان کے دروازہ پر پایا۔

زاذان کہتا ہے جب سلمان کی وفات کا وقت قریب پہنچا تو میں نے عرض کی کہ

آپ کو غسل کون دے گا فرمایا مجھے وہی غسل دے گا جس نے رسولؐ کو غسل دیا تھا میں نے کہا آپ مدائن میں ہیں اور وہ مدینہ میں ہیں تو فرمایا اے زاذان تو میرا تحت الحنک باندھ چکے تو ایک آواز سنے گا۔ وہ کہتا ہے ایسا ہی ہوا کہ جب میں نے سلمان کا تحت الحنک باندھا تو ایک آواز سنی اور دروازہ پر پہنچا۔ اچانک دیکھا کہ حضرت امیر المومنینؑ تشریف فرما ہیں اور دریافت کیا کہ کیا سلمان قضا کر چکے ہیں۔ میں نے کہا جی ہاں حضور! پس آپ اندر داخل ہوئے اور سلمان کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا تو سلمان نے آپ کے رُخ انور کی زیارت کر کے مسکرا دیا۔ آپ نے فرمایا مرحبا! اے سلمان! جب رسولؐ کے پاس جانا تو میرے ساتھ قوم کا جو برتاؤ ہوا ہے بیان کرنا۔ پھر تجہیز میں مشغول ہوئے۔ اور نماز جنازہ پڑھی تو ہم حضرت امیرؑ سے پُر زور لہجہ میں تکبیر سنتے تھے اور میں نے آپ کے پہلوؤں میں دو اور شخصوں کو اکٹھا کھڑا ہوا دیکھا فرمایا ایک جعفر طیار اور دوسرا خضر تھا۔ (مدینۃ المعاجز)

اصبغ ابن نباتہ سے منقول ہے (بعد از شہادت جناب امیر علیہ السلام جب کہ حسنینؑ شریفین مدینہ میں تشریف فرما تھے) کہ میں نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے عرض کی۔ اے آقا میں آپ سے ایک امر کا سوال کرتا ہوں جس کا مجھے یقین ہے اور وہ اللہ کے رازوں میں سے ہے اور آپ راز دان ہیں۔ آپ کوئی راز کی بات ظاہر فرما دیں۔ آپ نے فرمایا۔ کھڑا ہو۔ پس میں نے دیکھا کہ ہم دونوں کوفہ میں پہنچ گئے ہیں اور چشم زدن سے پہلے میں نے اپنے آپ کو مسجد کوفہ کے قریب پایا۔ پس آپ میری طرف دیکھ کر ہنس پڑے اور فرمایا اے اصبغ! تحقیق حضرت سلیمان بن داؤدؑ کو ہوا پر حکومت دی گئی کہ صبح و شام ایک ایک ماہ کی مسافت طے فرماتے تھے اور مجھے سلیمانؑ کی حکومت سے زیادہ عطا ہوئی ہے۔ میں نے عرض کی بے شک خدا کی قسم آپ سچ فرماتے ہیں اے فرزند رسولؐ! تو آپ نے فرمایا کہ وہ ہم ہی ہیں جن کے پاس

قرآن کا علم اور بیان ہے اور جو کچھ ہمارے پاس ہے خدا کی مخلوق میں سے کسی کے پاس نہیں ہے کیونکہ ہمارے پاس اسرارِ الٰہیہ ہیں پھر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ہم آلِ اللہ اور وارثِ رسولؐ ہیں۔ میں نے کلمہ حمد ادا کیا تو آپ نے فرمایا۔ اندر داخل ہو۔ چنانچہ میں جب اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ حضرت رسالت مآبؐ محراب مسجد میں چادر اوڑھے بیٹھے ہیں اور دیکھا کہ حضرت امیر المومنینؑ ایک اعرابی کی گردن پکڑے ہوئے ہیں اور حضرت رسالت مآبؐ انگشت مبارک کو دانتوں میں رکھ کر اس اعرابی کو سرزنش فرما رہے ہیں۔ الخبر (مدینۃ المعاجز)

(ایک طرف اعجاز کا یہ عالم ہے اور دوسری طرف صبر و رضا ملاحظہ فرمائیے کہ وطن چھوڑنے پر مجبور ہیں اور اپنے نانا کی قبر مبارک پر جا کر یہ کلمات ادا فرما رہے ہیں) اے اللہ یہ تیرے نبیؐ کی قبر ہے اور میں تیرے نبیؐ کی دختر کا فرزند ہوں (مجھے) جو کچھ درپیش ہے تو جانتا ہے اے اللہ میں نیکی کو چاہتا ہوں اور برائی کو ناپسند کرتا ہوں۔ اے جلال و اکرام کے مالک میں تجھے اس قبر اور اس قبر کے ساکن کا واسطہ دے کر عرض گذار ہوں کہ میرے لئے وہ چیز اختیار فرما جس میں تیری اور تیرے رسولؐ کی خوشنودی مضمر ہو (وہاں پہلوِ قبر میں آنکھ لگ گئی اور عالمِ خواب میں اپنے نانا کو فرماتے ہوئے سُنا) میرے پیارے حسینؑ! میں اس منظر کو دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب زمین کربلا پر مذبوح ہو کر تو اپنے خون میں غلطاں ہو گا۔ بیٹا عراق کی طرف چلے جاؤ۔

(حضرت اُمّ المومنینؑ ام سلمہ سے جب وداع کیا تو ام سلمہ نے عرض کی) مجھے عزمِ عراق سے غمزدہ نہ کیجئے میں تو آپؑ کے جد نامدارؐ سے سن چکی ہوں کہ میرا فرزند حسینؑ ملک عراق میں سرزمین کربلا پر قتل کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا اے مادرِ گرامی بے شک میں وہی ہوں اور یقیناً قتل ہوں گا اور اس سے کوئی چارۂ کار ہی نہیں اور مجھے وہ دن بھی معلوم ہے جس میں قتل ہوں گا اور یہ بھی پتہ ہے کہ مجھے کون

قتل کرے گا اور اس جگہ کو بھی جانتا ہوں جہاں دفن ہونگا نیز میری اہلبیتؑ۔ اقرباء اور شیعوں میں سے جو جو قتل ہوگا۔ میں ان کو بھی جانتا ہوں۔ اگر تو چاہے تو میں تجھے اپنی قتل گاہ مدفن اور اپنے اصحاب کا مدفن دکھادوں۔ جناب ام سلمہ نے عرض کی۔ ہاں۔ تو آپ نے صرف بسم اللہ کو زبان پر جاری فرمایا تو زمین کو ایک جنبش ہوئی اور آپ نے اپنی اور اپنے اصحاب کی قتل گاہوں اور جائے دفن کی نشاندہی فرمائی اور ان کو قدرے اس جگہ کی خاک بھی عطا فرمائی اور فرمایا اس کو اپنے پاس محفوظ رکھو جب یہ سُرخ خون ہوجائے تو سمجھ لینا کہ میں شہید ہوگیا ہوں۔

چنانچہ جناب ام سلمہ نے اس خاک کو محفوظ رکھا اور اس کو دیکھتی رہیں۔ عصر عاشورا کو جو دیکھا تو وہ سرخ ہو چکی تھی۔ پس رونا شروع کیا ہاشمی مستورات سے فرمایا اے عبد المطلب کی شہزادیو! میرے ساتھ گریہ و بکا میں شریک ہوجاؤ کیونکہ ہمارے آقا حسینؑ کربلا میں شہید ہوگئے ہیں۔ میں نے جناب رسالت مآبؐ کو انتہائی پریشانی اور اضطراب میں دیکھا ہے کہ ان کے سر پر غبار اور ڈاڑھی مبارک خاک آلود تھی۔ میں نے وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا لوگوں نے میرے فرزند کو شہید کر ڈالا ہے اور میں نے اس کو قتل ہوتے دیکھا ہے۔ تاریخ الخلفاء میں ہے کہ قتل حسینؑ کے بعد دنیا کا یہ عالم تھا کہ سات دن تک سورج کی شعاع بھی خونی رنگ کی تھی اور دیواریں ایسی معلوم ہوتی تھیں کہ ان پر سرخ چادریں ڈالی گئی ہیں۔

روز عاشورہ آسمان سے خون برسا یہاں تک کہ برتن خون سے پر ہوگئے اور سورج گہن کی وجہ سے آسمان پر سخت تاریکی چھاگئی۔ یہاں تک کہ ستارے نظر آنے لگے۔ اور انتہائی ظلمت کی وجہ سے لوگ سمجھے کہ قیامت قائم ہوگئی ہے ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر ایک دوسرے پر گرتے تھے اور زمین پر جہاں سے کوئی پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے خون ابھر آتا تھا اور تین دن تک دنیا

تاریک رہی پھر سُرخی ظاہر ہوئی اور کہتے ہیں کہ چھ ماہ تک سُرخی باقی رہی اور اس کے بعد بھی سُرخی دیکھی جاتی رہی۔ شرح ابن حجر عسقلانی)

امام شافعی کہتا ہے۔

تَزَلْزَلَتِ الدُّنْيَا لِآلِ مُحَمَّدٍ وَكَادَتْ لَهُمْ صُمُّ الْجِبَالِ تَذُوبُ

ترجمہ:۔ آل محمدؐ کے مصائب سے دنیا میں زلزلہ قائم ہوا۔ اور قریب تھا کہ اس کی تاب برداشت نہ لاکر بلند پہاڑ پھٹ جائیں۔

ابن عباس سے منقول ہے کہ روانگی عراق سے قبل میں نے بیت اللہ کے دروازہ پر حسینؑ کو دیکھا کہ جبرئیل کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اور جبرئیل آواز دے رہا تھا لوگو! اللہ کی بیعت کی طرف آجاؤ۔

جناب رسالت مآبؐ کا ارشاد ہے کہ جو حسینؑ کی مدد کرے گا گویا اُس نے میری مدد کی۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے تھے کہ کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ جناب فاطمہؑ کو پرسہ دیکر اُن کی مدد کرو۔

فرمایا۔ نَفَسُ الْمَهْمُومِ لِظُلْمِنَا تَسْبِيحٌ۔ ترجمہ:۔ جو شخص ہماری مظلومیت پر غمزدہ ہو اس کی ہر سانس تسبیح شمار ہوتی ہے۔

اَنْفَاسُكُمْ فِيهِ تَسْبِيحٌ۔ ترجمہ: یعنی ہمارے غم میں تمہاری ہر سانس تسبیح شمار ہوتی ہے (مومنین رونے کا مقام ہے اور گریہ زاری کا مقام ہے اور یہ ہمارے اُوپر احسان نہیں) بلکہ اس مظلوم کے لئے گریہ کرو۔ جس نے خدا کی بے مثل عبادت کی۔ چنانچہ منقول ہے کہ ہر شب ایکہزار رکعت نماز نافلہ پڑھا کرتے تھے اور خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ وضو کرتے وقت آپ کے اعضاء خوف خدا سے کانپتے تھے اور زائرین جب زیارت کو جاتے ہیں تو آپ کی زیارت میں یہی کہتے ہیں کہ اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلٰوۃَ۔ ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں

کہ آپ نے نماز کو قائم کیا۔

ہاں ہاں! کربلا کی نمازیں بھی نرالی شان کی حامل ہیں۔ شب عاشورہ کی نماز پھر صبح عاشورہ کی نماز۔ پھر ظہر عاشورہ کی نماز اور عصر عاشورہ کی نماز تو حسینؑ نے قیامت تک کے لئے یادگار چھوڑی ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

(اقول) اس میں شک نہیں کہ عبادت کا وزن خشوع و خضوع کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ اور خشوع و خضوع کے لیے اسباب مناسبہ کا ہونا ضروری ہے۔ مثلاً تندرستی، بے فکری۔ امن و اطمینان اور ماحول کی موزونیت وغیرہ۔ پس تندرست، بے فکر، با امن اور پُر اطمینان جس طرح پُرسکون ہو کر خشوع و خضوع سے عبادت کرسکتا ہے وہ بیمار و فکرمند، بے امن و بے چین آدمی نہیں کرسکتا بلکہ مصیبت میں گھرا ہوا ہر انسان اس یکسوئی کی عبادت سے محروم ہوتا ہے جو اس دنیا میں بسنے والے انسان سے ہوسکتی ہے۔ اور یہی وہ وجوہ ہیں جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی آخری نماز کو بلکہ صرف ایک سجدہ کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں اسمیں شک نہیں کہ حسین کے نانا اور بابا بہت بڑے عابد تھے نانا سید النبیینؐ اور بابا امام المتقین تھے لیکن ان کی عبادتیں کسی حد تک مناسب و موزوں ماحول میں تھیں اور ان کی عبادات میں خشوع و خضوع کے مناسب اسباب بڑی حد تک موجود ہوا کرتے تھے اور حسین علیہ السلام نے کربلا کی تپتی زمین پر ہر قسم کے پُرخطر ماحول میں بھوکے پیاسے ہو کر زخمی جسم کیساتھ برستے ہوئے تیروں کے نیچے تنے ہوئے نیزوں کے سائے میں اور چمکتی ہوئی تلواروں کے آگے زمین گرم، فضا گرم اور ہوا گرم سارد گرد بھائیوں، عزیزوں، دوستوں اور بیٹوں کی لاشیں۔ اور دوسری طرف بہنوں، بیٹیوں اور لاوارث پردہ داروں کی غم واندوہ کے دریا میں ڈوبی ہوئی سرد آہوں اور خوردسال بچوں کے گریہ کی دردبھری آوازوں کے انتہائی ناسازگار ماحول میں خشوع و خضوع کی دو رکعت نماز بلکہ ایک سجدہ بھی اتنا وزنی تھا کہ اس نے اسلام کی تقدیر پلٹ دی۔ چنانچہ شاعر مشرق کو کہنا پڑا ؂

اسلام کے دامن میں بس دو ہی تو چیزیں ہیں ✽ اک ضرب یداللہی اک سجدۂ شبیری

سولہویں مجلس

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ ہ

ترجمہ:۔ اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور ہو جاؤ ساتھ صادقین کے

قرآن مجید میں مَعَ کی لفظ تین معنوں میں استعمال ہوئی ہے۔

۱۔ احاطہ علمیہ:۔ جس طرح کہ خداوند کریم کے لئے ہے وَاللّٰہُ مَعَکُمْ یعنی خدا تمہارے ساتھ ہے دوسری جگہ ہے وَھُوَ مَعَھُمْ الآیۃ اور وہ یعنی اللہ ان کے ساتھ ہے۔ ان سے مراد یہ ہے کہ انسان جس حالت میں ہو جس جگہ ہو جس کام میں مشغول ہو وہ اللہ کے احاطۂ علمیہ و دائرہ قدرت کے اندر ہی ہوتا ہے اور خدا تمام ممکنات پر ہر وقت حاوی و محیط ہے۔ اور اس کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں۔

۲۔ اطاعت:۔ جس طرح جناب رسالت مآبؐ کے اطاعت گذار صحابہ کے لئے ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ۔ یعنی حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے اطاعت گذار ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں۔ الخ

۳۔ مساوات و برابری۔ جیسے ارشاد ہے۔ مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا کَانَ مَعَہٗ مِنْ اِلٰہٍ الآیۃ۔ یعنی نہ اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کے ساتھ یعنی برابر کا کوئی دوسرا خدا ہے۔

جناب رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا ہے۔

عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ۔ جیسا کہ مجلس گذشتہ میں بیان ہوا ہے

اور اس روایت میں مَعَ کا معنی یقیناً تیسرا ہے یعنی یہ دونوں مساوی حیثیت سے ہیں اور ثابت ہو چکا ہے کہ صادقین سے مراد آل محمدؐ ہیں۔ جس کے اشرف فرد حضرت علی علیہ السلام ہیں تو یہاں علیؑ کے ساتھ ہونے کا مقصد یقیناً وہی ہے جو قرآن کے ساتھ ہونے کا ہے۔ تو گویا آیت مجیدہ میں مَعَ کا معنی اطاعت ہے چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے بعض خطبوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ میں وہ قرآن ہوں جس کو بعض لوگ چھوڑ چکے ہیں۔ (مراۃ الانوار)

ایک اور خطبے میں آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَاَیْنَ یُتَاہُ بِکُمْ بَلْ کَیْفَ تَعْمَھُوْنَ وَبَیْنَکُمْ عِتْرَۃُ نَبِیِّکُمْ وَھُمْ اَزِمَّۃُ الْحَقِّ وَاَلْسِنَۃُ الصِّدْقِ فَاَنْزِلُوْھُمْ بِاَحْسَنِ مَنَازِلِ الْقُرْآنِ۔ الخ یعنی تم کہاں سرگرداں ہو اور کس طرح اندھادھند چل رہے ہو حالانکہ تم میں تمہارے نبیؐ کی عترت موجود ہے جو حق کی زمام اور سچ کی زبان ہیں پس ان کو اپنے درمیان وہ منزلت دو جو قرآن کے لئے بہترین منزلت ہو سکتی ہے اس کے متعلق ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ رقمطراز ہے کہ فَاَنْزِلُوْھُمْ بِاَحْسَنِ مَنَازِلِ الْقُرْآنِ۔ کے فقرے کے نیچے ایک بڑا راز پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ آپ نے تمام عاقل بالغ لوگوں کو امر فرمایا ہے کہ عترت نبویہ کی تعظیم و توقیر اطاعت اور فرمانبرداری کو وہی حیثیت دیں جو قرآن کو حاصل ہے ——— لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے تو عترت کی عصمت ثابت ہوتی ہے جو علمائے اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابو محمد نے کتاب کفایہ میں صراحتاً ذکر کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام معصوم تھے لیکن ان کی عصمت واجب نہ تھی اور نہ ہی عصمت امامت کی شرط ہے البتہ ان کی عصمت پر نص موجود ہے اور تمام صحابہ میں سے یہ صرف انہی کا ہی خاصہ ہے۔ پس یہاں دو قول ہیں ایک یہ کہ وہ

معصوم تھے دوسرے یہ کہ وہ واجب العصمۃ تھے کیونکہ امام کے لئے میرے بھائی معصوم ہونا شرط ہے ان دونوں قولوں میں فرق ظاہر ہے ہم لوگ پہلا قول اکثر کا یہ ہیں اور شیعہ امامیہ دوسرے قول کے قائل ہیں۔

الٓمٓ ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کے تحت تفسیر قمی میں ہے کہ کتاب حضرت علیؑ ہیں اور متقی شیعہ ہیں اور مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک نصرانی نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے حٰمٓ وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ کی باطنی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا حٰمٓ سے مراد حضرت محمد اور وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ سے مراد حضرت علی ہیں بعض زیارات کے الفاظ بھی ہیں اَنْتُمُ الْکِتَابُ الْمَسْطُوْرُ۔ یعنی تم ہی کتاب مسطور ہو۔ حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کی بعض زیارات کے الفاظ ہیں یَا ابْنَ طٰہٰ وَالْمُحْکَمَاتِ۔ تفسیر عیاشی وغیرہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ھُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْہُ اٰیَاتٌ مُّحْکَمَاتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ کی تفسیر میں آپ نے فرمایا اس سے مراد حضرت امیر علیہ السلام اور باقی آئمہ ہیں اور وَاُخَرُ مُتَشَابِھَاتٌ سے مراد فلاں فلاں اور فلاں ہیں اور اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ الخ سے مراد ان کے ساتھی ان سے محبت رکھنے والے ہیں۔ (مراۃ الانوار)

(ہم نے اس کو تفسیر انوار النجف کی تیسری جلد میں بھی بیان کیا ہے جو شخص تفصیل معلوم کرنا چاہے اس کا مطالعہ کرے) اب ذرا قرآن مجید کی منازل کا جائزہ لیجئے۔

پہلی منزل۔ قرآن مجید اللہ کی طرف سے ہے اور اسی نے ہی نازل فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ وَمَا کَانَ ھٰذَا الْقُرْآنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللہِ وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَتَفْصِیْلَ الْکِتَابِ لَا رَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ

الْعٰلَمِیْنَ ۝ یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے افترا نہیں ہے بلکہ یہ اس کی تصدیق ہے جو اس کے پہلے ہے اور تفصیل ہے کتب سابقہ کی اس میں کوئی شک نہیں کہ پروردگار عالم کی جانب سے ہے نیز فرمایا۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ہم نے قرآن عربی زبان میں اتارا تاکہ تم سمجھو اور فرمایا اِنَّآ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ ہم نے آپ کو سبع مثانی یعنی سورہ فاتحہ اور قرآن عظیم عطا کیا۔

اور حضرت علی علیہ السلام اس منزل میں قرآن کے ساتھ برابر کے شریک ہیں اور ان کی امامت اللہ کی جانب سے ہے کیونکہ منصب خلافت و امامت صرف اللہ ہی کی جانب سے عطا ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت آدمؑ اور حضرت داؤدؑ کی خلافت کے متعلق قرآن شاہد ہے اور اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کی امامت کے متعلق بھی صریح ارشاد ہے اور تمام ہادیان دین کے متعلق ارشادِ قدرت ہے۔ وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا۔ اور ہم نے ان کو امام بنایا کہ ہمارے امر سے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں۔

ابن مردویہ۔ خطیب اور ابن عساکر نے اسماء بنت عمیس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے یہ دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِمَا سَئَلَكَ اَخِيْ مُوْسٰى اَنْ تَشْرَحَ لِيْ صَدْرِيْ وَاَنْ تُيَسِّرَ لِيْ اَمْرِيْ وَاَنْ تَحُلَّ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ عَلِيًّا اَخِي اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِيْ وَاَشْرِكْهُ فِيْ اَمْرِيْ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا (دُرِّ منثور۔ تفسیر سورہ طٰہٰ)

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے وہی سوال کرتا ہوں جو میرے بڑے بھائی حضرت موسیٰؑ نے کیا تھا۔ کہ میرا سینہ کھول دے اور میرا معاملہ آسان کر۔ میری زبان

کی گرہ کو دور فرما تاکہ میری بات سمجھیں اور میری اہل سے میرے بھائی علی کو وزیر بنا اور اس سے میری کمر کو مضبوط کر اور اُسے میرا شریک کار قرار دے تاکہ ہم مل کر تیری زیادہ سے زیادہ تسبیح کریں اور تیرا ذکر کثیر زبان پر جاری کریں۔ تحقیق تو ہمارے حال سے واقف و آگاہ ہے چنانچہ آپ کی یہ دعا مستجاب ہوئی اور اسی طرح آیت مجیدہ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ الخ اور آیت مجیدہ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ بھی حضرت علی کے خلیفہ و امام من جانب اللہ ہونے کی قطعی دلیلیں ہیں۔

قرآن کی دوسری منزل۔ متشابہ ہونا یعنی فصاحت۔ بلاغت۔ پختگی نظم و نسق۔ اعجاز اور صداقت و حقیقت میں تمام قرآن کی آیات ایک دوسری کے متشابہ ہیں۔ اور ان امور میں ان کو کوئی اختلاف نہیں اور یہی اس کے منزل من اللہ ہونے کی ناقابل تردید دلیل ہے۔ کیونکہ اگر غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور ہوتا اور اس مطلب کو ہم نے تفسیر انوار النجف کی تیسری جلد میں واضح کیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کو اس منزل کے لحاظ سے بھی قرآن مجید کے ساتھ مساوات حاصل ہے۔ کیونکہ ان کے تمام اقوال و افعال میں یگانگت ہے کہ اس میں جوانی بڑھاپے کا کوئی فرق نہیں جو کچھ دل میں ہے وہ زبان پر ہے اور اسی پر عمل ہے اور آپ کی تمام زندگی کے جملہ شعبے ایک دوسرے سے پوری مشابہت رکھتے ہیں اور یہی ان کے امام من اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ ورنہ ان کے نظریات۔ افعال۔ اقوال اور اطوار میں کچھ نہ کچھ تفاوت ضرور ہوتا۔ اور معصوم کی ہی یہ شان ہو سکتی ہے۔ ورنہ غیر معصوم تو خواہش نفس کو بھی معبود قرار دے بیٹھتا ہے اور بعض اوقات اسے اعلان کرنا پڑتا ہے۔ اِنَّ لِيْ شَيْطَانًا يَّعْتَرِيْنِيْ ۔

قرآن کی تیسری منزل۔ پاک و مطہر ہونا۔ چنانچہ فرمایا۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ

ذِیْ عِوَجٍ ایک اور مقام پر فرمایا۔ لَایَاتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَامِنْ خَلْفِہٖ۔ یعنی قرآن عربی ہے۔ اس میں کوئی کجی نہیں۔ اس کے سامنے یا پیچھے سے باطل اس پر حملہ آور نہیں ہو سکتا۔ نیز فرمایا۔ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔ اس کو مس نہیں کرتے مگر مطہر لوگ۔

ان کے علاوہ دیگر آیات بھی اس امر پر شاہد ہیں۔

اور حضرت علی علیہ السلام اس منزل میں بھی قرآن کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ چنانچہ آیت تطہیر باتفاق علماء اس کیلئے شاہد موجود ہیں۔ (غالباً حضرت سید الشہداؑ نے اپنی تنہائی کے وقت آخری اتمام حجت میں یہ اشعار فرمائے۔)

۱۔ اَنَا ابْنُ عَلِیِّ الطُّھْرِ مِنْ آلِ ھَاشِمٍ	میں آل ہاشم سے حضرت علیؑ کا فرزند ہوں جو طیب
کَفَانِیْ بِھٰذَا مَفْخَرًا حِیْنَ اَفْخَرٗ	و طاہر ہیں اور مقام فخر میں میرے لئے یہی فخر کافی ہے
۲۔ وَجَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَکْرَمُ مَنْ مَضٰی	اور میرا جد جناب رسول پاکؐ ہے جو تمام گزشتگان سے
وَنَحْنُ سِرَاجُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ مِنْزھَرٗ	افضل ہے اور ہم اللہ کی زمین میں اسکی روشن قندیلیں
۳۔ وَفَاطِمَۃُ اُمِّیْ مِنْ سُلَالَۃِ اَحْمَدٍ	ہیں میری مادر گرامی حضرت فاطمہؑ ہے جو رسالتمآبؐ کی شہزادی ہے
وَعَمِّیْ یُدْعٰی ذُوالْجَنَاحَیْنِ جَعْفَرٗ	اور میرا عم حضرت جعفر ہے جو ذوالجناحین کے نام سے پکارا جاتا
۴۔ وَفِیْنَا کِتَابُ اللّٰہِ اُنْزِلَ صَادِقًا	ہے اللہ کی کتاب ہمارے حق میں سچی گواہی دیتی ہے
وَفِیْنَا الْھُدٰی وَالْوَحْیُ بِالْخَیْرِ یُذْکَرٗ	ہدایت ہم میں ہے اور وحی کی خیر کی خبریں ہمارے حق میں ہیں
۵۔ وَنَحْنُ اَمَانُ اللّٰہِ لِلنَّاسِ کُلِّھِمْ	ہم تمام لوگوں کیلئے اللہ کی امان ہیں ہم ظاہر و پوشیدہ
نُسِرُّ بِھٰذَا فِی الْاَنَامِ وَنَجْھَرٗ	طور پر لوگوں میں اس وصف سے متصف ہیں
۶۔ وَنَحْنُ وُلَاۃُ الْحَوْضِ نُسْقِیْ مُحِبَّنَا	ہم حوض کوثر کے مالک ہیں کہ اپنے دوستداروں
بِکَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَنْ لَیْسَ یُنْکَرٗ	کو پلائیں گے جناب رسالتمآبؐ کے کاس سے اسکو جو
۷۔ اِذَا مَا اَتٰی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ظَامِئًا	منکر نہ ہوگا جب بروز قیامت پیاسا وارد ہوگا حوض کی طرف

اِلَی الْحَوْضِ یُسْقِیْہِ بِکَفَّیْہِ حَیْدَرٗ	تو حیدر کرارؑ اپنے ہاتھوں سے اس کو سیراب کریں گے
۸۔ اِمَامٌ مُّطَاعٌ اَوْجَبَ اللّٰہُ حَقَّہٗ	وہ واجب الاطاعت امام ہیں کہ اللہ نے ان کا حق
عَلَی النَّاسِ جَمْعًا وَالَّذِیْ کَانَ یَنْظُرٗ	واجب کیا ہے تمام لوگوں پر اور وہ جو دیکھنے والا ہے
۹۔ وَشِیْعَتُنَا فِی النَّاسِ اَکْرَمُ شِیْعَۃٍ	اور ہمارے شیعہ لوگوں میں بہترین شیعہ ہیں اور ہمارا دشمن
وَمُبْغِضُنَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَخْسَرٗ	قیامت کے دن خسارہ میں ہوگا۔
۱۰۔ فَطُوْبٰی لِعَبْدٍ زَارَنَا بَعْدَ مَوْتِنَا	ہماری موت کے بعد ہمارے زائرین کو خوشخبری ہے
بِجَنَّاتِ عَدْنٍ صَفْوُھَا لَا یُکَدَّرٗ	جنات عدن کی جن میں عیش کبھی گندلا نہ ہوگا۔

ایک روایت میں ہے۔ مَامِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَزَارَ کَرْبَلَاءَ وَقَالَ فِیْکَ یُدْفَنُ الْقَمَرُ الْاَزْھَرُ۔ یعنی کوئی نبی نہیں گذرا مگر یہ کہ اس نے کربلا کی زیارت کی اور زمین کربلا سے خطاب کر کے کہا تجھ میں ایک روشن چاند دفن ہوگا۔

ایک دفعہ جناب رسالتمآبؐ امام حسینؑ سے پیار کر رہے تھے اور اس سے ہنس رہے تھے تو حضرت عائشہ نے کہا۔ آپؐ کو یہ بچہ کس قدر پیارا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا مجھے کیونکر پیارا نہ ہو۔ حالانکہ میرے دل کا میوہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے لیکن میری امت اس کو بے جرم و خطا قتل کرے گی۔ پس جو شخص اس کی وفات کے بعد اس کی زیارت کرے گا۔ میری حجوں میں سے ایک حج کا ثواب اس کو ملے گا۔ اس نے ازراہ تعجب کہا۔ آپ کی حجوں میں سے ایک حج؟ تو بڑھتے بڑھتے آخر آپ نے فرمایا میری ستر حجوں کا ثواب بمعہ عمروں کے اس کو ملے گا۔

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے ۲۵ حجیں پیادہ کیں۔ آخر ایک حج ایسی کی جو آج تک کسی نے نہ کی۔ ایک نہیں بلکہ پانچ حجیں خاص مناسک کے ساتھ۔ ایسی حج کہ خود مکہ بھی بنے اور منیٰ بھی اور خود موقف بھی ہوئے اور قربان بھی۔ پھر اس کے حاجیوں میں سے سید المرسلینؐ بمعہ عترت طاہرینؑ ہیں ملائکہ مقربین ہیں اور پہلا حاجی

لئے چہلم پر جابر بن عبداللہ انصاری تھے۔

سین ع کی پہلی حج۔ روانگی از مدینہ اس کا میقات قبر رسول ص تھا اور مؤذن خداوندکریم
ھا کہ صحیفۂ شریفۂ الہیہ میں ایسا ہی تھا۔ یَاحُسَیْن ؛ اُخْرُجْ بِقَوْمٍ اِلَی الشَّہَادَۃِ۔
لَاشَہَادَۃَ لَہُمْ اِلَّا مَعَكَ وَ قَاتِلْ حَتّٰی تُقْتَلَ۔ اے حسین ع اپنے ساتھیوں
و لیکر شہادت کی طرف جاؤ کیونکہ آپ کے بغیر ان کی شہادت نہ ہوگی اور جہاد کرو۔
یہاں تک کہ شہید ہو جاؤ۔ نیز اس حج کے مؤذن حضرت رسالت مآب ص بھی تھے چنانچہ
جب حسین ع قبر رسول ص پر آئے۔ خدا سے عرض کی اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قَبْرُ نَبِیِّكَ
الخ۔ تو خواب میں جناب رسالتمآب ص نے فرمایا۔ میرے پیارے حسین ع۔ میں تجھے زمین
کربلا میں مذبوح اور خاک و خون میں غلطاں دیکھ رہا ہوں۔ بیٹا عراق کی طرف جاؤ۔ پس
وطن سے احرام باندھ کر چل دیئے۔

حسین ع کی تیسری مخصوص حج۔ اس حج کی ابتداء روزِ عاشور سے ہوئی مقام احرام
یعنی میقات خیمہ گاہ تھا اور اس کے مؤذن حضرت رسالت مآب ص حضرت علی ع حضرت
امام حسن ع اور حضرت فاطمۃ الزہراء ع تھے۔ چنانچہ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے
اپنے جدنامدار مع صحابہ کبار کے دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں۔ سکان سماء اور باشندگان
ملاءِ اعلیٰ تیری انتظار میں ہیں۔ اور آج تیرا افطار (فاقہ شکنی) ہمارے ہاں ہوگی پس
جلدی کرو اور دیر نہ کرو۔ اور یہ ایک فرشتہ آسمان سے صرف اس لئے آیا ہے کہ ایک
سبز شیشی میں تیرا خون لے کر آسمان کی طرف جائے۔ پس حسین نے لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ
لَبَّیْكَ زبان مبارک پر جاری فرمایا۔ اس حج میں حسین ع نے وہ قربانیاں کیں کہ اولین
میں سے کوئی نہ پیش کر سکا۔ اس حج میں سعی بھی کی اور ہرولہ بھی کیا۔ اس سعی مخصوص
کے لئے سات طواف نہیں بلکہ حسین ع کو ستر طواف کرنے پڑے خیمہ گاہ سے قتل گاہ
تک اور قتل گاہ سے خیمہ گاہ تک۔ (یاحسین)

حسین ع کی چوتھی حج۔ یہ مخصوص حج عاشور کی ظہر کے بعد ہوئی۔ جب اپنی اولاد اعزاء
یار و انصار کی خورد و کلاں اور پیر و جواں قربانیوں سے فارغ ہو چکے اور بہ تنِ تنہا غریب
و فرید باقی بچ گئے۔ اذانِ حج کی صدا کانوں میں گونجی۔ یہ مؤذن جناب شہزادہ علی اکبر ع
ہمشکل پیغمبر ہیں کہ جب حسین ع اس کی لاش پر پہنچے اور تشنگی کے متعلق پوچھا تو
شہزادے نے عرض کی۔ باباجان۔ مجھے نانا نے سیراب کر دیا ہے اور آپ کو اپنے
پاس جلدی سے بلا رہے ہیں اور آپ کے لئے کوثر لئے کھڑے ہیں اور صحیفۂ
الہیہ سے قَاتِلْ حَتّٰی تُقْتَلَ۔ کی آواز بھی گوش حق نیوش میں پہنچ رہی تھی۔
پس آپ نے اس حج کے لئے تیاری کی۔ لباسِ احرام تبدیل کرنے کے لئے خیمہ
اطہر میں تشریف لائے۔ اپنی بہن سے فرمایا۔ اِیْتِیْنِیْ بِثَوْبٍ عَتِیْقٍ لَایَرْغَبُ
فِیْہِ اَحَدٌ مِنَ الْقَوْمِ اَجْعَلُہٗ تَحْتَ ثِیَابِیْ لِئَلَّا اُجَرَّدَ مِنْہُ بَعْدَ قَتْلِیْ
فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُ النِّسَاءِ بِالْبُکَاءِ وَالنَّحِیْبِ ثُمَّ اُوْتِیَ بِثَوْبٍ فَخَرَقَہٗ مِنْ
اَطْرَافِہٖ وَجَعَلَہٗ تَحْتَ ثِیَابِہٖ وَکَانَ لَہٗ سِرْوَالٌ جَدِیْدٌ فَخَرَقَہٗ اَیْضًا
لِئَلَّا یُسْلَبَ مِنْہُ۔

اے بہن ! مجھے ایسا پرانا لباس لا دیجئے جو کسی شخص کو پسند آنے کے
قابل نہ ہو میں اس کو کپڑوں کے نیچے پہنوں گا تاکہ بعد از قتل برہنہ نہ کیا جاؤں یہ
سنتے ہی اہل حرم کے رونے اور فریاد کرنے کی آواز بلند ہوئی۔ پس ایک لباس پیش
کیا گیا جس کو آپ نے اطراف سے پارہ پارہ کر دیا اور لباس کے نیچے پہن لیا اور
اپنے نئے زیر جامہ کو بھی پارہ پارہ کر دیا تاکہ اتارا نہ جائے۔ یہ تھا حسین ع کا لباس
احرام اور زبان حال سے لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ کہہ رہے تھے کہ اللہ میں
اپنے آگے اپنی اولاد بھائیوں۔ بھتیجوں اور یار و انصار کو بھیج چکا ہوں ان میں کوئی
بھی میرے پاس موجود نہیں۔ اے اللہ اب میں خود حاضر ہوں اب اپنے پیچھے

صرف عورتیں اور پیاسے بچے چھوڑ رہا ہوں جو حیران و سرگرداں ہیں۔ ان کا نہ کوئی ناصر ہے اور نہ مددگار۔ پس گھوڑے پر سوار ہوئے اور موقف حج پر ایسا وقوف کیا کہ عرفہ مشعر اور منیٰ میں کسی نے ایسا وقوف نہیں کیا اور نہ کسی میدان کارزار میں کوئی ایسا وقوف کر سکا۔ اور زبان حال سے کلمات جاری تھے۔ اے اللہ میں حاضر ہوں تیرے لئے میں نے ایسا احرام باندھا ہے کہ سر کو بدن کی سواری کی ضرورت نہیں میرے بدن کو پاؤں پر کھڑے ہونے کی حاجت نہیں۔ میرے ہاتھوں نے چیزوں کے پکڑنے سے احرام باندھ لیا ہے۔ لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ۔ تیرے لئے میرے جگر نے پانی سے احرام باندھا ہے اور میرے بالوں نے خضاب سے احرام باندھا ہے میرے جوڑوں نے ایک دوسرے کے اتصال سے احرام باندھا ہے پس اپنے منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ نہ حلق کے ارادہ سے بلکہ سر کٹانے کی نیت سے اور نفیس ترین قربانی یعنی اپنے نفس نفیس کو نحر کے لئے پیش فرمایا۔ حسینؑ کی پانچویں حج۔ حسینؑ کی یہ حج۔ حج اکبر تھی جو نہ کسی کو نصیب ہوئی اور نہ ہوگی اس کا مؤذن خداوند عالم تھا۔ یَآ اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ اس کے احرام کا وقت عصر عاشورہ تھا جبکہ روح پاک بدن سے پرواز کر چکی تھی۔ سلاحِ جنگ اتر چکے تھے تمام زینتیں ترک ہو چکی تھیں حتیٰ کہ انگوٹھی بھی اور صرف انگوٹھی نہیں بلکہ وہ انگلی بھی جس میں انگوٹھی تھی لباس اتر چکا تھا حتیٰ کہ لباس احرام بھی جس کو حفاظت کے لئے پارہ پارہ کیا تھا۔ ہاں ایک نیا لباس پہن لیا تھا اور وہ تھا خاک و خون کا لباس جو تا محشر زیب تن فرمایا۔ یہی وجہ تھے کہ ان کی زیارت حج کے برابر قرار دی گئی۔

(ملخص خصائص و فوائد المشاہد)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

سترہویں مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین ط

پچھلی مجلس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت علیؑ کے ساتھ ہونے کا مطلب وہی ہے جو رسولؐ کے ساتھ ہونے کا ہے کیونکہ قرآن جس کے کلام خدا ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں اور خداوند عالم نے بار بار چیلنج کیا کہ اگر تمہیں اس کے کلام اللہ ہونے میں کچھ شک ہے تو تم بھی اس جیسی کوئی کتاب لاؤ یا ایک سورہ ہی لاؤ اور باوجود فصاحت و بلاغت پر ناز کرنے کے قرآن کے مقابلہ کی جرأت نہ کرنا ان کا عملی اعتراف تھا کہ یہ کلام کلام لبشر نہیں بلکہ کلام خدا ہے۔

اسی کلام مقدس میں جناب علیؑ کو نفس رسول کہا گیا جیسا کہ آیت مباہلہ میں اَنْفُسَنَا اس امر کا شاہد بیّن ہے۔ پس علیؑ کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت ثابت ہوئی بلکہ جناب رسالت مآبؐ نے جناب علی کو جامع کمالاتِ انبیاء فرمایا۔ چناں چہ ارشاد ہے۔

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی آدَمَ فِیْ عِلْمِہٖ وَاِلٰی نُوْحٍ فِیْ عَزْمِہٖ وَاِلٰی اِبْرَاھِیْمَ فِیْ حِلْمِہٖ وَاِلٰی مُوْسٰی فِیْ ھَیْبَتِہٖ وَاِلٰی عِیْسٰی فِیْ زُھْدِہٖ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ [1]	جو چاہے کہ آدمؑ کو اپنے علم میں اور نوحؑ کو اپنے عزم میں اور ابراہیمؑ کو اپنے حلم میں اور موسیٰؑ کو اپنی ہیبت میں اور عیسیٰؑ کو اپنے زہد میں دیکھوں تو علیؑ ابن ابیطالب کی طرف دیکھے۔

[1] احمد بن حنبل۔ ابونعیم در فضائل صحابہ بیہقی۔ ابن مغازلی۔ فردوس الاخبار۔ خصائص نطنزی مناقب اخطب خوارزم۔ مطالب السئول۔ الریاض النضرہ۔ مودۃ القربیٰ۔ ہدایۃ السعداء الفصول المہمہ قرۃ العین شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی یہ حدیث منقول ہے۔

جابر سے منقول ہے کہ جنابِ رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى اِسْرَافِيْلَ فِيْ هَيْبَتِهٖ وَاِلٰى مِيْكَائِيْلَ فِيْ رُتْبَتِهٖ وَاِلٰى جِبْرَائِيْلَ فِيْ جَلَالَتِهٖ وَاِلٰى آدَمَ فِيْ عِلْمِهٖ وَاِلٰى نُوْحٍ فِيْ حُسْنِهٖ وَ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ فِيْ خُلَّتِهٖ وَاِلٰى يَعْقُوْبَ فِيْ حِلْمِهٖ وَاِلٰى يُوْسُفَ فِيْ جَمَالِهٖ وَاِلٰى مُوْسٰى فِيْ مُنَاجَاتِهٖ وَاِلٰى اَيُّوْبَ فِيْ صَبْرِهٖ وَاِلٰى يَحْيٰى فِيْ زُهْدِهٖ وَ اِلٰى عِيْسٰى فِيْ سُنَنِهٖ وَاِلٰى يُوْنُسَ فِيْ وَرَعِهٖ وَاِلٰى مُحَمَّدٍ فِيْ حَسَبِهٖ وَ خُلُقِهٖ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى عَلِيٍّ فَاِنَّ فِيْهِ تِسْعِيْنَ خَصْلَةً مِنْ خِصَالِ الْاَنْبِيَاءِ جَمَعَ اللّٰهُ فِيْهِ وَلَمْ يَجْمَعْ فِيْ اَحَدٍ غَيْرِهٖ وَعُدَّ جَمِيْعُ ذٰلِكَ فِيْ جَوَاهِرِ الْاَخْبَارِ (مودۃ القربیٰ)

جو چاہے کہ اسرافیل کو اپنی ہیبت میں دیکھوں اور میکائیل کو اپنے رتبہ میں اور جبرئیل کو اپنے جلال میں اور آدم کو اپنے علم اور نوح کو اپنے حسن میں اور ابراہیم کو اپنی خلت میں اور یعقوب کو اپنے حوصلے میں اور یوسف کو اپنے جمال میں اور موسیٰ کو اپنی مناجات میں اور ایوب کو اپنے صبر میں اور یحییٰ کو اپنے زُہد میں اور عیسیٰ کو اپنے طریقہ میں اور یونس کو اپنے تقویٰ میں اور محمدؐ کو اپنے حسب و خلق میں تو وہ علیؑ کو دیکھے کیونکہ اس میں انبیاء کے کمالات میں سے نوے کمال ہیں جو خدا نے اس میں جمع کئے ہیں کہ اس کے غیر میں وہ جمع نہیں کئے اور جواہر البیان میں ان تمام کو شمار کیا گیا ہے۔

حضرت علیؑ کی فوج کے علمبردار حارث اعور سے منقول ہے کہ ہم نے سُنا ہے ایک مرتبہ حضرت رسالت مآبؐ مجمع اصحاب میں تشریف فرما تھے اور فرمایا کہ اُرِیْكُمْ آدَمَ فِيْ عِلْمِهٖ وَنُوْحًا فِيْ فَهْمِهٖ وَعِيْسٰى فِيْ حِكْمَتِهٖ۔ یعنی میں تم کو ایک شخص دکھاتا ہوں جو علم میں آدم فہم میں نوح اور حکمت میں عیسیٰ ہو تو اتنے

میں حضرت علیؑ بھی تشریف لے آئے۔ حضرت ابوبکر نے عرض کی حضورؐ! آپؐ نے ایک ہی شخص کو تین رسولوں کے برابر قرار دے دیا۔ واہ کیا کہنے اس شخص کے جس کی شخصیت اس قدر عظیم ہو۔ ذرا فرمائیے تو سہی کہ وہ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا کیا تو اس کو نہیں پہچانتا؟ عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتا ہے تو آپؐ نے فرمایا وہ ابوالحسن علیؑ ابن ابی طالب ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ کو مخاطب کرکے کہا۔ بَخٍّ بَخٍّ لَكَ يَا اَبَا الْحَسَنِ مَنْ مِثْلُكَ يَا اَبَا الْحَسَنِ۔ مبارک مبارک اے ابوالحسن اور تجھ جیسا کون ہو سکتا ہے اے ابوالحسن۔ (کتاب المناقب اخطب خوارزم توضیح الدلائل شہاب الدین احمد)

يُدَلُّ بِمَعْنًى وَاحِدٍ كُلُّ فَاخِرٍ ۔۔۔ وَقَدْ جَمَعَ الرَّحْمٰنُ فِيْكَ الْمَعَالِيَا

ہر صاحبِ فخر کی ایک صفت سے پہچان ہوتی ہے لیکن تجھ میں تو خدا نے تمام کمالات جمع فرما دیئے۔

؎ حُسن یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری ۔۔۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے میرے بھائی علیؑ کو اس قدر فضائل عطا فرمائے ہیں کہ وہ شمار نہیں کئے جا سکتے۔ پس جو شخص اس کے فضائل میں سے ایک فضیلت کا ذکر کرے۔ خداوند کریم اس کے تمام سابق و لاحق گناہ بخش دے گا اور جو شخص حضرت علیؑ کے فضائل میں سے ایک فضیلت کو سنے تو اس کے کانوں کے گناہ معاف ہوں گے اور جو شخص حضرت علیؑ کے فضائل میں سے ایک فضیلت کی طرف نظر کرے تو اس کی آنکھوں کے گناہ معاف ہوں گے پھر فرمایا علی کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور اس کا ذکر عبادت ہے۔ خدا کسی عبد کے

ایمان کو قبول نہیں فرماتا جب تک کہ اس میں ولاءِ علیؑ نہ ہو اور اس کے دشمنوں سے بیزاری نہ ہو۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اگر تمام درخت قلمیں تمام سمندر سیاہی۔ تمام جن حساب کرنے والے اور تمام انسان لکھنے والے ہو جائیں تو علیؑ ابن ابی طالب کے فضائل ختم نہ ہو سکیں گے۔

(مناقب خوارزمی)

بُرا ہو حسد کا جب دیکھا کہ حضرت علیؑ کے متعلق اس قسم کے فضائل منسوب ہیں تو ان کے منہ میں بھی پانی بھر آیا۔ پس حدیثیں بنانا شروع کر دیں۔ چنانچہ حضرت علیؑ کی اخوت والی حدیث کے مقابلہ میں حدیث گھڑ دی کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو فلاں بڑے میاں کو بناتا اسی طرح سدّ الابواب والی حدیث بھی ان کے لئے وضع کر لی حتیٰ کہ کاغذ و قلم دوات والی حدیث بھی ان کے حق میں لکھ ڈالی کہ آپؐ نے فرمایا میں بڑے میاں کے لئے کچھ لکھنا چاہتا ہوں تاکہ تم میں اختلاف کا دروازہ بند ہو جائے۔

رسولؐ کی اتباع کرنے والوں کے خداوند کریم نے اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں فرمایا وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ۔ وہ لوگ جو رسولؐ کے ساتھ ہیں یعنی ان کے اطاعت گذار ہیں ان کی علامتیں یہ ہیں۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ وہ کافروں پر بہت سخت ہیں۔ اب ذرا جائزہ لیجئے۔ جنگ احد کا نقشہ پیش کرتے ہوئے طبری اپنی تاریخ میں رقمطراز ہے۔ فَانْحَازَ اَبُوْبَکْرٍ اِلٰی اَجَمَۃٍ فَاسْتَتَرَ بِھَا ثُمَّ ھَزَمَ اللّٰہُ الْمُشْرِکِیْنَ۔ کہ حضرت ابوبکر کچھ جھاڑیوں کی طرف چلے گئے اور وہاں چھپے رہے۔ یہاں تک کہ خدا نے مشرکین کو پسپا کر دیا۔ اس پہلی وصف میں پہلے بزرگوار کی حالت معلوم ہو گئی۔ اب دوسری وصف میں ایک دوسرے صاحب کو ملاحظہ فرمائیے۔ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔ کہ وہ آپس میں رحیم ہیں اور حسنِ سلوک

کے حامل ہیں۔ ابن ابی الحدید۔ نہج البلاغۃ کے خطبہ شقشقیہ کی شرح میں لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ چند عورتیں حضرت رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر تھیں اور ان کی آواز قدرے بلند ہوئی تو حضرت عمر آ گئے جونہی انہوں نے دیکھا بھاگ کھڑی ہوئیں تو انہوں نے کہا کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسولِ خداؐ سے نہیں ڈرتیں۔ وہ کہنے لگیں ہاں بے شک ایسا ہی ہے کیونکہ تو اغلظ ہے۔

تاریخ خمیس میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر آ رہے تھے ان کے ہاتھ میں درّہ تھا تو سعد بن ابی وقاص ان کی تعظیم کے لئے کھڑا نہ ہوا۔ پس اس کے سر پر درّہ مارنا شروع کیا اور فرمایا کہ اگر تیرے دل میں خلافت کا رعب نہیں تو میں تجھے بتانا چاہتا ہوں کہ خلافت تجھ سے مرعوب نہیں ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ ابی ابن کعب کسی طرف جا رہا تھا اور اس کی قوم اس کے پیچھے تھی تو اس کو بھی درّے مارے۔ شرح ابن ابی الحدید میں ہے کہ حضرت عمر نے درّہ کو سب سے پہلے حضرت ابوبکر کی بہن ام فروہ بنت ابی قحافہ پر استعمال کیا۔ جب ابوبکر کی وفات ہوئی تو عورتیں رو رہی تھیں۔ اور ام فروہ بھی ان میں شامل تھی تو حضرت عمر نے ان کو کئی مرتبہ رونے سے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئیں۔ پس ام فروہ کو علیحدہ کر کے اس پر جب درہ رسید کیا تو عورتیں بھاگ گئیں اور یہ مثل مشہور تھی کہ حجاج بن یوسف کی تلوار سے حضرت عمر کا درہ زیادہ خوفناک تھا۔

ہاں بے شک اسی کی ہمت سے حضرت ابوبکر کی خلافت پروان چڑھی اور سقیفہ میں جو کچھ انہوں نے کیا وہ تاریخ میں موجود ہے۔ اور حضرت علیؑ کے گھر میں جن لوگوں نے پناہ لی تھی ان کو وہاں سے زبردستی نکالا۔ بلکہ نفسِ رسولؐ اور بضعۃ الرسولؐ کو دھمکیاں بھی دیں لوگوں نے کہا اس گھر میں فاطمہؑ ہے تو کہا ہے کہ ہوا کرے۔ پس لوگ نکلے اور انہوں نے بیعت کر لی سوائے حضرت علیؑ

کے۔انہوں نے فرمایا۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ اپنے کندھے پر ردا نہ ڈالوں گا جب تک قرآن مجید کو جمع نہ کر لوں۔ (الامامۃ والسیاسۃ) ان کو جلانا چاہا جن کے متعلق رسولؐ خدا کا فرمان تھا علی مع القرآن والقرآن مع علی اور ثقلین کی ہتک حرمت پر لوگوں کو جرأت دلائی اور اہل بیتؑ پر ظلم و جور کی بنیاد اس نے ہی رکھی اور اہل بیتؑ پر وارد شدہ تمام مصائب درحقیقت رسالت مآبؐ پر وارد تھے کیونکہ علیؑ نفس رسولؐ جناب بتول بضعۃ الرسولؐ اور حسنینؑ ریحان رسولؐ تھے جیسا کہ منقول ہے۔ ہاں اسی بی بی کے دروازہ پر آگ لگائی گئی۔ جو عالمین کی عورتوں کی سردار تھی اور جس کے حق میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ یہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو اذیت دی گویا اس نے مجھے ایذاء پہنچائی۔

جب صحنِ رسولؐ میں آتی تھیں تو حضورؐ تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ مرحبا کہتے۔ بوسہ دیتے اور اپنی مسند پر جگہ دیتے تھے آج اسی بی بی کی آواز آرہی ہے۔

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّھَا صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

میرے اُوپر وہ مصائب آئے ہیں کہ اگر دنوں پر آتے تو وہ سیاہ راتیں بن جاتے۔ مجبور ہو کر حجرہ مبارک سے قدم باہر رکھا اور مسجد کا قصد فرمایا۔ جناب زینب روایت فرماتی ہیں کہ جب سُنا کہ میرا حق فدک غصب ہوا ہے برقعہ پہنا اور چند کنیزوں اور اپنی قوم کی مستورات کے زمرہ میں مسجد کی طرف روانہ ہوئیں کہ چادر کا دامن زمین پر خط دے رہا تھا اور رفتار بعینہٖ رسولؐ کی رفتار معلوم ہوتی تھی جب قریب پہنچیں دیکھا کہ مسجد مہاجر و انصار سے پُر ہے۔ پس سامنے چادر تان کر پردہ بنا لیا۔ پھر بلند آواز سے رونا شروع کیا کہ تمام حاضرین پر گریہ کا عالم طاری ہو گیا۔ پھر جب لوگوں میں سکوت ہوا نہ معلوم بی بی کے لئے کوئی

شخص اٹھا بھی سہی یا نہیں۔ پس بی بی نے خطبہ شروع فرمایا۔ جس میں اپنا تعارف کرا لیا۔ اور فرمایا۔ یابن ابی قحافہ افی کِتَابِ اللّٰہِ تَرِثُ اَبَاکَ وَلَا اَرِثُ اَبِی الخ اے ابن ابی قحافہ کیا قرآن مجید کی رو سے تو اپنے باپ کا وارث ہو سکتا ہے اور میں اپنے باپ کی وارث نہیں ہوں۔ یقیناً تو جھوٹ کہتا ہے۔

(ابن ابی الحدید)

کسی کے مر جانے کے بعد تعزیت سنت ہے اور طعام بھیجنا بھی سنت ہے لیکن حسنین کی طرف طعام اور تعزیت کا پیغام وہ آگ تھی جو دروازہ کو لگائی گئی۔ نفس رسولؐ کو مسجد کوفہ میں پھر امام حسنؑ کو زہر سے اور امام حسینؑ کو کربلا میں تیغ ستم سے شہید کر ڈالا اور جناب سیدہ طاہرہؑ کی قبر اسی بنا پر معرض خفا میں رکھی گئی۔ نیز حضرت امیر علیہ السلام کی قبر پاک بھی مخفی رہی یہاں تک کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے نشاندہی فرمائی۔ امام حسنؑ کے جنازہ پر تیر برسائے گئے اور حضرت سید الشہداءؑ کے جنازہ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ نطاق بیان سے باہر ہے۔

ابن زیاد نے عمر سعد کو لکھا کہ قتل کے بعد امام مظلوم کی لاش پر گھوڑے دوڑائے جائیں کیونکہ وہ ہمارا نافرمان تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ مرنے کے بعد ان باتوں سے تکلیف تو نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ میں کہہ چکا ہوں لہٰذا ضرور پورا کرونگا۔

عمر سعد نے اپنی فوج میں ندا بلند کی تو دس گھوڑے سوار اُٹھے اور انہوں نے اس ظلم کے سرانجام دینے کا ارادہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ روایت میں ہے جناب فاطمہ زہراءؑ امام حسینؑ کو ہر روز روتی ہے اور بی بی کا گریہ قیامت تک رہے گا اور وہ حسینؑ پر رونے کی آخری مجلس ہو گی۔ چنانچہ ندا آئے گی۔ غُضُّوْا اَبْصَارَکُمْ حَتّٰی تَجُوْزَ فَاطِمَۃُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ۔ اے اہل محشر آنکھیں بند کر لو تاکہ فاطمہ بنت محمدؐ گذر جائے۔ پس جب تشریف لائیں گی اور جنت میں داخل ہونے

کا حکم ہوگا تو بی بی عرض کرے گی۔ لَاۤ اَدْخُلُ حَتّٰی اَعْلَمَ مَا صُنِعَ بِوَلَدِیْ مِنْ بَعْدِیْ میں جنت میں داخل نہ ہوں گی جب تک دیکھ نہ لوں کہ میرے بعد میری اولاد سے کیا کیا گیا ہے۔ پس آواز آئے گی۔ اُنْظُرِیْ فِیْ قَلْبِ الْمَحْشَرِ محشر کے وسط میں دیکھو۔ فَاِذَا الْحُسَیْنُ قَآئِمٌ بِلَا رَاسٍ وَّاَوْدَاجُهٗ تَشْخَبُ دَمًا۔ پس نظر کریں گی تو دیکھیں گی کہ حسینؑ سر کے بغیر کھڑے ہیں اور ان کی رگ ہائے گردن سے تازہ خون جاری ہے۔ فَاِذَا رَاَتْهُ صَرَخَتْ صَرْخَةً وَّرَمَتْ نَفْسَهَا عَنْ نَاقَتِهَا۔ پس دیکھتے ہی ایک آواز گریہ بلند کریں گی اور ناقہ سے گر جائیں گی۔ حضرت رسالت مآبؐ فرماتے ہیں۔ ان کے گریہ سے میں بھی گریہ کروں گا۔ اور ملائکہ بھی گریہ کریں گے پھر حسینؑ کی قمیص کو ہاتھوں پر رکھ کر بی بی فریاد کرے گی میرے اللہ هٰذَا قَمِیْصُ وَلَدِیْ۔ یہ میرے فرزند کی قمیص ہے۔ ہاں زہرا کے دل کو جو چیز زیادہ دردناک کرتی ہے کہ مقام شہادت میں قمیص حسینؑ کو پیش فرمایا۔ یا تو اس لئے کہ خون سے ملطخ ہوگی یا اس لئے کہ اس میں تیروں تلواروں نیزوں پتھروں اور گھوڑوں کے سموں کی وجہ سے جگہ جگہ شگاف ہوں گے اور یا اس لئے کہ باوجود اس قدر خستہ حال ہونے کے بھی جسد اطہر سے اتار لی گئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اٹھارہویں مجلس

حضرت حسینؑ کی تنہائی و بے کسی

نَظَرَ یَمِیْنًا فَلَمْ یَرَ اَحَدًا — وَنَظَرَ شِمَالًا فَلَمْ یَرَ اَحَدًا

دائیں دیکھا کوئی نظر نہ آیا — بائیں دیکھا کوئی نظر نہ آیا۔

فقال۔ تو آواز بلند فرمائی۔ هَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا۔ کیا کوئی ہے جو ہماری مدد کرے۔ هَلْ مِنْ مُجِیْرٍ یُجِیْرُنَا۔ کیا کوئی پناہ دینے والا ہے جو ہمیں پناہ دے هَلْ مِنْ ذَابٍّ یَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللهِ۔ کیا کوئی رحم دل ہے جو حرم رسولؐ کے لئے رحمدلی کرے۔ هَلْ مِنْ مُوَحِّدٍ یَخَافُ اللهَ فِیْنَا۔ کیا کوئی ہے خداپرست جو ہمارے بارے میں اللہ کا خوف کرے۔ هَلْ مِنْ مُغِیْثٍ یَرْجُوا اللهَ فِیْ اِعَانَتِنَا کیا کوئی فریادرس ہے جو ہماری اعانت سے اللہ کی بخشش کی امید کرتا ہو۔

اس استغاثہ کا خیر مقدم کون کرتا تمام دشمن تھے سوائے تیر و تبر نیزہ و تلوار کے دوسرا جواب نہ ملا۔ البتہ ایمان رکھنے والی قیامت تک کی روحیں یہ صدائے استغاثہ سن کر لَبَّیْكَ دَاعِیَ اللهِ۔ کہہ رہی تھیں۔ بے شک حضرت قائم آل محمدؐ اس استغاثہ کا خیر مقدم کریں گے۔ ان کی آواز آتی ہے۔ آہ آہ یا جداہ لَئِنْ اَخَّرَتْنِیْ عَنْكَ الدُّهُوْرُ وَعَاقَتْنِیْ عَنْ نَصْرِكَ الْمَقْدُوْرُ وَلَمْ اَكُنْ لِمَنْ حَارَبَكَ مُحَارِبًا وَّمَنْ نَصَبَ لَكَ الْعَدَاوَةَ مُنَاصِبًا فَلَاَنْدُبَنَّكَ صَبَاحًا وَّمَسَاءً وَّلَاَبْكِیَنَّ لَكَ بَدَلَ الدُّمُوْعِ دَمًا۔ سرد آہ کھینچتے ہوئے! اے جد نامدار اگر مجھے زمانہ نے آپ سے موخر کر دیا۔ اور تقدیر نے مجھے آپ کی نصرت سے روک دیا اور میں آپ کے محاربین اور دشمنوں سے جہاد نہ کر سکا۔ اب آپ کے غم میں صبح و شام گریہ کروں گا اور آنسو کے بدلے خون

روؤں گا۔

پھر سر بریدہ لاشوں کی طرف حسرت ویاس کی نظر اٹھا کر ان کو خطاب کر کے فرمایا۔ یا مسلم بن عقیل و یا ھانی بن عروہ و حبیب ابن مظاھر و یا زھیر بن القین و یا یزید بن مظاھر و یا یحییٰ بن کثیر و یا ھلال بن نافع و یا ابراھیم بن الحصین و یا عمرو بن المطاع و یا اسد الکلبی و یا عبد اللہ بن عقیل و یا مسلم بن عوسجہ و یا داؤد بن طرماح و یا حر الریاحی و یا علی بن الحسین و یا اَبطالَ الصفا و یا فُرسان الھیجاء۔ ہر ایک کو نام سے پکار کر فرمایا اے میدان کارزار کے بہادرو! اے عرصہ حرب و ضرب کے شاہسوارو! مَالِیْ اُنَادِیْکُمْ فَلَا تُجِیْبُوْنِیْ وَاَدْعُوْکُمْ فَلَا تَسْمَعُوْنِیْ۔ کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں آواز دیتا ہوں اور تم جواب نہیں دیتے اور میں تمہیں بلاتا ہوں اور تم نہیں سنتے کیا تم محو خواب ہو کہ تمہاری بیداری کی امید کروں یا تمہاری محبت میں تبدیلی واقع ہوئی ہے کہ نصرت نہیں کرتے ہو۔ یہ دیکھو رسولؐ کی شہزادیاں تمہاری موت کی وجہ سے نڈھال ہو چکی ہیں اے کرام اپنی نیند سے اٹھو۔ اور ان کینوں کو حرم رسولؐ سے دفع کرو۔ ہاں بیشک تم مجبور ہو کیونکہ تم جام شہادت پی چکے ہو۔ ورنہ تم میری ندا سے کوتاہی نہ کرتے اور نہ میری مدد سے پیچھے ہٹتے۔ اب ہم تمہارے غم میں مبتلا ہیں اور عنقریب تمہارے ساتھ ملحق ہونے والے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۳)

خیمہ میں تشریف لائے اور اہل حرم سے وداع کیا فرمایا۔ اَللّٰہُ خَلِیْفَتِیْ عَلَیْکُمْ اپنی بہن سے فرمایا کہ میرے بعد اگر یتیم بچے ادھر اُدھر متفرق ہو جائیں تو ان کو اکٹھا کرنا (مجالس المتقین) فرمایا بہن۔ میرے بعد تمہارا گریہ طویل ہو گا۔ اِیْتِیْنِیْ بِثَوْبٍ عَتِیْقٍ لَا یَرْغَبُ فِیْہِ اَحَدٌ۔ مجھے پُرانا لباس لا دیجئے۔

جس میں کوئی رغبت نہ کرے۔ پس جب بی بی نے پرانا لباس حاضر کیا تو امام نے اس کو پارہ پارہ کیا پھر زیب تن فرمایا۔

حضرت سجادؑ کے خیمہ میں تشریف لائے (شہزادہ نے باپ کا استقبال کیا اور پھر باپ کی حالت سے متاثر ہو کر پوچھا) اَیْنَ عَمِّیَ الْعَبَّاسُ۔ میرے چچا عباس کہاں گئے؟ (آپ نے فرمایا اے لخت جگر وہ شہید ہو چکے ہیں پھر دوسرے اقرباء کے متعلق یکے بعد دیگرے پوچھا تو آپ نے فرمایا سب شہید ہو گئے۔) پس اس وقت خیموں میں صرف میں اور تو باقی ہیں۔ (یہ سنتے ہی حضرت سجادؑ کو جوش آیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔) عَلَیَّ بِالسَّیْفِ وَالْعَصَا لَا خَیْرَ فِی الْحَیٰوۃِ بَعْدَہٗ۔ مجھے تلوار اور عصا دیجئے کیونکہ بابا جان کے بعد زندہ رہنے میں کوئی بہتری نہیں (عصا طلب فرمایا کیونکہ بیمار تھے۔ یعنی عصا کے سہارے سے میدان کارزار میں جاؤں گا اور پھر تلوار سے جہاد کروں گا) امام نے تسکین دی۔ وَضَمَّہٗ اِلٰی صَدْرِہٖ۔ اور سینے سے لگایا اور فرمایا۔ اَنْتَ خَلِیْفَتِیْ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ الْعِیَالِ وَالْاَطْفَالِ۔ تو ان بیواؤں اور بچوں پر میری طرف سے میرے بعد نگہداری کرنے والا ہے۔ فَاِنَّھُمْ غُرَبَاءُ مَخْذُوْلُوْنَ۔ یہ عالم غربت میں بے کس و بے بس ہو جائیں گے۔ ثُمَّ لَزِمَہٗ بِیَدِہٖ وَصَاحَ بِاَعْلٰی صَوْتِہٖ۔ اپنے بیمار فرزند کا امام نے ہاتھ پکڑا اور بلند آواز سے اہل حرم کو ندا دی۔ یَا زَیْنَبُ وَیَا اُمَّ کُلْثُوْمٍ وَیَا سَکِیْنَۃُ وَیَا رُقَیَّۃُ وَیَا فَاطِمَۃُ اِسْمَعْنَ کَلَامِیْ وَاعْلَمْنَ اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا خَلِیْفَتِیْ عَلَیْکُمْ وَھُوَ اِمَامٌ مُفْتَرَضُ الطَّاعَۃِ۔ اے زینب اے ام کلثوم اے سکینہ اے رقیہ اے فاطمہ میری بات سنو اور یقین جانو کہ تحقیق میرا یہ فرزند میرے بعد میرا جانشین ہے اور تمہارا واجب الاطاعت امام ہے پھر اپنے فرزند کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ یَا وَلَدِیْ بَلِّغْ شِیْعَتِیْ عَنِّی السَّلَامَ وَقُلْ

إِنَّ أَبِي مَاتَ غَرِيبًا فَانْدُبُوهُ وَمَضَى شَهِيدًا فَابْكُوهُ۔ اے میرے فرزند میرے شیعوں کو میرے سلام دینا اور ان کو کہنا کہ میرا باپ عالم غربت میں مر گیا ہے پس اس پر گریہ کرو اور وہ شہید ہو چکا ہے۔ اس کو رویا کرو۔ (دمعۂ ساکبہ)

پس جلال محمدیؐ، سطوت علویؑ، جمال احمدیؐ، صولت حیدریؑ، بہجت حسنیؑ عصمت فاطمیؑ اور شجاعت حسینیؑ کا مجسمہ ہو کر آمادہ میدان ہوئے۔ جناب سکینہ خاتونؑ نے عرض کی۔ يَا أَبَتِ مَهْلًا تَوَقَّفْ حَتَّى أَتَزَوَّدَ مِنْ نَظَرِي إِلَيْكَ بابا جان ذرا ٹھہر جائیے تاکہ ایک دفعہ جی بھر کر آپ کی زیارت کروں تاکہ میری تسلی کے لئے یہ زاد ہو جائے۔ یہ وہ سکینہ ہے جس کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے۔

لَعَمْرُكَ إِنَّنِي لَأُحِبُّ دَارًا   تَكُونُ بِهَا السَّكِينَةُ وَالرَّبَابُ

بقسم مجھے وہ گھر محبوب ہے جس میں سکینہ اور رباب موجود ہوں۔ پس بچی کو سینے سے لگا لیا اور اپنی آستین مبارک سے شہزادی کے بہتے ہوئے آنسو پونچھے اور فرمایا۔

سَيَطُولُ بَعْدِي يَا سَكِينَةُ فَاعْلَمِي
مِنْكِ الْبُكَاءُ إِذَا الْحِمَامُ دَهَانِي
لَا تُحْرِقِي قَلْبِي بِدَمْعِكِ حَسْرَةً
مَا دَامَ مِنِّي الرُّوحُ فِي جُثْمَانِي
فَإِذَا قُتِلْتُ فَأَنْتِ أَوْلَى بِالَّذِي
تَأْتِينَهُ يَا خَيْرَةَ النِّسْوَانِ
لَكِنْ صَبْرًا يَا سَكِينَةُ فِي الْقَضَا
هَا نَحْنُ أَهْلُ الصَّبْرِ وَالْإِحْسَانِ

اے سکینہ میرے مرنے کے بعد جان لے کہ تیرا گریہ طویل ہوگا۔ جب تک میرے جسم میں روح ہے میرے دل کو اپنے آنسو سے حسرت زدہ نہ کر جب میں شہید ہو جاؤں تو تو زیادہ سزاوار ہے اس کی جو تو بجا لائے۔ اے عورتوں کی سردار اے سکینہ تقدیر پر صبر کرو۔ کیونکہ ہم صبر و احسان والے ہیں۔

پس وداع کر کے روانہ ہوئے۔ جب لاش ہائے شہداء کے قریب سے گذرے تو اپنے جوان فرزند کو حسرت بھری نگاہوں سے خاک و خون میں غلطاں دیکھا اور ارشاد فرمایا۔ أَمَّا أَنْتَ يَا بُنَيَّ فَقَدِ اسْتَرَحْتَ مِنْ هَمِّ الدُّنْيَا وَغَمِّهَا وَبَقِيَ أَبُوكَ غَرِيبًا۔ اے فرزند عزیز تو نے دنیا کے ہم و غم سے نجات پالی ہے اب تیرا باپ اکیلا و تنہا رہ گیا ہے۔

پس گھوڑے پر سوار ہوئے اور میدان کارزار میں وہ وقوف کیا جو آج تک اپنے مولا کے سامنے کسی کو نہ نصیب ہوا نہ منیٰ و عرفہ و مشعر میں اور نہ کسی میدان جنگ میں۔ اب حسینؑ زندگی کو خیر باد کہہ کر پوری طرح موت پر کمر بستہ ہے۔

شیر خوار کی شہادت

تذکرۂ سبط ابن جوزی میں ہشام کلبی سے مروی ہے کہ جب حسینؑ نے دیکھا کہ لوگ میرے قتل پر آمادہ ہیں تو قرآن مجید کو کھول کر سر پر رکھا اور باآواز بلند صدا دی کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے اور میں تمہارے رسولؐ کا فرزند ہوں۔ بتاؤ میرے خون کو کیوں حلال سمجھتے ہو؟ اتنے میں آپ نے اپنے شیر خوار بچے کی گریہ کی آواز سنی۔ جو پیاس سے رو رہا تھا پس اس کو ہاتھوں پر اٹھایا اور فرمایا اے قوم اگر تم میرے اوپر رحم نہیں کرتے تو اس شیر خوار بچے پر تو رحم کرو۔ اس کا جواب کیا ملا؟ ایک ملعون نے تیر جفا سے بچہ کو باپ کی گود میں ہی شہید کر ڈالا۔ امام علیہ السلام رو دیئے اور بارگاہ خدا میں عرض کی۔ اے میرے پروردگار میرے اور اس قوم کے درمیان تو ہی فیصلہ کرنا جنہوں نے ہم کو دعوت دی اور ہماری نصرت سے دست بردار ہو کر ہمارے قتل کے درپے ہوئے۔ پس فضا سے ایک آواز آئی۔ دَعْهُ يَا حُسَيْنُ فَإِنَّ لَهُ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ۔ اے حسینؑ اس کی دایہ جنت میں موجود ہے (نفس المهموم صـ۱۸۵) ممکن ہے اس دایہ سے مراد یا تو حور جنت ہو یا اس سے

مراد خاتون جنت ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ جناب زینبؑ سے فرمایا کہ مجھے اپنا شیر خوار فرزند دیجئے تاکہ میں اس کو وداع کر لوں لیکن جب دیکھا کہ پیاس سے اس کے لب خشک ہیں اور رو رہا ہے تو پانی طلب کرنے کی خاطر ہاتھوں پر اٹھا کر میدان میں تشریف لائے اور فرمایا تمہارے اوپر وبال ہو اس شیر خوار کو تو پانی دے دو۔ دیکھتے نہیں ہو کر بلا قصور پیاس سے تڑپ رہا ہے۔ یَا قَوْمِ قَدْ قَتَلْتُمْ اَخِیْ وَاَوْلَادِیْ وَاَنْصَارِیْ وَمَا بَقِیَ غَیْرُ هٰذَا الطِّفْلِ فَاسْقُوْهُ شَرْبَةً مِّنَ الْمَاءِ اے قوم تم نے میرے بھائی اولاد اور انصار کو شہید کر ڈالا ہے اور اب سوائے اس بچے کے اور کوئی باقی نہیں رہا اس کو ایک گھونٹ پانی پلا دو۔ اگر میرے اوپر تم رحم نہیں کرتے تو اس بچہ پر تو رحم کرو۔

لیکن کس زبان سے کہوں امام کی کلام کا ان سنگدلوں پر کیا اثر ہوا۔ بس ایک تیر ظلم گلوئے نازنین پر آیا کہ بچہ باپ کی گود میں ہمک ہمک کے ہمیشہ کی نیند سو گیا۔

بے شک اس پانی کے بدلہ میں حسینؑ کو چار پانی عطا ہوئے (۱) کوثر کہ حسینؑ پر رونے والے اس سے سیراب ہو کر مسرور ہوں گے (۲) آب حیات جس کو رونے والوں کی آنسو سے آمیزش کیا جاتا ہے۔ اور اس کی شیرینی میں اضافہ ہوتا ہے یہ بھی جنت میں رونے والوں کو نصیب ہوگا (۳) مومنوں کی آنسو کا پانی کیونکہ حسینؑ قَتِیْلُ الْعَبْرَةِ ہیں (۴) ہر سرد پانی کیونکہ جب بھی مومن سرد پانی پیتا ہے تو حسینؑ کی پیاس کو یاد کرتا ہے اور مستحب ہے کہ جب انسان سرد پانی پیئے اور حسینؑ پر صلوات اور اس کے قاتلوں پر لعنت بھیجے۔ یہ کیوں نہ ہو حالانکہ آپ کو دین خدا کی حفاظت کے بدلہ میں پانی کے چار قسم کے حقوق سے محروم کیا گیا۔ پہلا حق تو وہی ہے جو عام انسانوں کو پانی کے استعمال کرنے کا حق حاصل ہے۔ دوسرا حق ذی روح ہونے کی حیثیت سے کیونکہ ہر ذی روح کی زندگی پانی پر منحصر ہے حتاکہ

اگر کوئی حیوان مملوک پیاس سے مر رہا ہو اور پانی کم ہو تو نماز کے لئے تیمم کیا جاتا ہے اور اس کو اس حق سے محروم نہیں کیا جاتا۔ تیسرا حق خصوصی اہل کوفہ پر تھا کہ آپ نے کئی مرتبہ ان کو پیاس سے جان بلب ہونے کی حالت میں سیراب فرمایا تھا اور چوتھا حق اس لئے کہ دریائے فرات جناب فاطمہؑ کو خداوند کریم نے عطا فرمایا تھا۔ جبکہ ان کی شادی حضرت علیؑ سے ہوئی تھی۔ حضرت سید الشہداؑ کے چار اعضاء مبارک

لہ اہل کوفہ امام حسین کی برکت سے تین مرتبہ سیراب ہوئے (۱) ایک دفعہ قحط سالی ہوئی بارش کی سخت کمی تھی آپ نے نماز استسقاء پڑھی اور ابھی آپ کی دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ خداوند کریم نے بارش نازل فرمائی (۲) جنگ صفین میں جبکہ مالک اشترؓ نے فوج کی پیاس کی شکایت کی تو حضرت نے اپنے عصاء سے زمین پر پانچ لکیریں کھینچیں پس ہر لکیر پانی کی نہر بن گئی اور سارا لشکر سیراب ہوا پھر دوسرے روز مالکؓ نے پیاس کی شکایت کی تو حضرت نے پانچوں انگلیاں زمین پر ماریں پس پانچ نہریں پانی کی ظاہر ہوئیں اور تمام لشکر سیراب ہوا اسی طرح تیسرے روز مالک نے پیاس کا اظہار کیا تو آپ نے پائے مبارک کو زمین پر مارا پس لشکر گاہ میں ایک نہر عظیم ظاہر ہو گئی اور سب نے پانی پیا اور متواتر بیس روز تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اے میرا میوۂ دل اور جو بھی سامنے آتا تھا حضرت فرماتے تھے کہ میرا مقصود یہ نہیں بلکہ اَیْنَ وَلَدِیَ الْحُسَیْنُ الْمَظْلُوْمُ۔ میرا مظلوم بیٹا حسینؑ کہاں ہے؟ پس گریہ جاری ہوا لوگوں نے عرض کی حضور! حسینؑ کی برکت سے ہی تو ہمیں یہ فتح نصیب ہوئی ہے پھر آپ کی رونے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا۔ اِنَّهٗ سَیُقْتَلُ عَطْشَانًا بِطَفِّ کَرْبَلَا۔ یہ زمین کربلا میں پیاسا شہید ہوگا پھر فرمایا۔ فریاد اس امت سے جو اپنے نبی زادے کو قتل کرے گی۔

پر پیاس کی شدت ظاہر تھی (۱) ہونٹ بالکل خشک ہو چکے تھے (۲) جگر کباب ہو رہا تھا (۳) زبان مبارک پر آبلے پڑ گئے تھے (۴) چشم اطہر پر تاریکی چھا گئی تھی۔

(ملحض از خصائص حسینیہ)

(۳) تیسری مرتبہ اہل کوفہ کو اس وقت سیراب کیا تھا جب حر کی زیر سرکردگی ایکہزار کی تعداد میں حسینؑ کی راہ کو روکنے کے لئے گئے تھے اور پیاس سے جاں بلب تھے پس آپ نے ان سب کو سیراب فرمایا۔ (فوائد و خصائص)

مناسبت مقام کے لحاظ سے جنگ صفین کے موقعہ پر حضرت علی کا اعجاز بھی ذکر کرنا نہایت موزوں ہے جب حضرت امیر علیہ السلام کا لشکر ایک دن رات متواتر پیاسا رہا تو حضرت امیرؑ کو نہایت پریشانی لاحق ہوئی۔ بحار الانوار کی جلد نہم میں سہیل بن حنیف سے مروی ہے کہ جب لشکر معاویہ نے دریائے فرات کے گھاٹ پر قبضہ کر لیا تو آپ نے مالک اشتر سے فرمایا کہ جاؤ اور جو بھی فرات پر متعین ہو، اسے کہو۔ اس کا حکم ہے کہ پانی سے ہٹ جاؤ۔ پس مالک اشتر نے بفرمان جناب امیرؑ گھاٹ کے پہرہ داروں سے یہ جملہ کہا وہ ہٹ گئے اور حضرت امیر کے لشکر نے پانی پی لیا اور ضرورت کے مطابق ساتھ بھی لے لیا۔ جب معاویہ کو اطلاع ملی تو اس نے پہرہ داروں کو بلایا اور سرزنش کی۔ انہوں نے معذرت کی کہ عمرو عاص نے ہمارے پاس جاکر تیرا حکم سنایا ہے کہ گھاٹ سے ہٹ جاؤ۔ معاویہ نے عمرو عاص کو بلایا اور کہا کہ تو خود ایک کام کرتا ہے اور پھر انکار بھی کرتا ہے۔ پس دوسرے روز حجل بن عتاب نخعی کو پانچ ہزار کا لشکر دے کر دریائے فرات پر تعینات کیا۔ پھر حضرت امیر نے مالک اشتر سے فرمایا تو جا اور نہر فرات پر جو بھی تعینات ہے اس سے کہو کہ وہ حکم دیتا ہے کہ تم گھاٹ چھوڑ دو۔ چنانچہ مالک نے تعمیل حکم کی اور انہوں

جناب سکینہ خاتونؑ جب بعد از شہادت باپ کی لاش پر پہنچیں تو فرماتی ہیں کہ گلوئے بریدہ سے آپ یہ فرما رہے تھے۔

شِيْعَتِیْ مَااِنْ شَرِبْتُمْ مَاءَ عَذْبٍ فَاذْكُرُوْنِیْ
اَوْسَمِعْتُمْ لِغَرِيْبٍ اَوْشَهِيْدٍ فَانْدُبُوْنِیْ
وَاَنَا السِّبْطُ الَّذِیْ لِغَيْرِ جُرْمٍ قَتَلُوْنِیْ
وَبِجُرْدِ الْخَيْلِ بَعْدَ الْقَتْلِ عَمَدًا سَحَقُوْنِیْ

اے میرے شیعہ جب تم سرد پانی پیو تو مجھے یاد کرنا یا اگر تم کسی غربت زدہ یا شہید کا ذکر سنو تو مجھے یاد کر کے رونا میں وہ سبط ہوں کہ بغیر جرم کے انہوں نے مجھے قتل کیا ہے اور قتل کے بعد گھوڑوں کے سموں سے میری لاش کو پامال کیا ہے۔

نے گھاٹ چھوڑ دیا اور حضرت کی فوج نے حسب ضرورت پانی لے لیا۔ پھر معاویہ کو اطلاع ملی تو اس نے حجل کو بلایا اور سخت و سست کہا تو حجل نے جواب دیا کہ بیٹا یزید ہمارے پاس گیا اور اس نے تیرا ہی حکم سنایا تھا کہ گھاٹ چھوڑ دو۔ معاویہ نے یزید سے دریافت کیا تو اس نے انکار کر دیا پس معاویہ نے حکم دیا کہ کل کسی کی بات نہ ماننا اور اگر میں خود بھی چلا آؤں اور کہوں کہ ان کو پانی پینے دو تو بھی نہ ماننا جب تک کہ مجھ سے انگوٹھی نہ لے لو۔ پس جب تیسرا دن ہوا تو حضرت امیرؑ نے مالک اشتر سے فرمایا کہ جاؤ اور ڈیوٹی والوں سے وہی بات کہو جب یہ پہنچے تو حجل نے دیکھا کہ معاویہ آگیا ہے پس اس نے انگوٹھی لے لی اور پانی سے ہٹ گیا اور لشکر امیرؑ نے پانی حسب ضرورت لے لیا۔ جب معاویہ کو اطلاع ملی تو اس نے حجل کو بلا کر بہت کچھ تنگی کے الفاظ کہے۔ حجل نے فوراً انگوٹھی پیش کر دی معاویہ نے اپنا ہاتھ انگوٹھی والے ہاتھ پر مارا تو انگوٹھی کو نہ پایا کہنے لگا ٹھیک ہے پس یہ سب کچھ علی نے ہی کیا ہے (منہاج البراۃ شرح نہج البلاغۃ لحبیب اللہ الخوئی الموسوی جلد ۲ صفحہ ۸۹)

وَيْلَهُمْ قَدْ جَرَحُوا قَلْبَ الرَّسُولِ الثَّقَلَيْنِ
بِالرُّزْءِ وَمُصَابٍ هَدَّ أَرْكَانَ الْحَجُونِ
لَيْتَكُمْ فِي يَوْمِ عَاشُورَاءَ جَمِيعاً تَنْظُرُونِي
كَيْفَ أَسْتَسْقِي لِطِفْلِي فَأَبَوْا أَنْ يَرْحَمُونِي
وَسَقَوْهُ سَهْمَ بَغْيٍ عِوَضَ الْمَاءِ الْمَعِينِ
فَالْعَنُوهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ شِيعَتِي فِي كُلِّ حِينٍ

ان پر ویل ہو کہ انہوں نے رسول ثقلین کے دل کو زخمی کیا۔ کتنی زبردست ہی مصیبت ہے جس نے عالم کے ارکان گرا دیئے۔ کاش یوم عاشور تم سب مجھے دیکھتے ہوتے کہ میں کس طرح اپنے بچے کے لئے پانی مانگتا تھا اور وہ رحم نہ کرتے تھے۔ اور اس کو آبِ شیریں کے بدلہ میں ظلم کے تیر سے سیراب کیا تھا۔ اے میرے شیعو! جتنا کر سکو ہر وقت ان پر لعنت بھیجو۔

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے شیرخوار شہزادے کا خون چلو پر لیا کہ وہ پُر ہو گیا اور اسے آسمان کی طرف پھینک دیا کہ ایک قطرہ واپس زمین پر نہ پلٹا۔ (شاید وہ ملائکہ مقربین نے محفوظ کر لیا ہو کہ بروز محشر بطور شہادت اسے پیش کیا جائے) احتجاج میں ہے کہ پس گھوڑے سے اترے اور خون آلود نازنین کو سپرد خاک فرمایا۔ کہ نوک تلوار سے قبر کھودی اور نمازِ جنازہ ادا کر کے اسے سپرد خاک کیا اور تمام شہدا سے اس شہید کے ساتھ یہ نرالا برتاؤ کیوں کیا۔ اس کے کئی وجوہ ہو سکتے ہیں (۱) شاید وجہ یہ ہو کہ اور کسی شہید کو دفن کرنے کا موقعہ نہ ملا ہو اور اس کے لئے موقعہ مل گیا ہو (۲) شاید اس لئے کہ امام کو گوارا نہ تھا کہ اس نازنین کا سر نازک بدن سے جدا ہو کر نوک نیزہ پر سوار ہو (۳) ممکن ہے کہ تین روز تک ریگ گرم پر اس نازنین کا رہنا گوارا نہ ہو (۴) گھوڑوں کے سموں کے

ہونا ناقابلِ برداشت ہو (۵) ممکن ہے شہزادہ کی خوردسالی اور بے دردی سے عالم پیاس میں تیر جفا کا نشانہ ہونا چونکہ حد سے زیادہ المناک اور روح فرسا تھا اس لئے لاش معصوم کو دیکھنے کی زیادہ تابِ برداشت نہ تھی (۶) دوسری لاشوں کی طرح اس لاش کا دوبارہ لٹنا منظور خاطر نہ تھا۔ پس مستورات نے اپنے اپنے مقام پر بین کئے اور خیمہ گاہ میں کہرام ماتم بپا ہوا۔

ذکر شہادت

اب آخری قربانی کے بعد میدان میں قدم جما کر پہاڑ کی طرح کھڑے ہو گئے اور اس قدر مصائب و آلام کے بعد بھی کیا کہنا امام کی جرأت کا کہ شجاعانِ معرکۂ قتال اور آزمودہ کاران حرب و ضرب کے حواس اڑا دیئے۔ کوئی بہادر نہیں بچا تھا جس کو شیر خدا کے شیر نے اپنی تلوار شرربار کا نشانہ نہ بنایا ہو۔ گھوڑے سے اترے اور صولت حیدریہ کا نمونہ بن کر چیدہ چیدہ شجاعان لشکر کو لقمۂ اجل کیا یہاں تک کہ اب کسی میں ہمت باقی نہ رہی کہ علی کے زخمی شیر کے سامنے آتا۔ پس آپ نے ان پر ایک مرتبہ یکبارگی حملہ کیا اور بحر حرب میں غوطہ زن ہوئے اور حیدر کراڑ کی لڑائی کا نقشہ کھینچتے ہوئے میدان کو خالی کر دیا ان کی صفوں کو درہم برہم کر دیا حتیٰ کہ ان کے علم گر گئے اور نشانچی بھاگ گئے یا نہ تیغ ہو گئے۔ پس آپ اپنے مرکز کی طرف واپس آئے اور کلمہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ الخ کو زبان پر جاری فرمایا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر دریائے فرات کے کنارے پہنچے۔ گھوڑے سے فرمایا۔ اے گھوڑا تو بھی پیاسا ہے اور میں بھی پیاسا ہوں لیکن جب تک تو پانی نہ پئے گا۔ میں نہیں پیئوں گا یعنی پہلے تو پی پھر میں پیئونگا

جب ان ظالموں نے دیکھا کہ حسینؑ دریائے فرات پر پہنچے ہیں اور خیال کیا کہ اگر حسینؑ نے پانی پی لیا تو پھر کسی کی کیا مجال کہ ان کا مقابلہ کر سکے پس از راہ مکر و فریب آواز بلند کی۔ حسینؑ خیام کی خبر لیجئے کہ لوگ ان میں گھسنا چاہتے ہیں

غیور امام نے یہ کلمہ سنا تو دریائے فرات سے پیاسے واپس پلٹے خیمہ میں پہنچے۔ اور مستورات سے فرمایا کہ بس اب قید کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مجھے معلوم ہے کہ عنقریب تمہیں غلاموں اور کنیزوں کی طرح قید کر لیا جائے گا۔

اس کے بعد واپس میدان کارزار میں پلٹے اور ید اللہ کے بیٹے نے ید اللّٰہی انداز میں ایک مرتبہ پھر فوجِ اشقیاء پر اس زور اور جوش سے حملہ کیا کہ ان میں باوجود کثیر التعداد کے مقتولین کی زیادتی کی وجہ سے کمی محسوس ہونے لگی اور آپ کی زبان درفشاں پر یہ رجز جاری تھا۔

خَیْرَۃُ اللّٰہِ مِنَ الْخَلْقِ اَبِیْ
ثُمَّ اُمِّیْ فَاَنَا ابْنُ الْخَیْرَتَیْنِ
فَاطِمُ الزَّھْرَاءِ اُمِّیْ وَ اَبِیْ
قَاصِمُ الْکُفْرِ بِبَدْرٍ وَّ حُنَیْنِ
مَنْ لَہٗ جَدٌّ کَجَدِّیْ فِی الْوَرٰی
اَوْ کَشَیْخِیْ فَاَنَا ابْنُ الْعَلَمَیْنِ

تمام خلق خدا سے میرا باپ اور ماں برگزیدہ ہیں۔ پس میں دو برگزیدگان خدا کا فرزند ہوں۔ فاطمہ زہرا میری ماں ہے اور میرا باپ بدر و حنین میں کفر کے توڑنے والا ہے لوگوں میں کون ہے جس کا نانا میرے نانا کی طرح ہو اور جس کا باپ میرے باپ کی مثل ہو۔

پس میں دو بے مثل شخصوں کی یادگار ہوں۔

ایسا جنگ کیا کہ نصرتِ خداوندی سراقدس کا طواف کر رہی تھی (پس ندا آئی) جس میں نصرت اور اللہ کی ملاقات کے درمیان آپ کو اختیار دیا گیا تو آپ نے لقاء اللہ کو اختیار فرمایا۔

آپ کھڑے ہوئے تھے کہ پیشانی اقدس پر ایک پتھر لگا آپ نے کپڑا اٹھایا تا کہ پیشانی کو پونچھیں اتنے میں سہ شعبہ تیر دل مبارک پر آکر لگا تو آپ نے بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ زبان پر جاری فرمایا اور آسمان

کی طرف سر اٹھا کر عرض گذار ہوئے۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ یہ اشقیاء ایک ایسے فرد کو قتل کر رہے ہیں کہ اس کے علاوہ روئے زمین پر کوئی دوسرا نبی زادہ نہیں ہے یہ عبد و مولا میں راز کی بات تھی پھر عرض کی کہ میں تیری قضا پر راضی ہوں۔

حضرت قائم آلِ محمدؑ عج زیارت ناحیہ مقدسہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ لَقَدْ عَجِبَتْ مِنْ صَبْرِكَ مَلَائِكَةُ السَّمٰوٰتِ اے جد تیرے صبر سے ملائکہ آسمان محو تعجب ہیں۔ وَاَسْرَعَ فَرَسُكَ شَارِدًا اِلٰی خِيَامِكَ قَاصِدًا مُحَمْحِمًا بَاكِيًا۔ جب کہ آپ کا گھوڑا خالی زین ہنہناتا ہوا روتا ہوا آپ کے خیام کی طرف پلٹا۔ فَلَمَّا رَاَيْنَ النِّسَاءُ جَوَادَكَ مَخْزِيًّا وَنَظَرْنَ سَرْجَكَ عَلَيْهِ مَلْوِيًّا جب مستورات نے آپ کے رہوار کو بدحالی میں دیکھا اور نظر کی کہ زین پشت رہوار سے جھکی ہوئی ہے۔ بَرَزْنَ مِنَ الْخُدُوْرِ نَاشِرَاتِ الشُّعُوْرِ۔ سر کھلے خیمہ سے نکل پڑیں عَلَى الْخُدُوْدِ لَاطِمَاتٍ بِالْعَوِيْلِ دَاعِيَاتٍ وَبَعْدَ الْعِزِّ مُذَلَّلَاتٍ وَاِلٰى مَصْرَعِكَ مُبَادِرَاتٍ۔ منہ پر طمانچے مارتی تھیں بروتی چلاتی تھیں اور عزت کے بعد پریشان حالت بنائے ہوئے تھیں اور تیری قتل گاہ کی طرف دوڑتی تھیں۔ لَقَدْ شَقَقْنَ الْجُيُوْبَ وَلَطَمْنَ الْخُدُوْدَ الْفَاطِمِيَّاتُ عَلَى الْحُسَيْنِ۔ بے شک حضرت فاطمہ کی شہزادیوں نے حسینؑ پر گریبان چاک کر ڈالے اور منہ پر پیٹا۔

يَوْمَ بَنُو النَّبِيِّ الْمُصْطَفَى الْهَادِيْ ذَبَائِحُهُ
وَالْفَاطِمِيَّاتُ اُسَارٰى نُوَّحُهُ
وَسِبْطُ اَحْمَدَ عَارٍ بِالْعَرَاءِ لَقِيُّ
مُرَمَّلًا بِالدِّمَا جَرْحًا جَوَارِحُهُ
قَامَتْ قِيَامَةُ اَهْلِ الْبَيْتِ وَانْكَسَرَتْ
سُفُنُ النَّجَاةِ وَفِيْهِ الْعِلْمُ وَالْعَمَلُ

وہ دن کہ جب مصطفیٰ کی اولاد ذبح ہو چکی تھی اور جناب فاطمہ کی شہزادیاں قیدی ہو کر نوحہ گر تھیں احمد کا نواسہ جسم عریاں گرم زمین پر خاک و خون میں غلطاں تھا اسکے تمام اعضاء زخمی تھے اہلبیتؑ میں قیامت بپا ہوئی اور شکستہ ہو گئی نجات کی کشتی جس میں علم و عمل موجود تھا

بی بی نے لاش اطہر کو اس بے کسی کے عالم میں دیکھ کر یہ نوحہ پڑھا اور جناب رسالت مآبؐ کی طرف خطاب کر کے یہ عرض کی۔

هٰذَا الَّذِیْ قَدْ کُنْتَ تَلْثِمُ نَحْرَهٗ	یہ وہ حسینؑ ہے جس کی گردن کے آپ
اَمْسٰی نَحِیْرًا عَنْ حُدُوْدِ ظِبَائِهَا	بوسے لیتے تھے اب تلواروں کی دھاروں
مِنْ بَعْدِ حِجْرِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ	سے نحر کیا جا چکا ہے۔
اُلْقِیْ طَرِیْحًا فِیْ ثَرٰی رَمْضَائِهَا	تیری محبت کی گود کے بعد اے رسول اللہؐ

تحقیق گرم زمین کربلا میں بے وارث پڑا ہوا ہے۔

پھر شمر کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔

دَعْنَا نُوَدِّعْهُ وَ نَجْلِسُ عِنْدَهٗ	ہمیں اجازت دے تاکہ الوداع کر لیں اور
یَا شِمْرُ قَبْلَ تَفَرُّقٍ وَ تَنَاءٍ	بھائی کے پاس بیٹھیں اے شمر قبل جدائی

اور دوری کے۔

دَعْنَا نُظَلِّلْ جِسْمَهٗ یَا شِمْرُ عَنْ	ہمیں اجازت دے کہ اس کے جسم پر سایہ
حَرِّ الْهَجِیْرِ وَ وَا ضَحِ الرَّمْضَاءِ	بنالیں دوپہر کی دھوپ اور سخت گرمی سے
دَعْنَا نَرُشُّ الْمَاءَ فَوْقَ جَبِیْنِهٖ	ہمیں اجازت دے کہ اس کی پیشانی پر
فَلَعَلَّهٗ یَصْحُوْا مِنَ الْاِغْمَاءِ	پانی چھڑک لیں شاید اس کو ٹھنڈک

سے راحت محسوس ہو۔

اے زبان دیگر مگو مے باش لال	کے تواں کردن حسین را وصف حال
ذاکرا سمش بس بروئے شور و شین	گریہ میخواہی ہمی گو یا حسینؑ

امام مظلومؑ کی شہادت ہو چکی تو چند حرامزادے لاش کو لوٹنے کی طرف دوڑے اسحاق حضرمی نے امام مظلوم کے تن پارہ پارہ سے وہ قمیص اتار لی جس کو پرانا سمجھ کر عریانی سے بچنے کے لئے امام نے بہن سے طلب کر کے پہنی تھی اور علاوہ کہنگی کے

امام نے بھی اس کو پارہ پارہ کر دیا تھا پھر تیروں تلواروں اور نیزوں کے ایک سو سے زیادہ شگاف بھی اس میں پڑ چکے تھے۔ اس ملعون نے قمیص کو پہنا تو برص میں مبتلا ہو گیا اور اسی عذاب سے واصل جہنم ہوا۔ غالباً اسی نکتہ کے پیش نظر بتول معظمہؑ یہی قمیص لے کر بروز محشر مقدمہ دائر کریں گی۔ امام مظلوم کا تہ بند ابجر بن کعب نے اتارا اس کے پاؤں شل ہو گئے اور گرفتار عذاب ہو کر مرا۔ اخنس بن مرثد حضرمی نے عمامہ اٹھایا پس دیوانہ ہو کر مرا۔ بجدل بن سلیم نے انگوٹھی اتاری اور آپ کی انگلی کو شہید کر ڈالا۔ اسود بن خالد نے نعلین اتاریں قیس بن اشعث نے پشمینہ اتار لیا عمر بن سعد نے زرہ لے لی اور اسود بن حنظلہ نے تلوار لے لی۔ امام مظلوم کا ازار بند قیمتی تھا جو گیارھویں کی رات جمال ملعون نے اتارنا چاہا۔ پس امام نے اس کی حفاظت کے لئے اپنے ہاتھ اوپر رکھے۔ اس بے حیا نے تلوار کا ایک ٹکڑا لیکر امام مظلوم کے دونو ہاتھ یکے بعد دیگرے قطع کر دیئے۔ اتنے میں حضرت رسالتمآبؐ حضرت علیؑ حضرت حسنؑ اور حضرت فاطمۃ الزہرا علیہم السلام تشریف لائے اور وہ ملعون واپس ہٹ گیا۔

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

اُنیسویں مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین

ایمان والو! ماہ مبارک رمضان ایمان کی بہار ہے۔ روزہ رکھنا ہر مومن عاقل و بالغ پر واجب ہے لیکن حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ صرف کھانے اور پینے سے منہ بند کر لینے کا نام روزہ نہیں بلکہ اپنی زبانوں کو بدگوئی سے اور آنکھوں کو اوچھی نظر سے روکو نہ ایک دوسرے سے حسد کرو اور نہ آپس میں جھگڑا کرو۔ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْاِیْمَانَ کَمَا یَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ کیونکہ حسد ایمان کو اس طرح کھاتا ہے جس طرح خشک لکڑی کو آگ کھا جاتی ہے۔ (منابر)

ایک مرتبہ جناب رسالت مآبؐ نے ایک روزہ دار عورت کو سنا کہ اپنی ہمسائی کو گالیاں دے رہی تھی۔ آپؐ نے طعام منگوا کر اس کو پیش کیا کہ اسے کھاؤ اس نے عرض کی کہ میرا روزہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تیرا روزہ کس طرح ہے جبکہ تو اپنی ہمسائی کو گالیاں دے رہی تھی۔ روزہ صرف پینے کھانے سے منہ بند کر لینے کا نام نہیں ہوا کرتا۔ (منابر)

روزہ دار کے منہ کی سانس اللہ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہوتی ہے۔ (منابر)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ماہ رمضان میں سدیر میرے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا اے سدیر تجھے کچھ خبر ہے کہ آجکل کونسی راتیں ہیں۔ اس نے عرض کی حضور! ماہِ رمضان کی راتیں ہیں آپ نے فرمایا کہ تو ہر رات اولاد اسمٰعیل میں سے دس غلام آزاد کرنے کی طاقت

رکھتا ہے؟ اس نے عرض کی نہیں حضور! آپ نے ایک ایک عدد کم کرنا شروع کیا آخر میں پوچھا کہ تجھے ہر شب ایک غلام اولاد اسمٰعیل میں سے آزاد کرنے کی طاقت ہے؟ اس نے ہر بار نہیں میں جواب دیا۔ پس آپ نے فرمایا کیا تیری طاقت ہے کہ ہر روز ایک مرد مومن کا روزہ افطار کرائے۔ اس نے جواب دیا ایک تو بجائے خود میں تو دس آدمیوں کو بھی افطار کرا سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا بس یہی میں چاہتا ہوں اے سدیر! ایک مومن بھائی کا روزہ افطار کرانا اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کے ثواب کے برابر ہے۔ (منابر)

حضرت امام رضا علیہ السلام بسند آبائے طاہرینؑ حضرت امیر علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب رسالت مآبؐ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا اے لوگو! تمہارے درمیان اللہ کا مہینہ برکت رحمت اور مغفرت لے کر آ رہا ہے یہ مہینہ اللہ کے نزدیک تمام مہینوں سے افضل ہے اس کے دن تمام دنوں سے بہتر اس کی راتیں تمام راتوں سے خوب تر اور اس کی گھڑیاں تمام گھڑیوں سے برتر ہیں۔ اس ماہ میں تم اللہ کی ضیافت کی طرف بلائے گئے ہو اور تم اللہ کے اکرام کے اہل قرار دیئے گئے ہو۔ اس میں تمہارے سانس تسبیح، نیند عبادت عمل مقبول اور دعا مستجاب ہے پس اللہ سے پاک دل نیک نیت ہو کر سوال کرو کہ تمہیں اس کے روزوں پر موفق فرمائے اور تلاوت قرآن کی ہمت دے۔ وہ انسان بدبخت ہے جو اس عظمت والے ماہ میں بھی اللہ کی بخشش سے محروم ہو۔ اس کی بھوک و پیاس سے قیامت کی بھوک پیاس کو یاد کرو۔ فقراء و مساکین پر صدقہ کرو۔ بڑوں کی عزت چھوٹوں پر رحم کرو۔ قریبیوں سے صلہ رحمی کرو۔ آنکھ اور زبان کی ناجائز باتوں سے حفاظت کرو کانوں کو حرام آوازوں سے بچاؤ۔ لوگوں کے یتیموں پر رحم کرو تاکہ تمہارے یتیموں پر رحم کیا جائے۔ گناہوں سے توبہ کرو اور اوقاتِ نماز میں اس کی طرف دستِ دُعا

بلند کرو۔ کیونکہ یہ وہ بہترین اوقات ہیں جن میں خدا اپنے بندوں پر نظر رحمت فرماتا ہے دعائیں قبول کرتا ہے۔ بلانے پر لبیک فرماتا ہے اور سائلین کو عطا فرماتا ہے لوگو! تمہارے نفوس تمہارے اعمال کے مرہون ہیں استغفار کے ذریعے ان کو چھڑاؤ تمہاری پشت گناہوں کے بھار سے بوجھل ہے ان کو لمبے سجدوں سے ہلکا کرو اور یقین کرو کہ خدا نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ نمازیوں اور سجدہ گذاروں کو عذاب نہ کروں گا اور بروز محشر ان کو جہنم کا خوف نہ دوں گا۔

اے لوگو! جو اس مہینہ میں ایک روزہ دار مومن کو افطار کرائے اس کا ثواب اللہ کے نزدیک ایک غلام کے آزاد کرنے کے برابر ہے اور اس کے سابقہ گناہ بھی بخشے جائیں گے۔ لوگوں نے عرض کی حضور! ہم سب میں تو یہ طاقت نہیں ہے پس آپ نے فرمایا۔ خدا سے ڈرو اگرچہ ایک کھجور کی ڈلی سے ہی سہی۔ اور اللہ سے ڈرو اگرچہ ایک گھونٹ پانی سے ہی سہی۔ اے لوگو! جو شخص اس ماہ میں اپنے اخلاق کو درست رکھے وہ پل صراط سے باآسانی گذرے گا جب کہ قدم پھسل رہے ہوں گے اور جو شخص اس ماہ میں اپنے غلام کے کاروبار میں تخفیف کرے گا۔ خدا بروز قیامت اس کا حساب آسان کرے گا اور جو شخص اس ماہ میں لوگوں سے اپنی ایذا کو روکے گا۔ خدا بروزِ قیامت اس سے اپنا غضب ہٹائے گا۔ جو اس ماہ میں یتیم پروری کریگا بروزِ محشر خدا اس کی عزت کرے گا جو اس ماہ میں صلہ رحمی کرے گا بروز محشر خدا اس کو اپنی رحمت میں جگہ دے گا۔ اور جو قطع رحمی کرے گا اسے خدا اپنی رحمت سے دُور کرے گا اور جو اس ماہ میں ایک سنتی نماز پڑھے گا۔ خدا اس کے لئے دوزخ سے آزادی فرض کرے گا اور جو ایک فرض ادا کرے گا اس کے لئے باقی مہینوں کے ستر فرضوں کے برابر ثواب دیگا اور جو اس ماہ میں میرے اُوپر زیادہ درود پڑھے گا قیامت کے دن اس کا میزان عمل بھاری ہو گا اور جو اس میں قرآن مجید کی ایک آیت پڑھیگا۔

تو اس کو باقی مہینوں کے ختم قرآن کے برابر ثواب دے گا۔

لوگو! جنت کے دروازے اس ماہ میں کھلے رہتے ہیں۔ خدا سے دعا مانگو کہ وہ تمہارے سامنے بند نہ ہوں اور جہنم کے دروازے بند رہتے ہیں۔ خدا سے دعا مانگو کہ تمہارے سامنے کھلنے نہ پائیں۔ اور اس ماہ میں شیاطین مقید رہتے ہیں دعا مانگو کہ وہ تم پر مسلط نہ ہوں۔

حضرت امیر علیہ السلام نے کھڑے ہو کر عرض کی یا رسول اللہ فرمائیے کہ اس ماہ میں تمام اعمال سے افضل کونسا عمل ہے تو آپؐ نے فرمایا سب اعمال سے افضل عمل ہے اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کرنا۔ پھر آپ رو دیئے۔ حضرت علیؑ نے عرض کی آقا آپؐ کے رونے کا کیا سبب ہے تو فرمایا۔ یا علی روتا اس لئے ہوں کہ اسی ماہ میں تیرا خون مباح کیا جائے گا۔ اور گویا میں وہ منظر دیکھ رہا ہوں کہ تو مشغول نماز ہے اور اولین وآخرین کا بدبخت ترین انسان تیرے سر اطہر پر تلوار سے وار کر رہا ہے جس سے تیری ریش مبارک خضاب ہو چکی ہے۔ حضرت علی نے عرض کی کہ آیا اس میں میرا دین تو محفوظ ہو گا؟ آپؐ نے فرمایا۔ بے شک تیرا دین محفوظ ہو گا۔ پھر فرمایا۔ یا علی جس نے تجھے قتل کیا گویا اس نے مجھے قتل کیا جس نے تجھ سے بغض کیا اس نے مجھ سے بغض کیا۔ جس نے تجھے سب کیا اس نے مجھے سب کیا کیونکہ تو میری جان ہے اور تیرا روح میرا روح ہے اور تیری طینت میری طینت ہے۔ کیونکہ خدا نے تجھے اور مجھے ایک ساتھ پیدا کیا۔ مجھے نبوت کے لئے اور تجھے امامت کے لئے منتخب فرمایا۔ جو تیری امامت کا منکر وہ میری نبوت کا منکر ہے۔ اے علی تو میرا وصی اور میری اولاد کا باپ اور میری بیٹی کا شوہر اور میری امت پر میری زندگی میں اور میری موت کے بعد میرا خلیفہ ہے تیرا امر میرا امر اور تیری نہی میری نہی ہے مجھے اُس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق نبی مبعوث

فرمایا ہے اور مجھے افضل مخلوق قرار دیا ہے تو مخلوق پر حجت خدا ہے اور اس کے راز کا امین اور اس کے بندوں پر خلیفہ ہے۔ (منابر بحوالہ امالی)

آپ نے موت کی تیاری کے لئے خضاب کرنا بھی چھوڑ دیا۔ چنانچہ اصبغ بن نباتہ نے عرض کی کہ آپ خضاب کیوں نہیں کرتے۔ حالانکہ جناب رسالت مآبؐ خضاب کیا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا میں ایک شقی ترین انسان کی انتظار میں ہوں جو میری ریش سفید کو سر کے خون سے خضاب کرے گا ایک مرتبہ عرض کی گئی کہ آپ بالوں کا رنگ تبدیل کر لیتے تو خوب ہوتا آپ نے فرمایا خضاب زینت ہے اور ہم لوگ مصیبت میں ہیں۔ اس سے جناب رسالت مآبؐ کی مصیبت مراد تھی۔ (مجالس مفجعہ)

ایک دفعہ آپ منبر پر واعظ فرما رہے تھے کہ اپنے فرزند امام حسنؑ کی طرف منہ کر کے دریافت کیا۔ بیٹا اس مہینے سے کتنے دن گزر چکے ہیں۔ امام حسنؑ نے عرض کی کہ سترہ روز گذر چکے ہیں پھر امام حسینؑ سے دریافت فرمایا کہ اس ماہ کے کتنے روز باقی ہیں۔ شہزادے نے عرض کی۔ آقا۔ تیرہ روز باقی ہیں۔ پس آپ نے رونا شروع کیا اور فرمایا کہ شقی ترین امت کی آمد قریب ہو چکی ہے پھر فرمایا مجھے قتل ہونے کا خوف نہیں۔ وَاللهِ اِنَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اٰنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْیِ اُمِّہٖ بخدا ابوطالب کا فرزند موت سے اتنا مانوس ہے کہ بچے کو ماں کے سینے سے بھی اتنا انس نہیں ہوتا۔ ہاں تو میں اپنے فرزند حسین کے لئے روتا ہوں کہ عالم مسافرت میں یکا و تنہا اور پیاسا بے ناصر و مددگار شہید کیا جائے گا۔ (فوائد المشاہد)

مروی ہے کہ جب ماہ مبارک رمضان داخل ہوا تو حضرت امیر علیہ السلام ایک رات حضرت امام حسنؑ کے ہاں اور دوسری شب امام حسینؑ کے ہاں اور تیسری شب جناب عبد اللہ بن عباس کے ہاں کھانا تناول فرمایا کرتے تھے اور تین لقموں سے زیادہ نوش نہ فرماتے تھے جب وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ

خالی پیٹ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں پھر اس کے بعد ایک یا دو راتیں ہی گذری ہوں گی کہ شہید کر دیئے گئے۔ حضرت ام کلثوم فرماتی ہیں کہ ۱۹ ماہ رمضان کی شب میں نے افطار کے لئے جو کی دو روٹیاں اور دودھ کا ایک پیالہ اور کچھ نمک حاضر کیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اور کھانے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو سر مبارک کو حرکت دی اور بلند آواز سے رونے لگے اور فرمایا۔ بیٹی! تو نے اپنے باپ سے اچھا سلوک نہیں کیا۔ شہزادی نے عرض کی۔ بابا جان یہ کیسے؟ تو فرمایا کہ تو ایک ہی طبق میں میرے لئے بیک وقت دو کھانے لے آئی ہو کیا تو چاہتی ہے کہ کل بروز قیامت میرا حساب اللہ کے سامنے طویل ہو جائے۔ میں تو اپنے بھائی جناب رسالت مآبؐ کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہوں کہ پوری زندگی میں کبھی ان کے سامنے ایک دستر خوان پر دو کھانے نہیں لائے گئے۔ بیٹی۔ جس شخص کا کھانا پینا پہننا زیادہ ہو گا اس کی اللہ کے سامنے جوابدہی بھی طویل ہو گی۔ اِنَّ الدُّنْيَا فِىْ حَلَالِهَا حِسَابٌ وَفِىْ حَرَامِهَا عِقَابٌ۔ تحقیق دنیا کے حلال میں حساب اور حرام میں عقاب ہے مجھے اپنے حبیب جناب رسالت مآبؐ نے خبر دی ہے کہ ایک دفعہ جبریلؑ ان کے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائے اور عرض کی کہ اللہ بعد تحفہ سلام کے ارشاد فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو تہامہ کے پہاڑ تیرے لئے سونا ہو جائیں اور یہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں بھی حاضر ہیں اور درجات آخرت میں بھی تیرے لئے کمی نہ ہو گی تو جبریلؑ سے دریافت کیا پھر انجام کیا ہو گا۔ جبریلؑ نے بتایا کہ موت۔ تو فرمایا۔ دریں صورت مجھے دنیا کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ایک دن بھوکا رہنا اور ایک دن پیٹ بھر لینا میرے لئے خوب ہے کیونکہ جس دن بھوکا رہوں گا اس دن اللہ سے سوال کروں گا اور جس دن سیر ہوں گا اللہ کا شکر کروں گا تو جبریلؑ نے کہا کہ آپ ہر خیر پر موفق ہیں۔ پس فرمایا۔ بیٹی۔ دنیا دکھوں کا گھر اور ذلت کا مقام ہے جو شخص اپنے لئے

کچھ بھیجے گا وہی پائے گا۔ بیٹی۔ خدا کی قسم میں نہ کھاؤں گا جب تک تم ایک کھانا اٹھا نہ لو۔ پس شہزادی نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا اور آپ نے نمک سے جو کی روٹی کھائی اور پھر اللہ کی حمد بجالائے۔ پھر نماز میں مشغول ہوئے اور رکوع سجود اور تضرع زاری میں مشغول رہے۔ لیکن کبھی باہر جاتے اور پھر اندر تشریف لاتے اور بار بار ایسا کیا نیز حالتِ اضطراب میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے تھے۔ پس ایک بار سورہ یٰسین کی تلاوت فرمائی اور تھوڑا سا سو گئے اور پھر پریشانی کے عالم میں بیدار ہوئے کپڑے سے اپنا چہرہ مبارک پونچھا اور اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی اے اللہ اپنی ملاقات میرے لئے مبارک کر۔ پس لاحول و لاقوۃ۔ الخ کو بار بار پڑھا پھر مشغول نماز ہو گئے اور بہت دیر تک پڑھتے رہے پھر تعقیبات کے لئے بیٹھ گئے اور بیٹھے ہوئے تھوڑی سے اونگھ آگئی اور حالت اضطراب میں آنکھ کھلی اور تمام اولاد و اہل کو جمع کر کے فرمایا۔ اس ماہ میں تم مجھ سے دور نہ رہو کیونکہ میں نے اس رات میں خواب دیکھا ہے جو میں بیان کرتا ہوں، سب نے پوچھا کہ مولا بیان فرمائیے۔ وہ کیا خواب ہے تو آپ نے فرمایا۔ میں نے ابھی جناب رسالت مآبؐ کو عالمِ خواب میں دیکھا ہے کہ فرماتے ہیں یا علی تو ابھی عنقریب ہمارا مہمان ہو گا۔ وہ بدبخت آنے والا ہے جو تیرے محاسن کو خون سر سے خضاب کرے گا اور ہم تیرے مشتاق ہیں تو اس ماہ مبارک کے آخری عشرہ میں ہمارے ہاں ہو گا۔ پس جلدی کرو کیونکہ جو کچھ تیرے لئے وہاں موجود ہے وہ تیرے لئے خوب تر اور دیرپا ہے۔ جب تمام اہل بیتؑ نے آپ کا کلام سنا تو گریہ وزاری کرنے لگ گئے۔ آپ نے قسم دے کر سب کو رونے سے روکا پھر وصیتیں فرمائیں اور نیکی کے احکام سنائے اور برائیوں سے نہی فرمائی۔ ام کلثوم فرماتی ہیں۔ کہ بابا نے رات پوری قیام قعود و سجود میں گذاری اور باہر نکل کر آسمان اور ستاروں کو دیکھتے اور واپس آتے اور فرماتے تھے۔ کہ خدا کی قسم مجھے جھوٹ نہیں کہا گیا۔

اور آج وہی رات ہے جس کا میرے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے اور مصلّا کی طرف پلٹ جاتے تھے اِنَّا لِلّٰہِ الخ اور لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ الخ بہت زیادہ پڑھتے تھے نیز درود و استغفار کثرت سے زبان پر تھا۔ ام کلثوم فرماتی ہیں۔ جب میں نے اضطراب پریشانی اور ذکر و استغفار کی کثرت ملاحظہ کی تو میں بھی جاگتی رہی اور عرض کی بابا جان۔ آج آپ کو کیوں نیند نہیں آتی؟ فرمایا۔ بیٹی میں نے بڑے بڑے بہادروں کو تہ تیغ کیا اور بڑے بڑے معرکے دیکھے ہیں۔ لیکن اس قدر رعب میرے دل میں کبھی نہیں آیا۔ جس قدر آج کی شب آیا ہے پھر انّا للہ۔ الخ پڑھا۔ میں نے عرض کی آج کیوں آپ اپنی موت کی خبر دیتے ہیں؟ تو فرمایا۔ بیٹی موت قریب ہو گئی اور زندگی ختم ہو گئی ہے ام کلثوم فرماتی ہیں کہ میں رونے لگ گئی تو فرمایا۔ بیٹی رو نہیں۔ میں نے یہ بات ویسے نہیں کہی بلکہ میری طرف نبی علیہ السلام کا عہد یہی ہے پھر آپ کو تھوڑی سی اونگھ آگئی اور پھر جاگے فرمایا بیٹی اذان کا وقت قریب ہو تو مجھے خبر دینا۔ پھر اول شب کی طرح نماز دعا اور تضرع کی طرف مشغول ہو گئے۔ ام کلثوم فرماتی ہیں۔ میں انتظار کرتی رہی۔ پس جب اذان کا وقت آیا تو میں برتن میں پانی لے کر حاضر ہوئی۔ آپ نے وضو فرمایا اور کپڑے تبدیل کئے۔ پس دروازہ کھولا اور باہر نکلے۔ گھر میں کچھ بطخیں تھیں جو امام حسینؑ کو ہدیۃً ملی تھیں جب آپ باہر آئے تو وہ چیختی چلاتی ہوئی آپ کے پیچھے دوڑیں حالانکہ اس سے قبل وہ کبھی نہ چلائی تھیں۔ آپ نے بطخوں کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا کہ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ۔ یہ ایسی چلانے والی ہیں کہ ان کے بعد نوحہ کرنے والی ہوں گی اور کل صبح کو قضا کا فیصلہ ظاہر ہو گا۔ میں نے عرض کی۔ بابا جان آپ فال لے رہے ہیں۔ آپنے فرمایا ہم اہل بیتؑ فال پر عمل نہیں کیا کرتے۔ بلکہ یہ بات بس میں نے کہہ دی ہے۔ پھر فرمایا بیٹی! میرے حق کی قسم یہ بے زبان ہیں۔ جب یہ بھوکی پیاسی ہوں تو ان کو خوراک اور پانی دینا ورنہ ان کو اپنی قید سے آزاد کر دینا۔

تاکہ زمین سے اپنی خوراک خود تلاش کرلیں۔ پس جب دروازہ سے گذرنے لگے تو ردائے مبارک سے ایک میخ الجھ گئی کہ ردا گر گئی۔ پس آپ نے یہ شعر پڑھے

اُشْدُدْ حَيَازِيمَكَ لِلْمَوْتِ	اپنی کمر موت کے لئے باندھ لو۔ کیونکہ
فَاِنَّ الْمَوْتَ لَاقِيْكَا	موت نے تیری ملاقات کرنی ہے
وَلَا تَجْزَعْ مِنَ الْمَوْتِ	اور موت سے نہ گھبراؤ جب تیری مہمان
اِذَا حَلَّ بِوَادِيْكَا	ہو۔ اور زمانہ سے دھوکا نہ کھاؤ
وَلَا تَغْتَرَّ بِالدَّهْرِ	اگرچہ وہ تیری موافقت کرے
وَاِنْ كَانَ يُوَاطِيْكَا	جس طرح زمانہ ہنسا "تا
كَمَا قَدْ اَضْحَكَ الدَّهْرُ	ہے۔ اسی طرح وہ تجھے
كَذَالِكَ الدَّهْرُ يُبْكِيْكَا	رولائے گا۔

پھر فرمایا اے اللہ تو میرے لئے اپنی ملاقات کو مبارک فرما۔

یہ علیؑ کی روانگی ہے لیکن جب حضرت امام حسینؑ نے خیمہ سے تیاری کی تھی تو اپنے عیال و اطفال کی جانب جناب زینب سلام اللہ علیہا کو سفارش فرمائی تھی جناب زینبؑ نے اپنے بھائی کی وصیت پر خوب عمل کیا۔ جب شمر نے حضرت سجادؑ کے قتل کا ارادہ کیا تھا تو یہ مخدرہ بھتیجے سے لپٹ گئیں اور فرمایا۔ اے کمینہ اگر اس کا قتل کرے گا تو مجھے بھی قتل کرے گا۔ پس وہ باز آگیا۔ (دمعہ ساکبہ)

تاراجئ خیام کے وقت جب کہ بیبیوں کا سہارا کوئی نہ تھا وہ ایک دوسرے کے دامن میں پناہ لیتی تھیں۔ جناب فاطمہ بنت حسینؑ کی طرف ایک ظالم بڑھا اور اس نے کوئی ایسا ظلم کیا کہ شاہزادی بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئیں۔ اس نے سر مبارک سے چادر اتار لی جب شاہزادی کی آنکھ کھلی روتی ہوئی اپنی پھوپھی کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی پھوپھی جان مجھے کوئی اوڑھنی دیجئے تاکہ سر کے بال چھپالوں

اور ان نامحرم لوگوں سے پردہ بنالوں تو بی بی نے فرمایا۔ بیٹی میں بھی تیری طرح سر برہنہ ہوں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کتب مقاتل میں ہے کہ جب خیام آل محمدؐ کو آگ لگی تو بھائی کی وصیت کیمطابق جناب زینبؑ عالیہ کو خانوادہ عصمت کے بچوں کی زیادہ فکر تھی۔ چنانچہ حضرت سجاد جو بستر بیماری پر صاحب فراش تھے۔ بی بی اپنے بیمار بھتیجے کی خاطر جلتے ہوئے خیمہ میں پہنچی اور وہاں سے بیمار امام کو اٹھا کر باہر لائیں۔ حالت یہ تھی کہ خیام سے آگ کے شعلے بلند تھے۔ بچوں اور عورتوں کی نالہ و گریہ کی صدائیں بلند تھیں اور اہل جفا لوٹنے کے لئے دوڑتے ہوئے آرہے تھے۔ آل رسول کے خوردسال شہزادے آگ کے ڈر سے خیام سے نکلے تو جدھر کو رُخ کیا پلٹ نہ سکے۔ البتہ بعض کی لاشیں شب یازدہم بیبیوں نے ڈھونڈ لیں۔ امیر مسلم کے دونوں شہزادے بھی اسی وقت گم ہوئے جو فوج اشقیاء نے گرفتار کرکے ابن زیاد کے پیش کئے اور سال برابر قید رہ کر دریا کے کنارے شہید کر دیئے گئے۔ جناب سکینہ خاتون کے گوشوارے بھی اتار لئے گئے جس کی بدولت بی بی کے دونو کان بھی زخمی ہو گئے۔ ہائے حسینؑ !

بیسویں مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ

ہر چیز کی زیادہ وضاحت اس کی ضد کو دیکھنے سے ہوتی ہے۔ اگر رات نہ ہوتی۔ تو دن کی خوبیاں معلوم نہ ہو سکتیں۔ اگر بزدلی نہ ہو۔ تو دلیری و شجاعت کی فضیلت واضح نہیں ہوتی۔ وعلی ھذا القیاس۔ اسی طرح حضرت امیر علیہ السلام کے فضائل و کمالات کا دیگر صحابہ رسولؐ کی سیرت کا جائزہ لینے سے خوب اندازہ لگ سکتا ہے۔

حضرت ابوبکر جب مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئے تو بیت المال سے ان کے گذارے کے لئے دو ہزار درہم مقرر ہوئے لیکن انہوں نے کہا کہ میں کثیر العیال شخص ہوں اور تم لوگوں نے مجھے تجارت وغیرہ سے بھی روک دیا ہے لہذا اس مقدار سے زیادہ کیا جائے۔ پانچسو کا اضافہ کیا گیا اور سردی و گرمی کا لباس اور آدھا بکرا روزانہ بھی مقرر ہوا (تاریخ الخلفاء) حضرت امیر علیہ السلام نے خطبہ شقشقیہ میں سابقہ خلافت پر خوب روشنی ڈالی ہے جس کے آخر میں اپنی دنیا سے کراہت و ناپسندیدگی کا اعلان فرمایا۔

اطاعت رسولؐ میں دیکھا جائے تو خداوند کریم کا صاف فرمان ہے کہ یہ لوگ مومن نہیں بن سکتے جب تک کہ امور اختلافیہ میں آپ کو حاکم نہ تسلیم کریں اور پھر وہ آپ کے فیصلے سے نہ کڑھیں اور اسے اس طرح مان جائیں جس طرح ماننے کا حق ہے (پ ۵) لیکن اس طرف رسول کچھ کہنا چاہتے ہیں تو بعض صحابہ کی طرف سے آواز اٹھتی ہے۔ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَهْجُرُ یہ شخص معاذ اللہ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ (نسیم الریاض۔ نووی شرح مسلم نہایہ ابن اثیر) خدا تو اپنی اور رسولؐ کی اطاعت کو

ایمان والوں کی علامت قرار دے رہا ہے تو جو لوگ ایسے کی اطاعت کریں جو خدا و رسولؐ کے اطاعت گذار نہ ہوں وہ کیسے مومن کہلانے کے حقدار ہو سکتے ہیں چنانچہ ارشاد قدرت ہے کیا ان لوگوں کو نہیں دیکھتے ہو جو ایسے لوگوں کے ساتھ محبت کرتے ہیں جن پر اللہ ناراض ہے اور فرمایا کہ ایسے لوگوں پر شیطان مسلط ہو چکا ہے ایک مقام پر فرمایا ایسے لوگ شیطان کے گروہ ہیں اور اس قسم کی آیات بہت سی ہیں۔

اور ایسے واقعات شمار سے باہر ہیں جن سے لوگوں کی آل رسولؐ سے عداوت اور دنیا طلبی کا خوب پتہ چلتا ہے۔

جناب رسالت مآبؐ کے بعد جناب بتول معظمہ کے گھر کا جو احترام ہوا۔ ان واقعات کی سیاہی صفحات تاریخ میں اب تک موجود ہے۔ چنانچہ تاریخ امامت والسیاست میں ہے۔ حضرت عمر نے لکڑیاں منگوائیں اور کہنے لگے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ باہر نکلو ورنہ میں آگ لگا دوں گا۔ اسے کہا گیا۔ اس گھر میں تو جناب فاطمہؑ دختر رسولؐ بھی ہیں تو جواب دیا کہ ہے تو مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ جناب فاطمہؑ اندر دروازہ پر کھڑی تھیں۔ فرمایا۔ اے لوگو۔ آج تک تم سے بدترین لوگ میرے دروازہ پر نہیں آئے۔ تم ایسے لوگ ہو کہ جناب رسول پاکؐ کا جنازہ چھوڑ کے چلے گئے اور خلافت کے لئے تعین کر لیا۔ اور ہمارا اس بارہ میں مشورہ تک لیا اور نہ ہمارے حق کی رعایت کی حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی طرف خطاب کر کے کہا۔ کہ اس شخص یعنی علیؑ سے بیعت کیوں نہیں لیتے ہو۔ آخر کافی لے دے کے بعد حضرت عمر خود روانہ ہوئے اور دروازۂ بتول پر پہنچے ــــ دق الباب کیا اور خوب آوازیں بلند کیں۔ بی بی نے کہا اے رسول خدا تیرے بعد میں نے ان دو شخصوں سے کیا کیا دیکھا ہے؟

یعنی بہت تکلیفیں دیکھی ہیں جب حضرت ابوبکر کے سامنے گئے تو حضرت علی نے فرمایا اگر بیعت نہ کروں تو کیا ہوگا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم ہم آپ کو ضرور قتل کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ عبد خدا اور برادرِ رسولؐ کو قتل کرو گے؟ تو حضرت عمر نے کہا عبد خدا تو ٹھیک ہے لیکن ہم آپ کو برادرِ رسول نہیں تسلیم کرتے۔ حضرت ابوبکر چپکے سب کچھ سن رہے تھے تو حضرت عمر نے کہا تم اپنا حکم کیوں نہیں دیتے ہو؟ حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ جب تک جناب فاطمہ زندہ ہیں میں حضرت علی کو کسی ناپسندیدہ امر کے لئے مجبور نہیں کر سکتا۔ پس حضرت علی روتے ہوئے قبرِ رسولؐ پر گئے اور عرض کی یا رسول اللہ۔ اس قوم نے مجھے ذلیل کیا ہے۔ اور میرے قتل کے درپے ہو گئے ہیں (مختصراً) یہی وجہ ہے کہ مرنے سے قبل جب سابقہ اعمال پر نظر کی۔ تو کوئی کہتا تھا کہ میں ایک تنکا ہوتا اور کوئی کہتا تھا۔ میں ایک دنبہ ہوتا کہ ذبح کر کے مجھے کھا لیا جاتا۔ لیکن حضرت امیر علیہ السلام کا اطمینان ملاحظہ فرمایئے۔ انیسویں کی صبح کو مسجد کوفہ میں پہنچے۔ پس نماز کے لئے محرابِ مسجد میں کھڑے ہوئے۔ ادھر وہ ملعون یعنی عبدالرحمٰن بن ملجم اٹھا اور جلدی سے پیچھے چلا اور وہ اس اسطوانہ کے سامنے کھڑا ہو گیا جس پر امام نماز پڑھتے تھے۔ اور اس قدر دیر کی کہ امام نے ایک رکعت پڑھ لی۔ جب دوسری رکعت کے رکوع کے بعد سجدہ اوّل میں گئے اور سر اٹھایا تو اس ملعون نے تلوار سے حملہ کیا اور یہ تلوار اس مقام پر پڑی۔ جہاں عمرو بن عبدود کا خندق کے روز وار پڑا تھا۔ صابر امام نے آہ تک نہ کی اس وقت کوئی بھی دوسرا پاس موجود نہ تھا منہ کے بل گر گئے۔ اور زبان سے یہ کلمات جاری فرمائے۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ یہاں علیؑ کی پیشانی زخمی ہوئی اور مظلوم کربلا کو پیشانی اقدس پر ایک زہر آلود تیر لگا تھا جس سے پرنالہ کی طرح خون پیشانی اقدس سے نکلتا تھا یہ ملعون حضرت علیؑ

پر حملہ کر کے بھاگ کھڑا ہوا اور مسجد سے نکلا ادھر لوگ حضرت امیرؑ کے اردگرد جمع ہو گئے۔ آپ محراب میں اپنے زخم سر کا علاج کر رہے تھے اور آیت قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ پھر فرمایا۔ بس اللہ کا امر آ گیا اور رسولؐ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ سچ بتلا دی کہتا ہے کہ مسجد کے تمام دروازے ایک دوسرے پر لگ رہے تھے۔ ملائکہ نے آسمان پر کہرام بپا کیا۔ ایک تیز آندھی چلی۔ فضا میں تاریکی سخت چھا گئی۔ اور جبریل نے آسمان و زمین کے درمیان منادی کی جس کو ہر بیدار آدمی نے سنا۔ تَهَدَّمَتْ وَاللّٰهِ اَرْكَانُ الْهُدٰى وَانْطَمَسَتْ وَاللّٰهِ نُجُوْمُ السَّمَاءِ وَانْفَصَمَتْ وَاللّٰهِ الْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى قُتِلَ ابْنُ عَمِّ الْمُصْطَفٰى قُتِلَ الْوَصِيُّ الْمُجْتَبٰى قُتِلَ عَلِيُّ الْمُرْتَضٰى قُتِلَ وَاللّٰهِ سَيِّدُ الْاَوْصِيَاءِ قَتَلَهُ اَشْقَى الْاَشْقِيَاءِ۔

جب ام کلثوم نے جبریلؑ کی آواز سنی تو چہرہ اور رخساروں کو پیٹ لیا اور گریبان چاک کیا۔ پس واعلیاہ وامحمداہ واسیداہ۔ کے آوازے کر کے رونے لگ گئیں۔

جب حسنینؑ شریفین داخل مسجد ہوئے تو دیکھا کہ ابو جعدہ بن ہبیرہ مخزومی (جو حضرت علیؑ کا بھانجا تھا) اور ان کے ساتھ چند آدمی خون کے روکنے کی تدابیر کر رہے ہیں۔ تاکہ آپ نماز پڑھ سکیں۔ لیکن آپ میں کمزوری اس قدر آ چکی تھی کہ اٹھ نہ سکتے تھے۔ پس دونوں شہزادے گریہ میں مشغول ہوئے اور پھر اپنے باپ پر گر گئے اور کہنے لگے ہم آپ پر فدا ہو جائیں اے بابا جان۔ کیا حالت ہے آپ نے شہزادوں کو دیکھا اور رو دیئے اور پھر امام حسنؑ سے فرمایا اے بیٹا تو میرے بعد لوگوں کا امام میرا وصی اور خلیفہ ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کو نماز پڑھاؤ۔ پس سب لوگ پیچھے ہٹ گئے اور حضرت امام حسنؑ نے نماز پڑھائی اور حضرت امیرؑ نے بیٹھ کر اشارے سے نماز ادا فرمائی۔ آپ اپنے چہرہ اقدس اور ریش مبارک سے خون صاف کرتے

تھے جو کسی وقت جاری ہوجاتا تھا اور کسی وقت رک جاتا تھا۔ نماز کے بعد امام حسنؑ نے اپنے بابا کا سر گود میں لیا دیکھا کہ آپ حالتِ غشی میں ہیں تو چہرہ اقدس پر بوسہ دیا اور بہت روئے پیشانی پر اور آنکھوں کے درمیان بوسے دیئے۔ آنسو کے چند قطرات جب چہرہ انور پر پڑے تو آنکھیں کھولیں تو فرزند کو روتے دیکھا فرمایا بیٹا حسنؑ کیوں روتے ہو؟ آج کے بعد تیرے بابا کو کوئی گھبراہٹ نہیں یہ تیرا نانا محمد مصطفیٰؐ تیری نانی خدیجۃ الکبریٰؑ اور تیری والدہ فاطمہ زہراؑ اور حورانِ جنت میرے اردگرد موجود ہیں اور میری انتظار میں ہیں پس تم تسلی کرو اور رونا بند کرو۔ کیونکہ فرشتوں کے رونے کی آسمان تک آوازیں بلند ہیں۔ بیٹا آج تو مجھ پر رو رہا ہے اور کل تو خود زہر ستم سے شہید ہوگا اور تیرا بھائی تلوار سے جامِ شہادت نوش کرے گا اور اس حال سے تم دونوں اپنے نانا کے پاس پہنچو گے اور ماں اور باپ سے ملاقات کرو گے۔

امام حسنؑ نے دریافت کیا یہ تو فرمائیے۔ آپ کو کس نے قتل کیا ہے اور یہ ظلم کس نے کیا ہے؟ تو فرمایا۔ بیٹا مجھے یہودی عورت کے بیٹے عبدالرحمٰن بن ملجم نے قتل کیا ہے۔ پھر پوچھا کہ وہ کس راستہ سے گیا ہے؟ فرمایا اس کو ڈھونڈنے کے لئے جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ابھی اسی دروازہ سے یعنی باب کندہ سے آجائے گا چونکہ زہر سر اور بدن میں اثر کر رہی تھی۔ اس لئے پھر دوبارہ غشی طاری ہوگئی۔

وہ ملعون گرفتار ہوگیا اور مسجد میں لایا گیا۔ جب آپ نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ شانے بندھے ہوئے گرفتار سامنے کھڑا ہے اور اس کی تلوار گردن میں حمائل ہے۔ نہایت کمزور آواز میں نرمی اور مہربانی کے لہجہ سے ارشاد فرمایا اے شخص تو نے بڑا کام کیا ہے۔ کیا میں تیرا برا امام تھا جس کی پاداش میں تو نے یہ ظلم کیا ہے؟ کیا میں تیرے اوپر مہربان نہ تھا اور احسان واکرام میں تجھے دوسروں سے اچھا نہ سمجھتا

تھا اور تجھے وظیفہ نہ دیتا تھا کہ تیرے بارے میں مجھے لوگ یہ یہ باتیں نہ کہتے تھے؟ لیکن میں نے تجھے کچھ نہ کہا اور تجھے اپنا مقررہ وظیفہ بھی دیتا رہا۔ میں یہ چاہتا تھا کہ شاید تو اپنے ارادۂ فاسدہ سے باز آجائے۔ لیکن تیرے اوپر بدبختی غالب ہوئی اور تو میرا قاتل ہوگیا۔ راوی کہتا ہے۔ امیر علیہ السلام کی یہ تقریر سن کر ابن ملجم کی آنکھیں آنسو سے ڈبڈبا گئیں اور عرض کی اے مولا جہنم میں جانے والوں کو آپ کیسے نکال سکتے ہیں؟ فرمایا بے شک تو سچ کہتا ہے۔ پھر اپنے فرزند حسن مجتبیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے بیٹا اپنے اسیر پر نرمی کرنا اور اس پر احسان کرنا اس کی آنکھوں کی طرف دیکھتے نہیں ہو کہ دھنس گئی ہیں اور اس کا دل رعب خوف اور گھبراہٹ سے پھڑک رہا ہے۔

اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے کہ جب ابن ملجم نے ظلم کیا تو میں اور حارث اور سوید بن غفلہ اور چند آدمی دروازہ پر پہنچے۔ اندر سے رونے کی آواز سنی ہم بھی رو دیئے امام حسنؑ تشریف لائے اور فرمایا واپس چلے جاؤ پس باقی لوگ تو چلے گئے اور میں کھڑا رہا۔ پھر گھر سے سخت رونے کی آواز بلند ہوئی اور میں بھی سخت رو دیا امام حسن علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کیا میں نے تمہیں جانے کو نہیں کہا تو میں نے عرض کی۔ اے مولا خدا کی قسم جانے کو دل نہیں چاہتا اور قدم حرکت نہیں کرتے جب تک کہ اپنے امام عالی مقام کی زیارت نہ کرلوں۔ اور پھر میں رو دیا تو امام حسنؑ اندر گئے اور واپس آکر مجھے اندر آنے کی اجازت دی۔ میں پہنچا تو امیر علیہ السلام سہارا لگائے ہوئے تھے۔ زرد رنگ کے عمامہ سے سر کو باندھا ہوا تھا کمزوری سخت تھی اور چہرہ پر زردی چھائی ہوئی تھی (لیکن ہائے امام مظلومؑ جب خاک و خون میں غلطاں تھے تو کوئی پاس موجود نہ تھا)۔

میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ امام کا چہرہ زیادہ زرد تھا یا عمامہ کا رنگ زیادہ زرد

تھا ہیں نے جھک کر امام کے چہرہ کا بوسہ لیا اور رو دیا۔ پھر فرمایا اے اصبغ رو نہیں میں تو جنت کی طرف جا رہا ہوں میں نے عرض کی یہ تو مجھے یقین ہے کہ آپ جنت کی طرف جا رہے ہیں میں تو اپنی محرومی کے لئے رو رہا ہوں کہ آپ ایسے امام کی زیارت نہ ہوگی۔

حضرت محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں بابا نے حکم دیا کہ مجھے اپنے مصلائے عبادت پر لے جاؤ۔ پس ہم لے گئے۔ آپ بہت کمزور ہو چکے تھے۔ لوگ اردگرد جمع تھے ان پر بڑی دہشت طاری تھی شدت حزن سے رو رہے تھے پھر امام حسینؑ روتے ہوئے آگے بڑھے اور عرض کی بابا جان! آپ کے بعد ہمارا کون ہوگا آپ کا یہ دن رسولؐ خدا کے دن سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ ہم پر بہت شاق ہے کہ اس حالت میں آپ کو دیکھیں۔ پس حضرت نے آواز دی اور فرمایا۔ بیٹا میرے قریب آ۔ پس حسینؑ قریب گئے۔ درحالیکہ آنکھیں رو رو کر زخمی ہو چکی تھیں۔ حضرت امیرؑ نے شہزادے کے آنسو پونچھے اور سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ خدا آپ کو صبر عطا فرمائے اور تیرے اور تیرے بھائیوں کے اجر میں اضافہ فرمائے پس تھوڑا گریہ کرو۔ خدا اس مصیبت میں تیرا اجر زیادہ عطا فرمائے۔ پس آپ کو حجرہ میں لے جایا گیا اور آپ محراب میں بیٹھے۔

جناب زینبؑ اور ام کلثومؑ تشریف لائیں اور پہلو میں بیٹھ کر رونے لگیں۔ اور عرض کی بابا جان۔ ہمارا غم طویل ہوگا اور آنسو نہ رکیں گے۔ پس حجرہ کے باہر لوگ سن کر رونے لگے اور حضرت امیر علیہ السلام بھی رو پڑے۔ اپنی اہل و اولاد پر ایک نظر دوڑائی پھر حسنینؑ کو پاس بلایا ان کو سینہ سے لگایا اور بوسہ دیا پھر ایک گھنٹہ تک آپ پر غشی طاری ہو گئی اور پھر افاقہ ہوا۔ حضرت رسالتمآبؐ کے بعینہ یہی حالت تھی کہ ان پر غشی طاری ہوتی تھی اور پھر افاقہ ہوتا تھا کیونکہ آپ

کو زہر دی گئی تھی۔ حضرت امیرؑ کو جب افاقہ ہوا تو امام حسنؑ نے دودھ کا پیالہ پیش کیا آپ نے تھوڑا سا نوش کیا اور باقی کو منہ سے ہٹا دیا۔ اور فرمایا یہ اپنے قیدی کو دے دو۔

محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ ہم نے بیسویں کی رات اپنے باپ کے پاس گذاری زہر کا اثر قدموں تک پہنچ چکا تھا۔ حضرت نے اس رات نمازیں بیٹھ کر ادا کیں۔ پس وصیتیں فرماتے رہے اور تسلیاں دیتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوئی پھر لوگوں نے اجازت طلب کی آپ نے اجازت دی۔ پس اندر آئے۔ انہوں نے سلام دیا۔ اور آپ نے جواب سلام دیا۔ اور فرمایا۔ اَیُّھَا النَّاسُ۔ سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ لیکن سوال کم کرنا کیونکہ میں تکلیف میں ہوں۔ پھر لوگوں میں سخت گریہ طاری ہوا۔ (بے شک ایسی حالت میں تکلّم اور یہ دعویٰ خالی از اعجاز امامت نہیں) آپ نے دودھ طلب فرمایا۔ جب لایا گیا تو آپ نے نوش فرمایا۔ لیکن اس دفعہ قاتل کو کچھ نہ دیا۔ فرمایا یہ میرا آخری رزق ہے لیکن بیٹا اپنے اسیر کو بھی اتنا دودھ دے دینا۔ تو امام حسنؑ نے اس ملعون کو بھی دیا۔

حضرت محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں کہ جب اکیسویں کی رات تاریک ہوئی تو آپ نے اپنے تمام اہل بیتؑ کو جمع کیا اور ان سے وداع کیا اور فرمایا۔ اللہ تمہارا نگہبان ہوگا اور وہی کافی ہے پھر ان کو ایمان اور احکام کی وصیتیں فرمائیں جس طرح رسول اللہ نے فرمائی تھیں اور من جملہ دیگر وصایا کے یہ بھی تھا کہ شرک نہ کرنا اور سنتِ رسولؐ کو ضائع نہ کرنا۔ ان دو عمودوں کو قائم رکھنا اور ان دو چراغوں کو روشن رکھنا۔ کل میں تمہارا ساتھی تھا اور آج تمہاری عبرت گاہ ہوں کل جدا ہو جاؤں گا۔ الخ۔ پھر اثر زہر بڑھ گیا اور آپ کے پاؤں مبارک سُرخ ہو گئے۔ پس آپ نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور من جملہ وصایا کے تھا کہ میری قبر کو غائب کر دینا۔ حضرت بتولؑ کی قبر بھی اسی طرح غائب کرو

کردی گئی۔ امام حسنؑ کے جنازہ پر تیر برسائے گئے۔ لیکن ان سب میں امام حسینؑ پر جو ظلم ہوا۔ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ کیونکہ اسی امام مظلوم کے علاوہ کسی کی لاش پر گھوڑے دوڑانے کا ظلم نہیں ہوا اور اس کی پردہ دار بہنوں۔ بیٹیوں و دیگر اہل حرم کو تو رونے سے بھی روک دیا گیا اور یتیم بچوں کو تسلی کی بجائے طمانچے مارے گئے اور انتہائی بے دردی سے ان کو در بدر پھرایا گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ہائے حضرت علیؑ کے زخموں پر پٹی کے طور پر عمامہ باندھا گیا لیکن حسین مظلوم کی زخمی پیشانی پر پٹی باندھنے والا کوئی نہ تھا۔ حضرت علیؑ کے پاس آخری وقت بیٹیاں، بیٹے اور اہل حرم سب موجود تھے لیکن حسین مظلومؑ کے پاس کوئی نہ تھا بلکہ بعد از شہادت بھی لاش کے پاس بیٹھنے کی کسی کو اجازت نہ تھی نہ کفن ملا نہ دفن ہو سکا اور نہ یتیم بچوں کو کوئی تسلی دینے والا رہا کہتے ہیں کسی طرح سکینہ خاتون جو بابا کی لاش پر پہنچی تو شمر نے جھڑک کر اور تازیانہ دکھا کر چھوٹی بچی کو بابا کی لاش سے الگ کر دیا۔ راہ شام میں بھی کھلے طور پر رونے کی اجازت نہ تھی چنانچہ جناب فاطمہؑ بنت حسینؑ سے روایت ہے کہ جب ہم میں سے کسی کی آنکھ میں آنسو آتے تھے اور رونے کی صدا بلند ہوتی تھی تو ظالم لوگ ہمیں نیزوں کی انیوں کے ذریعے خاموش کرا دیتے تھے

اکیسویں مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کونوا مع الصادقین الخ

بروزِ قیامت حضرت امیر علیہ السلام کی شان جنابِ رسالت مآبؐ سے سنیئے۔ حضرت عمر سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ یا علی تیرا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہوگا اور بروز قیامت تم وہاں ہوگے جہاں میں ہوں گا ایک اور روایت میں ہے کہ جنت میں علیؑ کا نور اس طرح تاباں ہوگا جس طرح صبح کا ستارہ اہل دنیا کے لئے روشن ہوتا ہے۔ ابوسعید سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ یَا عَلِی مَعَكَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَصًا مِنْ عِصِیِّ الْجَنَّةِ تَذُوْدُ بِهَا الْمُنٰفِقِیْنَ عَنِ الْحَوْضِ۔ اے علیؑ بروزِ قیامت تیرے پاس بہشت کی لاٹھیوں میں سے ایک لاٹھی ہوگی جس کے ذریعہ سے تو منافقوں کو حوض کوثر سے بھگائے گا۔ نیز ابوسعید سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ مجھے علیؑ کے بارے میں خدا نے پانچ چیزیں عطا فرمائی ہیں جن میں سے ہر ایک دنیا و مافیہا سے بہتر ہے (۱) بارگاہِ خدا میں بروز قیامت علیؑ میرے ساتھ ہوگا۔ یہاں تک کہ خلائق کا حساب تمام ہوگا (۲) لواء الحمد اس کے ہاتھ میں ہوگا جس کے سایہ میں آدمؑ اور اس کی اولاد ہوگی (۳) حوض پر کھڑا ہوگا اور انہی لوگوں کو کوثر پلائے گا جو اس کی معرفت رکھتے ہوں گے (۴) مجھے اس کے بارے میں یہ کوئی خدشہ نہیں کہ ایمان کے بعد کفر کرے یا پاکدامنی کو ہاتھ سے دھو بیٹھے۔ (الروضۃ البہیہ شرح التحفۃ العلویۃ) اب ذرا دوسرے لوگوں کا میدان محشر میں حال ملاحظہ فرمایئے۔ چنانچہ جناب رسالت مآبؐ فرماتے ہیں۔ میرے صحابہ میں سے حوض کوثر پر میرے پاس کئی لوگ آئیں گے جب میں انہیں دیکھوں گا اور وہ

میرے قریب آنے کی کوشش کریں گے۔ تو وہاں سے ہٹائے جائیں گے۔ پس میں کہوں گا یہ تو میرے صحابہ ہیں یہ میرے صحابہ ہیں۔ پس مجھے جواب ملے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ تیرے بعد انہوں نے کیا کیا بدعات کیں۔ (بخاری جلد ۴ کتاب الفتن وکتاب التفسیر سورۃ الانبیاء) جناب رسالت مآبؐ نے جب شہدائے بدر کی قوت ایمانی کی شہادت دی تو حضرت ابوبکر نے عرض کی۔ ہم نے بھی ویسا ہی جہاد کیا جیسا کہ انہوں نے جہاد کیا اور ویسا ہی ایمان لائے جیسا کہ یہ لائے تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ لیکن کیا معلوم کہ تم لوگ میرے بعد کیا کیا بدعات کروگے (موطا) ان تصریحات کے بعد پھر جناب رسالت مآبؐ کی طرف یہ منسوب کرنا کہ آپ نے فرمایا۔ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اَقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ میرے تمام اصحاب مثل ستاروں کے ہیں۔ جس کی بھی اقتداء کروگے ہدایت پاؤ گے۔ دین کے ساتھ تمسخر نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میدان محشر میں سوار ہو کر سوائے ہمارے اور کوئی نہ جائے گا۔ اور وہ ہم چار ہوں گے۔ انصار میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی میرا ماں باپ آپ پر قربان ہو آقا فرمائیے۔ وہ چار کون کون ہوں گے فرمایا (۱) میں براق پر سوار ہوں گا (۲) میرا بھائی حضرت صالح پیغمبر اپنی ناقہ پر سوار ہوگا (۳) میرا چچا حضرت حمزہ میری ناقہ عضباء پر سوار ہوگا (۴) میرا بھائی علیؑ جنت کی ناقہ پر سوار ہوگا اور اس کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا۔ عرش کے سامنے کھڑے ہو کر توحید ورسالت کا کلمہ پڑھے گا تو تمام انسان دیکھ کر محو حیرت ہو کر کہیں گے یہ یا تو کوئی ملک مقرب ہے یا نبی مرسل اور یا حامل عرش ہے تو زیر عرش سے ایک فرشتہ جواب دیگا یہ نہ ملک مقرب ہے نہ نبی مرسل اور نہ حامل عرش ہے بلکہ یہ صدیق اکبر ہے اور یہ علی بن ابی طالب ہے۔ (الروضۃ البہیۃ کتاب المناقب

لابی المؤید سے بروایت ابوبردہ مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا اور ہم بھی پاس بیٹھے تھے کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ قیامت کے روز کوئی قدم اپنی جگہ سے جدا نہ ہوگا۔ مگر یہ کہ خدا چار چیزوں کا سوال کرے گا۔[1] (۱) عمر کے متعلق پوچھے گا کہ اس کو کن کن کاموں میں ختم کیا (۲) جسم کے متعلق پوچھے گا کہ اس کو کیسے کہنہ کیا (۳) مال کے متعلق پوچھے گا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں لگایا اور ہم اہل بیت کے متعلق پوچھے گا کہ ان سے محبت کیسے کی۔ حضرت عمر نے دریافت کیا کہ آپ کی محبت کی کیا نشانی ہے؟ تو آپؐ نے اپنا ہاتھ حضرت علیؑ کے سر پر رکھا جو ان کے پہلو میں بیٹھے تھے اور فرمایا میری محبت کی نشانی یہ ہے کہ میرے بعد اس کے ساتھ محبت کی جائے (مناقب امیرالمومنینؑ ص۱۴۵) ابن عباس سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ[2] علیؑ بروز قیامت حوض کوثر پر ہوگا اور جنت میں کوئی داخل نہ ہوگا۔ مگر وہ جس کے پاس علیؑ ابن ابی طالب کی طرف سے جواز ہوگا۔ نیز حضرت[3] ابوبکر فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت رسالت مآبؐ سے سنا کہ پل صراط سے کوئی نہ گذر سکے گا مگر وہ جس کے پاس علیؑ

---

[1] عن عمرہٖ فیما افناہُ وعن جسدہٖ فیما ابلاہ وعن مالہ عما کسبہ وفیم انفقہ وعن حُبِّنَا۔ اہل البیت فقال لہٗ عمر ما آیۃ حبکم فوضع یدہ علی راس علی کرم اللہ وجہہ وھو جالس الی جنبہ قال آیۃ حُبّی حُبّ ھذا من بعدی

[2] قال رسول اللہ علی یوم القیامۃ علی الحوض لا یدخل الجنۃ الا من جاء بجواز من علیؑ بن ابی طالب

[3] سمعت رسول اللہ یقولُ لا یجوز احد الصراط الا من کتب لہٗ علی الجواز۔ (صواعق محرقہ ابن حجر مکی)

کی تحریر یہ ہوگی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے ایک دفعہ اپنے والد کو دیکھا کہ بار بار حضرت علیؑ کی طرف دیکھ رہے تھے میں نے پوچھا۔ باباجان میں دیکھتی ہوں کہ آپ حضرت علیؑ کے چہرہ کی طرف بہت دیکھتے ہیں تو فرمایا بیٹی۔ میں نے جناب رسالت مآبؐ سے سنا ہے کہ اَلنَّظْرُ اِلٰی وَجْہِ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ (الروضۃ البہیہ)
حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن خدا مجھے اور علی کو فرمائے گا۔ اَلْقِیَا فِی النَّارِ مَنْ اَبْغَضَکُمَا وَ اَدْخِلَا الْجَنَّۃَ مَنْ اَحَبَّکُمَا۔ جہنم میں ڈالو جو تمہارا دشمن ہے اور بہشت میں داخل کرو جو تمہارا دوست ہے۔ اور اسی کے متعلق پروردگار کا ارشاد ہے وَاَلْقِیَا فِی جَہَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیْدٍ۔ (ابوالقاسم حسکانی) نیز ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ وَقِفُوْہُمْ اِنَّہُمْ مَسْئُوْلُوْنَ۔ یعنی قیامت کے دن حکم ہوگا کہ ان کو روکو کہ ان سے کچھ پوچھا جانے والا ہے اس سے مراد ولایت علیؑ کا سوال ہوگا اور واحدی نے بھی یہی مراد لی ہے کہ کہا ہے کہ اس آیت مجیدہ سے حضرت علیؑ اور اہل بیتؑ کی ولاء کے سوال کے متعلق روایت کی گئی ہے۔ کیونکہ خداوند کریم نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا تھا کہ ان کو صاف صاف کہہ دو کہ میرا اجر رسالت اور کچھ نہیں سوائے مودۃ فی القربیٰ کے۔ اور ان کے متعلق سوال کا مقصد یہ ہوگا کہ آیا پیغمبر کی وصیت کے مطابق ان کی دوستی کا حق پورا کیا گیا ہے یا ان کو مہمل یا ضائع چھوڑ دیا گیا ہے پس یہی مطالبہ ہوگا اور سرزنش ہوگی۔ (صواعق محرقہ) اس کو ابونعیم، ابوالقاسم حسکانی اور ابن مردویہ نے بھی نقل کیا ہے۔

ان مراتب کے باوجود جب حضرت علیؑ علیہ السلام کی سیرت کا جائزہ لیا جائے اور خوفِ خدا سے ان کا رونا دیکھا جائے تو ان کی عظمت معرفت کا خوب

پتہ چلتا ہے۔ لیکن کتنا تعجب ہے کہ وہ باوجود ہ اتنے بلند مراتب کے خوف خدا سے گریہ کریں اور ہم بایں بے کاری مطمئن رہیں۔ حضرت امیر علیہ السلام کے دور میں حضرت کے بعض شیعہ ایسے تھے جو سیرت علوی پر چل کر بلند مرتبہ پر فائز ہو گئے، جن کے متعلق یہ وارد ہے کہ ان کو یاد کر کے حضرت علیؑ سرد آہ کھینچتے تھے کہ وہ کہاں گئے، اور بعض بدعمل ایسے تھے جن کے متعلق فرماتے تھے۔ تمہارا امام اللہ کا اطاعت گذار ہے اور تم لوگ اس کے نافرمان ہو۔ ادھر اہل شام کا امام اللہ کا نافرمان ہے لیکن وہ اس کی اطاعت کرتے ہیں خدا کی قسم مجھے پسند ہے کہ معاویہ اپنے صحابہ کا میرے ساتھ سودا کرتا۔ جس طرح دینار کا درہم کے بدلہ میں یعنی وہ مجھ سے ایک کے بدلہ میں دس دس لیتا۔ خدا کی قسم میں تم سے اس قدر تنگ دل ہوں کہ کاش میری اور تمہاری آپس میں پہچان نہ ہوتی کیونکہ تمہاری پہچان میرے لئے ندامت کا باعث ہوئی ہے۔ تم لوگوں نے میرا سینہ غم و غصہ سے پُر کر دیا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہے۔ محمدؐ کا دوست وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کرے خواہ اس کا ظاہری تعلق دُور کا ہو اور محمدؐ کا دشمن وہ ہے جو خدا کا نافرمان ہو خواہ اس کا رشتہ ظاہری قریب ہی ہو۔

بحارالانوار میں مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیر علیہ السلام نے ایک عورت کو دیکھا جو پانی کی مشک اٹھا کر لے جا رہی ہے تو آپ نے وہ مشک اس سے لی اور خود اٹھا کر منزلِ مقصود تک پہنچائی اور اس سے حال دریافت کیا اس عورت نے جواب دیا کہ علیؑ بن ابی طالب نے میرے شوہر کو جنگ میں بھیجا ہے اور وہ وہاں شہید ہو گیا۔ میرے بچے یتیم ہو گئے ہیں اور میرے پاس کچھ نہیں رہا۔ پس مجبور ہو کر لوگوں کی نوکری کرتی ہوں۔ آپ واپس آئے۔ اور ساری رات بے چینی میں گذاری۔ صبح سویرے ایک زنبیل میں خوردونوش کا سامان

اٹھایا اور روانہ ہوئے۔ راستہ میں کسی نے خواہش کی کہ میں اٹھا لوں تو فرمایا۔ قیامت کے دن میرا بوجھ کون اٹھائے گا۔ پس اس عورت کے گھر پہنچے۔ اور دق الباب کیا۔ عورت نے دریافت کیا کہ کون ؟ تو جواب دیا میں وہی شخص ہوں جس نے کل مشک اٹھائی تھی۔ دروازہ کھول کیونکہ میں تیرے بچوں کے لئے کچھ لایا ہوں عورت نے جواب دیا۔ خدا تجھ سے راضی ہو اور میرے اور علیؑ کے درمیان بھی وہ خود ہی فیصلہ کرے۔ پس حضرت داخل ہوئے اور فرمایا میں ثواب حاصل کرنا چاہتا ہوں لہذا ایک کام تم کرو اور ایک میرے ذمے لگاؤ۔ آٹا خمیر کر کے روٹیاں تیار کروں یا بچوں کو کھیل میں مشغول رکھوں۔ عورت نے جواب دیا کہ روٹیاں میں خود اچھی طرح پکانا جانتی ہوں لہذا آپ بچوں کو بہلائیں۔ پس اس عورت نے آٹا لیا اس کو خمیر کیا۔ حضرت امیر علیہ السلام نے گوشت بھوننا شروع کیا اور بھون بھون کر بچوں کو کھلاتے تھے اور خرما کے دانے ان کے منہ میں دیتے تھے اور فرماتے تھے بیٹا! علیؑ کو معاف کرنا وہ تمہاری یتیمی کا باعث ہوا ہے جب عورت نے آٹا خمیر کر لیا تو عرض کی آپ تنور میں آگ جلائیں تو آپ نے اٹھ کر فوراً تنور میں آگ روشن کی جب تنور سے شعلہ نکلا اور آپ کے منہ کو حرارت پہنچی تو اپنے آپ کو فرمایا۔ اے علیؑ یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو بیواؤں اور یتیموں کو ضائع کرے۔ ایک دوسری عورت نے دیکھا تو گھر والی عورت سے کہنے لگی تیرے اوپر وائے ہو یہ تو امیرالمومنین علی علیہ السلام ہیں۔ پس وہ عورت جلدی سے خدمت اقدس میں پہنچی اور عرض کی۔ مجھے معاف فرمائیے۔ میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اے عورت تو مجھے معاف کر کیوں کہ میں تجھ سے شرمسار ہوں کہ میں نے تیرے معاملہ میں کوتاہی برتی ہے۔

آئیے ہم کوئی ایسا کام کریں کہ حضرت علیؑ ہم پر راضی ہوں۔ آج حضرت علیؑ

کی حالت نازک ہے۔ آئیے آپ کی بیمار پُرسی کریں اور مستحب ہے کہ انسان اگر کسی بیمار کی عیادت کے لئے جائے تو مریض کے لئے کوئی چیز بطور تحفہ لے جائے۔ لیکن اس مریض کا تحفہ یہ ہے کہ جن گناہوں کے ہم مرتکب ہو رہے ہیں ان میں سے کم از کم ایک گناہ چھوڑنے کا عہد کر لیں۔ آج اکیسویں کی شب حضرت امیر علیہ السلام تکیے کے سہارے بیٹھے ہیں حالانکہ پوری زندگی میں تکیہ کا سہارا کبھی نہیں لیا تھا۔

حضرت محمد حنفیہ فرماتے ہیں کہ زہر نے جسم اقدس میں سرایت شروع کی ہم نے قدموں پر نگاہ کی تو وہ زہر کے اثر سے سرخ ہو چکے تھے۔ ہم پر یہ وقت بہت گراں تھا اور آپ کی تکلیف بھی بڑھ رہی تھی۔ پس لوگ داخل ہوئے۔ آپ نے ان کے سامنے اوامر نواہی اور وصیتیں بیان فرمائیں۔ ہم نے کھانے پینے کے لئے کچھ پیش کیا۔ لیکن آپؑ نے انکار فرمایا۔ ہم نے دیکھا کہ ہونٹ مبارک ذکر خدا میں حرکت کر رہے تھے اور پیشانی نورانی سے پسینہ جاری تھا جس کو وہ ہاتھ سے صاف کر لیتے تھے۔ میں نے عرض کی۔ بابا جان آپ ہاتھ سے پسینہ صاف کر رہے ہیں ؟ تو فرمایا۔ بیٹا! میں نے جناب رسالت مآبؐ سے سنا ہے کہ مومن کی پیشانی پر بوقت موت پسینہ آتا ہے کہ وہ مثل تازہ موتیوں کے ہو جاتا ہے اور اس کی گھبراہٹ ختم ہو جاتی ہے۔ پھر حضرت حسینؑ اور اپنی تمام اولاد کو نام لے کر چھوٹے بڑے کو یکے بعد دیگرے اپنے پاس بلایا۔ اور ان سے وداع کیا اور فرمایا۔ اب اللہ تمہارا نگہبان ہوگا۔ میں تمہیں اللہ کے حوالے کرتا ہوں یہ سن کر سب رو رہے تھے۔ پھر امام حسنؑ کو وصیتیں فرمائیں منجملہ ان کے ایک یہ کہ میری قبر کو مخفی کرنا۔ امام حسنؑ نے عرض کی کہ بابا جان آپ وصیتیں کیوں فرماتے ہیں تو فرمایا۔ بیٹا! میں نے تیرے نانا کو خواب میں دیکھا ہے اور میں

نے اپنی تکلیفات بیان کیں تو انہوں نے فرمایا۔ ان پر دعا کرو تو میں نے کہا اے اللہ اس امت کو کوئی بُرا حاکم نصیب کر اور مجھے اچھا ساتھ عطا فرما تو حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ پس تیری دعا قبول ہے اور تو تین دن کے بعد ہمارا مہمان ہو گا۔ چنانچہ اے حسنؑ وہ تین دن ختم ہو گئے ہیں۔

پھر فرمایا اے حسنؑ اپنے بھائی حسینؑ کا خیال کرنا۔ تم دونو مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں (غالباً امام حسینؑ کے زیادئی مصائب کی طرف اشارہ تھا) نیز امام حسینؑ کے چہرہ و سینہ پر دستِ شفقت پھیرا اور نہ معلوم اس میں کیا راز مضمر تھا۔ پھر اپنے دونو شہزادوں یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے خطاب کر کے فرمایا کہ میرے بعد تم دونو پر مصائب کا ہجوم ہو گا۔ پس صبر کرنا یہاں تک کہ خدا خود فیصلہ کرے اور وہ احکم الحاکمین ہے۔ پھر بالخصوص امام حسینؑ سے فرمایا اے فرزند! تو اس امت کے ہاتھوں شہید ہو گا۔ پس تقویٰ اور صبر کو نہ چھوڑنا۔ اس کے بعد غیر فاطمی اولاد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ہرگز ہرگز اولاد فاطمہؑ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرنا۔ اور یہی وجہ تھی کہ حضرت امیرؑ کے باقی فرزند میدان کربلا میں ایک دوسرے سے بڑھ کر امام حسینؑ کے سامنے شہادت کو گلے لگاتے تھے۔

پھر آپ نے جملہ اولاد کو تسلی دی اور فرمایا کہ میں اسی رات تم سے جدا ہونے والا ہوں اور جنابِ رسالت مآبؐ سے جا ملنے والا ہوں۔ حبیب بن عمرو بیان کرتا ہے کہ میں حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضور! یہ زخم معمولی ہے آپ فکر نہ کریں تو فرمایا۔ اے حبیب، خدا کی قسم میں ابھی تم لوگوں سے جدا ہونے والا ہوں۔ پس میں رویا اور آپ کی شہزادی جناب ام کلثومؑ بھی ان کلمات سے متاثر ہو کر رونے لگیں تو آپ نے فرمایا اے بیٹی! تم نہ روؤ اور اگر تم وہ چیز دیکھتی جس کو میں دیکھ رہا ہوں تو ہرگز گریہ نہ کرتی۔ حبیب کہتا

ہے میں نے پوچھا اے مولا! آپ کیا دیکھ رہے ہیں تو فرمایا۔ ملائکہ کی صفیں جو ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہیں۔ اور میری انتظار میں ہیں اور میرے بھائی جناب رسالت مآبؐ میرے پاس تشریف فرما ہیں جو مجھے اپنے پاس آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ حبیب کہتا ہے اس کے بعد میں رخصت ہوا اور آپ کی اسی آن میں رحلت ہوئی۔

جناب عُلیا زینبؑ خاتون فرماتی ہیں کہ جب موت کے آثار میں نے دیکھے تو خدمت اقدس میں عرض کی۔ باباجان! میں نے ام ایمن سے ایک حدیث سنی تھی اور آپ کی زبان گہربار سے بھی سننا چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا جو کچھ ام ایمن نے بیان کیا تھا درست ہے بے شک تم اسی شہر میں ایک وقت قید ہو کر آؤ گی اس وقت تمہارا کوئی خیرخواہ اور پرسان حال نہ ہو گا۔ پس صبر سے کام لینا۔ اور فرمایا کہ اس وقت حق کا طرفدار تمہارے سوا کوئی نہ ہو گا۔ پس اپنی تمام اہلبیتؑ کو ایک نظر سے دیکھا اور فرمایا کہ تمہیں اللہ کو سونپا۔ خدا تمہیں محفوظ رکھے وہی تمہارا نگہبان ہو گا اور فرمایا اے ملائکہ پروردگار تم پر میرا سلام ہو۔ پھر قرآن مجید کی ایک تلاوت فرمائی اور پیشانی اقدس پر پسینے کے قطرات نمودار ہوئے۔ ذکر خدا اور کلمہ شہادتین زبان پر جاری ہوئے رُخ انور کو قبلہ کی طرف پھیر لیا اور آنکھیں بند کر لیں اور ہاتھ اور پاؤں دراز کر کے کلمہ شہادتین کو زبان پر جاری فرماتے ہوئے اعلیٰ علیین کی طرف روانہ ہوئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

بائیسویں مجلس

یکم محرم ۱۳۳۴ھ

كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ

حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا علیٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ۔ علیؑ قرآن کے ہمراہ ہے اور قرآن علیؑ کے ہمراہ ہے۔ ارشاد باری ہے۔ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ۔ تحقیق تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور کتاب مبین پہنچ چکے۔ خلقت نوری کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللهَ خَلَقَنَا فَاَحْسَنَ خَلْقَنَا وَصَوَّرَنَا فَاَحْسَنَ صُوَرَنَا وَجَعَلَنَا عَيْنَهُ فِيْ عِبَادِهٖ وَلِسَانَهُ النَّاطِقَ فِيْ خَلْقِهٖ وَيَدَهُ الْمَبْسُوْطَةَ عَلٰى عِبَادِهٖ بِالرَّاْفَةِ وَالرَّحْمَةِ وَوَجْهَهُ الَّذِيْ يُؤْتٰى بِهٖ وَبَابَهُ الَّذِيْ يُدَلُّ عَلَيْهِ وَخُزَّانَهُ فِيْ سَمَائِهٖ وَاَرْضِهٖ بِنَا اَثْمَرَتِ الْاَشْجَارُ وَاَيْنَعَتِ الثِّمَارُ وَجَرَتِ الْاَنْهَارُ وَبِنَا يَنْزِلُ

تحقیق اللہ نے ہمیں نہایت اچھی صورت میں خلق فرمایا اور ہمیں اس نے اپنے بندوں پر رقیب مقرر کیا اور ہمیں مخلوق میں اپنی بولتی ہوئی زبان بنایا اور اپنے بندوں کے لئے رحمت و رافت کا پھیلا ہوا ہاتھ قرار دیا اور اپنا وہ راستہ جس کے ذریعے اس تک پہنچا جائے اور وہ دروازہ جو اس تک رسائی کا ذریعہ ہو ہمیں بنایا۔ اور زمین و آسمان کا خازن ہمیں مقرر کیا ہماری وجہ سے درخت پھلدار ہوئے اور پھل پختہ ہوئے اور نہریں جاری

الْغَيْثُ وَيُنْبِتُ الْاَرْضُ وَبِعِبَادَتِنَا عُبِدَ اللهُ وَلَوْلَا نَحْنُ مَا عُبِدَ اللهُ

ہوئیں اور ہماری وجہ سے بارش نازل ہوتی ہے اور زمین اگاتی ہے اور ہماری ہی عبادت کی وجہ سے اللہ کی عبادت کی گئی اور اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت نہ کی جاتی۔

اور ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا۔ کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش سے دو ہزار برس قبل میرا نور تسبیح خداوندکریم کرتا تھا اور اس کی تسبیح سن کر ملائکہ بھی تسبیح کرتے تھے۔ (منتقی سعید الدین محمد بن مسعود کازرونی) اور فرمایا۔ اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ۔ پس امت کے اعمال کی مقبولیت کی شرط ولاء آل محمدؐ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ النظر الی علی بن ابی طالب عبادۃٌ ولا یقبل اللہ ایمان عبد الا بولایتہ والبرأۃ من اعدائہ یعنی علیؑ ابن ابی طالب کے چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے اور خدا کسی بندے کے ایمان کو قبول نہ کرے گا جب تک وہ اس کی ولاء نہ رکھے اور اس کے دشمنوں سے بیزاری نہ کرے۔ (مناقب خوارزمی) اور ایسا کیوں نہ ہو علیؑ ہی وہ شخص ہے۔ جس کی ابتداء و انتہا خانہ خدا میں ہوئی۔ چنانچہ ولادت کعبہ میں اور شہادت مسجد میں تھی۔ اصول کافی کتاب الایمان والکفر میں حماد بن بشیر سے مروی ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ حضرت رسالت مآبؐ فرماتے ہیں کہ ارشاد خداوندی ہے کہ جس نے میرے ولی کی توہین کی تو گویا اس نے میرے ساتھ اعلان جنگ کیا اور عبد کے لئے فرائض کی ادائیگی کے علاوہ اور کوئی ذریعہ میرے تقرب کا زیادہ موجب نہیں ہے اور انسان نافلہ کے ذریعہ بھی میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ پس جب کسی عبد کو میں اپنا محبوب بنا لوں تو میں اس کے وہ کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور وہ اس کی آنکھ

ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔ اگر وہ دُعا مانگے تو قبول کرتا ہوں اور اگر کچھ مانگے تو میں دے دیتا ہوں اور ایسا مومن جب موت کو ناپسند کرتا ہے تو میں بھی اس کی موت کو پسند نہیں کرتا۔

جب ہر مومن مظہر خداوندی بن سکتا ہے تو جو مومنوں کے امام ہیں۔ وہ کیسے ہوں گے بے شک وہ خدا کے مظہر کامل ہوں گے۔ اسی بنا پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت میں ہے۔ کہ ہماری ولایت اللہ کی ولایت ہے اور ہم پر ظلم کرنا اللہ پر ظلم کرنا ہے۔ (غایۃ المرام) مناقب میں ابن عباس سے منقول ہے کہ جب حسینؑ کربلا کی طرف متوجہ ہوئے تو میں نے امام حسینؑ کو کعبہ کے دروازہ پر دیکھا کہ جبریلؑ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا اور جبریلؑ آواز دے رہا تھا کہ ھَلُمُّوا الی بیعۃِ اللہ۔ آؤ لوگو۔ اللہ کی بیعت کرو۔ گویا حسینؑ کا ہاتھ ید اللہ ہے۔

جس طرح بابا نے رضائے خدا کی خاطر بستر رسولؐ پر اپنے نفس کی پرواہ نہ کی۔ حسینؑ نے بھی اعلائے کلمۂ حق کے لئے ثبات و استقلال کا ایسا مظاہرہ فرمایا کہ رہتی دنیا تک اس کی نظیر مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ مدینہ کو چھوڑا مکہ کو وداع کیا مدینہ سے سفر کی نوعیت کیا تھی اور مکہ سے کس حالت میں روانگی فرمائی نیز اپنے نانا بزرگوار اور مادر گرامی کی قبروں سے کیسے جدا ہوئے۔ پھر سامانِ سفر کچھ ساتھ تھا۔ اس کا مختصر جواب یوں سمجھو کہ جب حسینؑ روانہ ہوئے تو اس دن مشرق و مغرب میں کسی مقام پر اس قدر گریہ و فغان نہ ہوگا جتنا آلِ محمدؐ کے گھر میں تھا۔ رات کے وقت قبر رسولؐ پر تشریف لے گئے اور عرض کی۔ السلام علیک یا رسول اللہ۔ میں فاطمہؑ کا لخت جگر حسینؑ ہوں۔ میں آپؐ کا اور آپ کی شہزادی کا فرزند ہوں اور آپؐ کا نواسہ بھی ہوں۔ آپؐ نے مجھے اپنی امت میں اپنا خلیفہ چھوڑا ہے لیکن

اے نبی خدا آپ گواہ رہیں کہ ان لوگوں نے میری بے قدری کی اور مجھے ضائع کر دیا ہے۔ میں یہ شکوہ آپ سے اس دن بیان کروں گا جس دن ملاقات ہوگی۔ اس کے بعد بہت دیر تک نماز میں مشغول رہے۔ دوسری رات پھر تشریف لائے اور چند رکعت نماز ادا کر کے اپنے پروردگار سے یہ التجا کی۔ اے خدایا یہ تیرے نبی محمد مصطفیٰؐ کی قبر ہے اور میں تیرے نبیؐ کی شاہزادی کا فرزند ہوں اب جو معاملہ مجھے درپیش ہے تو اس کو خوب جانتا ہے میں نیکی کو پسند کرتا ہوں اور برائی سے نفرت کرتا ہوں۔ میں اس قبر اور صاحب قبر کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ میرے لئے وہ چیز اختیار فرما۔ جس میں تیری اور تیرے رسولؐ کی رضا مندی ہو۔ اس کے بعد بہت دیر تک روتے رہے اور طلوع صبح سے تھوڑا پہلے قبر رسولؐ کے پاس سو گئے اور عالمِ خواب میں اپنے نانا کی زمرۂ ملائکہ میں زیارت کی۔ جناب رسالت مآبؐ نے حسین کو سینہ سے لگا لیا۔ دونو آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اور فرمایا اے میرے پیارے حسینؑ۔ عنقریب تو خاک و خون میں غلطاں زمین کربلا میں شہید کیا جائے گا۔ اور باوجود اس کے تو پیاسا ہوگا۔ آخر میں فرمایا بیٹا بس عراق کی تیاری کرو۔ پس روتے ہوئے قبر پیغمبرؐ سے واپس آئے اور تیاری فرمائی پھر حضرت محمد حنفیہ سے ملاقات ہوئی اور دونوں بھائی روتے ہوئے ایکدوسرے سے جدا ہوئے۔ مدینہ سے روانگی کے وقت اولاد عبد المطلب کی مستورات جمع ہوئیں اور انہوں نے رونا شروع کیا۔ امام نے ان کو تسلی دی تو وہ عرض کرنے لگیں کہ آپ کے بعد ہم اپنا گریہ کس کے لئے بچا کر رکھیں ہمیں تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آج ہم سے رسولؐ و بتولؑ و علیؑ جدا ہو رہے ہیں۔ پھر آپ کی ایک پھوپھی نے آ کر عرض کی کہ میں نے ایک جن کو آپ کا مرثیہ پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ بس آپ نے سب کو وداع کیا۔ اور آخر ایک مرتبہ پھر قبر رسولؐ پر آئے اور قبر کو

وداع کیا۔ آج حسینؑ روضۂ رسولؐ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے ہیں۔ لیکن حیات رسولؐ میں چند گھنٹے اگر گھر سے باہر جاتے تھے تو رسولؐ بے تاب ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ابن عباس سے روایت ہے ایک دن جناب بتول معظمہؑ حضرت رسولؐ خدا کی خدمت میں روتی ہوئی آئی۔ آپؐ نے رونے کی وجہ پوچھی تو بی بی نے عرض کی کہ حسنؑ و حسینؑ دونوں گھر سے کہیں باہر گئے ہیں حضورؐ نے اپنی شہزادی کو تسلی دی پھر حسنینؑ شریفین کی حفاظت کی اللہ سے دعا مانگی۔ اور بروایت دمعہ ساکبہ صحابہ میں سے ستر آدمی ہمراہ لے کر روانہ ہوئے۔ جبریلؑ نے اطلاع دی کہ وہ بنی نجار کے باغ میں ہیں اور ایک فرشتہ خداوند کریم نے ان کی حفاظت کے لئے مقرر فرمادیا ہے۔ چنانچہ جب حضورؐ وہاں پہنچے تو دیکھا دونو بھائی ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر محو خواب ہیں اور ایک فرشتہ اپنے دونو پران کے اوپر پھیلا کر بیٹھا ہے۔ پس شہزادوں کو جگایا۔ حسنؑ کو دائیں اور حسینؑ کو بائیں کندھے پر سوار کیا اور واپس روانہ ہوئے کسی نے عرض کی کہ ایک شاہزادہ مجھے دے دیجئے کہ اٹھالوں تو آپؐ نے فرمایا۔ ان کی سواری بہترین سواری ہے اور یہ دونوں اس سواری کے بہترین سوار ہیں اور ان کا باپ ان سے بہتر ہے پس مسجد میں تشریف لائے اور کھڑے ہو کر کچھ بیان فرمایا اور آخر میں فرمایا جو ان دونوں کو دوست رکھے گا وہ جنت میں یقیناً جائے گا اور جو ان دونوں سے دشمنی کرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ (الروضۃ الندیۃ صـ۱۰۸) نیز اسی کتاب میں حضرت عمر سے روایت ہے کہ میں جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں پہنچا۔ دیکھا کہ حضرتؐ نے امام حسینؑ کو پشت پر بٹھایا ہوا تھا اور اپنے منہ میں تاگا ڈال کر اس کا ایک سرا امام حسینؑ کے ہاتھ میں دیا ہوا تھا۔ پس حسینؑ جس طرف چاہتے تھے حضرتؐ اپنے زانو کے بل اسی طرف کو چلتے تھے۔ میں نے دیکھتے

ہی کہا۔ نِعْمَ الْجَمَلُ جَمَلُكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ۔ یعنی اے حسینؑ تیرا اونٹ بہترین اونٹ ہے تو اس وقت پیغمبرؐ نے فرمایا۔ نِعْمَ الرَّاكِبُ هُوَ يَا عُمَرُ یعنی بہترین سوار ہے یہ سوار۔ اے عمر! بعض روایات میں ہے امام حسینؑ نے عرض کی کہ لوگوں کے اونٹ تو آواز بھی کیا کرتے ہیں تو حضرتؐ نے ان کی دلجوئی کی خاطر دو مرتبہ کہا۔ عفو عفو۔ تو جبریلؑ نازل ہوا اور عرض کی اگر تیسری دفعہ زبان سے یہ کلمہ نکلا تو دوزخ بالکل خاموش ہو جائے گا۔ (وسیلۃ النجاۃ صـ۲۶۸) ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ خدا جب بھی حسینؑ کو آتے ہوئے دیکھتے تھے تو ان کو سینے سے لگا کر بوسہ دیتے تھے۔ نیز ابو ہریرہ سے منقول ہے۔ میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا کہ حضرت رسولؐ خدا نے اپنے لخت جگر حسینؑ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا ہوا تھا اور حسینؑ کے قدم رسولؐ کے قدموں کے اوپر تھے اور حضورؐ فرما رہے تھے اے نور چشم اوپر چڑھ آؤ۔ چنانچہ حسین نے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ حضورؐ کے سینے پر حسینؑ کے قدم آ پہنچے۔ پھر رسولؐ نے فرمایا اے فرزند اپنا منہ کھولو۔ پس حسینؑ کے منہ پر بوسہ دیا اور فرمایا۔ اے اللہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ (الروضۃ الندیہ) ہائے آج وہی حسینؑ روضۂ رسولؐ کو ہمیشہ کے لئے وداع کر رہا ہے۔

تیئسویں مجلس

یاایُّھَاالَّذِینَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُونُوا مَعَ الصَّادِقِین

علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ حضرت علیؑ کا فرمان ہے اَنَا کَلَامُ اللّٰہِ النَّاطِق۔ یعنی میں اللہ کا کلامِ ناطق ہوں۔ ارشادِ خداوندی ہے قَدْ جَاءَکُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْن۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ اس آیت مجیدہ میں نور سے مراد ولایت علیؑ بن ابیطالبؑ ہے (ابوجعفر محمد بن جریر طبری) چنانچہ اطلاقات قرآنیہ ملاحظہ فرمائیے۔ جنمیں ولایت کو نعمت کہا گیا ہے۔

(۱) لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْم۔ حافظ ابو نعیم نے لکھا ہے کہ یہاں نعیم سے مراد ولایت امیرالمومنینؑ ہے اور بحارالانوار جلد ۷ میں ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا نَحْنُ النَّعِیْم۔ یعنی وہ نعمتیں ہم ہیں۔

(۲) یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَہَا۔ یعنی لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچان کر ان کا انکار کرتے ہیں۔ بحارالانوار جلد ۷ میں ہے کہ نعمت سے مراد آئمہ ہیں حضرت رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا۔ خدا نے میرے بھائی علی کو اس قدر فضائل عطا فرمائے ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا اور بروایت ابن عباس حضورؐ سے مروی ہے۔ لَوْ اَنَّ الْغِیَاضَ اَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ مِدَادٌ وَالْجِنُّ حُسَّابٌ وَالْاِنْسُ کُتَّابٌ مَا اَحْصَوْا فَضَائِلَ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِب علیہ السلام۔ یعنی اگر تمام درخت قلمیں ہوں، سمندر سیاہی ہوں جن حساب کرنے والے ہوں اور انسان لکھنے والے ہوں تب بھی علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام کے فضائل کا احاطہ نہ کر سکیں گے۔
(مناقب خوارزمی)

(۳) ارشادِ خداوندی ہے۔ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا۔ اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہ کر سکو گے قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِہٖ مَدَدًا۔ کہہ دیجئے اگر سمندر سیاہی بن جائیں کلمات ربّ کے لئے تو سمندر ختم ہو جائیں گے قبل اس کے کہ کلمات پروردگار ختم ہوں۔ اگرچہ ان کے ساتھ اتنے اور بھی ملا دیں۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ۔ یعنی روئے زمین کے تمام درخت اگر قلمیں ہو جائیں اور سمندر کے ساتھ سات سمندر اور بھی بطور سیاہی جمع کر دیئے جائیں تو پھر بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے جبھی تو فرمایا۔ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ۔

(۴) ارشادِ خداوندی ہے۔ اَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ۔ بحارالانوار جلد ۹ میں تفسیر وکیع سے منقول ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اے محمدؐ لوگوں میں حضرت ابو طالب کے احسانات کا تذکرہ کیجئے۔ اس کتاب اللہ میں حضرت علیؑ کے جو فضائل ہیں بیان کیجئے تاکہ ان کی ولایت کا اعتقاد رکھیں۔ بنا بریں مناقب ابن مغازلی میں حضرت عائشہ سے منقول ہے زَیِّنُوْا مَجَالِسَکُمْ بِذِکْرِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ۔ یعنی وہ فرمایا کرتی تھیں کہ اپنی مجلسوں کو علیؑ کے ذکر سے زینت دیا کرو۔

(۵) خدا فرماتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ کُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَھُمْ دَارَ الْبَوَارِ۔ کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارا۔ تفسیر عیاشی میں

حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ نعمت خدا ہم ہیں۔ تفسیر درمنثور سورہ ابراہیم میں ابن ابی الحاتم سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے دعا مانگی اے اللہ میرے ظلم اور کفر کو معاف کر دے تو سائل نے دریافت کیا یہ کون سا ظلم اور کفر ہے جس کی معافی چاہتے ہو تو حضرت عمر نے جواب دیا۔ خدا جو فرماتا ہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ۔

مقداد بن اسود کندی سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسالت مآبؐ امام حسنؑ و امام حسینؑ کی تلاش میں نکلے میں ساتھ تھا دیکھا کہ ایک بڑا اژدہا سامنے بیٹھا تھا جب اس نے حضورؐ کی آواز کو محسوس کیا تو سیدھا ہو گیا میں نے دیکھا کہ وہ بہت موٹا اور قد میں کھجور سے بھی بلند تھا اور اس کے منہ سے آگ نکل رہی تھی۔ پس حضورؐ کو دیکھتے ہی تاگے کی طرح باریک ہو گیا۔ حضورؐ نے مجھے خطاب کر کے فرمایا کہ تجھے معلوم ہے اس نے مجھے کیا کہا ہے تو میں نے عرض کی خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتا ہے۔ پس آپؐ نے فرمایا۔ یہ اژدہا اللہ کا شکر کر رہا ہے کہ اس نے مجھے اس وقت تک موت نہیں دی جب تک کہ مجھے اولاد نبیؐ کا نگہبان نہیں بنا لیا پس وہ اژدہا زمین میں غائب ہو گیا۔ میں نے ایک درخت کو دیکھا جو نہ اس وقت سے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھا ہے وہ درخت ان پر سایہ کئے ہوئے تھا۔ پس رسالت مآبؐ بیٹھ گئے حسنؑ کا سر اپنے دائیں زانو پہ رکھا اور حسینؑ کا سر اُٹھا کر اپنے بائیں زانو پر رکھا پھر جھک کر حسینؑ کے منہ میں اپنی زبان مبارک داخل کی تو حسینؑ ایک مرتبہ بیدار ہو کر پھر سو گئے۔ اسی طرح حسنؑ ایک مرتبہ بیدار ہو کر سو گئے۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ مومنین کے دلوں میں حسینؑ کی معرفت موجود ہوتی ہے تو بھی اللہ سے اسی کا سوال کر۔ پھر جب شاہزادے بیدار ہوئے تو حضورؐ نے ان کو اپنے کندھوں پر سوار کیا۔ اور

واپس تشریف لائے۔ (خصائص) ہائے کس طرح اس شہزادے نے روضۂ رسولؐ کو ہمیشہ کے لئے وداع کیا ہو گا۔ جب مدینہ سے روانہ ہونے لگے تو مسلمان جنّوں کی فوجیں حاضر ہوئیں اور عرض کی اے آقا ہم آپ کے شیعہ ہیں آپ ہمیں حکم دیں تاکہ آپ کے تمام دشمنوں کو ختم کر دیں اور آپ کو اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی ضرورت بھی نہ ہو۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان کو چار جواب دیئے (۱) کہ کیا تم نے کتاب خدا نہیں پڑھی۔ کہ تم اگرچہ پختہ مکانات میں بھی ہو گے اور جہاں بھی ہو گے تمہیں موت پا لے گی اور نیز فرمایا کہ جن لوگوں پر قتل ہونا حتمی ہے وہ ضرور اپنی خواب گاہوں کی طرف جائیں گے۔ (۲) اگر میں یہاں ٹھہر جاؤں تو اس مخلوق کا امتحان کیسے ہو گا (۳) اگر میں نہ جاؤں تو کربلا میں میری قبر کا ساکن کون ہو گا جو دحوالارض کے دن سے میرے لئے مخصوص ہے اور ہمارے شیعوں کے لئے جائے پناہ اور دنیا و آخرت میں ان کے لئے دارالامان ہو گا (۴) ہاں عاشور کے دن آنا جس کے آخر میں میں قتل کیا جاؤں گا اور اس وقت میرے اہل بیتؑ اور برادری سے کوئی بھی نہ بچے گا اور میرا سر یزید بن معاویہ کی طرف بھیجا جائے گا۔ اس وقت جنوں نے عرض کی اے آقا اے حبیب خدا اور حبیب خدا کے فرزند اگر آپ کے امر کی اطاعت واجب نہ ہوتی تو ہم آپ کے سب دشمنوں کو تباہ کر دیتے اور آپ کو ذرہ بھر تکلیف نہ ہوتی تو امام نے فرمایا خدا کی قسم ان کے ہلاک کرنے پر میں تم سے زیادہ قادر ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ امتحان تمام ہو اور جو شخص ابدی زندگی چاہے تو سوچ سمجھ کر اور جو ہلاک ہو وہ بھی جان بوجھ کر۔

آپ مکہ میں پہنچے اور یہ وہ مقام ہے جس کے متعلق ارشاد ہے۔ مَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا۔ پس احرام حج کو عمرہ مفردہ سے تبدیل فرمایا اور مکہ امن کی بجائے مقام خوف بن گیا۔ صواعق میں ہے کہ جب محمد بن حنفیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو

آپ کے سامنے ایک طشت رکھا ہوا تھا آپ وضو فرمارہے تھے آپ اس قدر روئے کہ برتن آنسو سے پُر ہوگیا۔ ملہوف میں ہے آپ نے سحر کے وقت وہاں سے کوچ فرمایا تو محمد بن حنفیہ حاضر ہوئے آپ کی سواری کی مہار تھام کر عرض کی۔ آقا۔ پھر اس قدر تعجیل کیوں فرمارہے ہیں۔ تو فرمایا مجھے ڈر پیدا ہوا ہے کہ یزید بن معاویہ دھوکے سے مجھے یہاں قتل نہ کردے۔ مبادا میری وجہ سے بیت اللہ کی حرمت ختم ہوجائے۔ نیز تمہارے جانے کے بعد جنابِ رسالت مآبؐ کی مجھے زیارت ہوئی اور انہوں نے مجھے جانے کا حکم دیا ہے کیونکہ خدا نے میرے لئے شرفِ شہادت وہاں مقرر فرمایا ہے تو محمد بن حنفیہ نے عرض کی پھر ایسی حالت میں آپ پردہ داروں کو کیوں ساتھ لے جارہے ہیں تو آپ نے فرمایا۔ مجھے نانا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کے قید ہونے میں مصلحتِ خداوندی ہے اور نیز وہ بھی مجھ سے جدائی کو پسند نہیں کرتیں جب تک میں زندہ ہوں۔ پس محمد بن حنفیہ رو رو کر نہایت کبیدہ خاطر رخصت ہوئے۔ بہرکیف امام نے ۸ یا ۹ ذوالحجہ کو وہاں سے روانگی فرمائی اور جانے سے پہلے ایک مختصر سا خطبہ پڑھا جس کے آخر میں فرمایا کہ جو شخص ہمارے لئے اپنے خون کی قربانی دے سکے اور اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہو تو وہ بے شک ہمارے ساتھ جاسکتا ہے ہم سویرے جارہے ہیں اس خطبہ میں آپ نے اپنی شجاعت ثبات قدمی اور تسلیم امرِ خدا کا اظہار فرمایا۔ نیز آپ نے غیب کی خبر دی جو بالکل حرف بحرف درست ثابت ہوئی اور امر بالمعروف کا فریضہ بھی ادا فرمایا اور ان سب واقعات پر صبر و ثبات اور عزم و استقلال کا مظاہرہ بھی فرمایا۔

پس آپ نے وہاں سے کوچ فرمایا اور نہایت تیزی سے سفر کیا اور متواتر چلتے رہے یہاں تک کہ منزل ذاتِ عرق پر نزول اجلال فرمایا۔ تو بشر بن غالب کوفہ سے آتے ہوئے ملا آپ نے اس سے کوفہ کے حالات دریافت کئے تو اس نے

جواب دیا کہ واقعی لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں آپ نے فرمایا اس اسدی نے سچ کہا ہے اور اللہ وہی کرے گا جو چاہے گا۔

فرزدق شاعر کہتا ہے کہ سنہ ۶۰ھ میں میں اپنی ماں کو حج کرانے کے لئے جا رہا تھا جب حرم میں داخل ہوا تو امام حسینؑ بمعہ اپنے قافلہ کے مکہ سے آرہے تھے میں نے کسی سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں تو معلوم ہوا کہ حضرت حسینؑ ہیں تو میں نے جاکر سلام کیا اور عرض کی میرا باپ آپ پر قربان ہو کیوں جلدی کررہے ہیں اور حج بھی ادا نہیں کی تو فرمایا۔ اگر میں جلدی نہ کروں تو گرفتار ہوجاؤں گا۔ آپ نے پوچھا تو کون ہے تو میں نے جواب دیا کہ ایک عربی ہوں۔ پس اس کے علاوہ آپ نے اور کچھ نہ پوچھا صرف یہ کہا کہ لوگوں کے حالات کیا ہیں تو میں نے عرض کی دل آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔ میں نے مسائل حج دریافت کئے اور آپ نے وہ سمجھائے پھر آگے روانہ ہوگئے۔ راستہ میں حضرت مسلم ہانی اور عبداللہ بن یقطر کی موت کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا حضرت مسلم خدا کی رضا کی طرف منتقل ہو گئے اور جو ان پر فرض تھا انہوں نے ادا کردیا ہے اور جو ہم پر ہے وہ باقی ہے۔ پھر اپنے ساتھیوں کو حقیقتِ حال سے اطلاع دی اور فرمایا تم میں سے جو شخص جانا چاہے میری طرف سے اجازت ہے پھر اس وقت بہت سے لوگ ساتھ چھوڑ کر چلے گئے اور وہی بچے جو خالص تھے۔ آپ نے یہ اشعار زبان پاک پر جاری فرمائے

فَاِنْ تَکُنِ الدُّنْیَا تُعَدُّ نَفِیْسَۃً	اگرچہ دنیا نفیس چیز شمار ہوتی ہے
فَدَارُ ثَوَابِ اللّٰہِ اَعْلٰی وَاَنْبَلُ	لیکن اللہ کا بدلے کا گھر اعلیٰ اور زیادہ قیمتی ہے
وَاِنْ تَکُنِ الْاَبْدَانُ لِلْمَوْتِ اُنْشِئَتْ	اور اگر بدن موت کے لئے ہی پیدا کئے گئے
فَقَتْلُ امْرِءٍ بِالسَّیْفِ فِی اللّٰہِ اَفْضَلُ	ہیں تو انسان کا اللہ کی راہ میں تلوار سے قتل ہونا افضل ہے

وَاِنْ تَكُنِ الْاَرْزَاقُ قِسْماً مُقَدَّراً	اور اگر رزق مقرر شدہ اور تقسیم شدہ ہیں تو
فَقِلَّةُ حِرْصِ الْمَرْءِ فِي السَّعْيِ اَجْمَلُ	کوشش میں حرص تھوڑا کرنا ہی زیادہ خوب ہے
وَاِنْ تَكُنِ الْاَمْوَالُ لِلتَّرْكِ جَمْعُهَا	اور اگر اموال کا جمع کرنا چھوڑ جانے کیلئے ہے
فَمَابَالُ مَتْرُوْكٍ بِهِ الْمَرْءُ يَبْخَلُ	توجس چیز کو چھوڑ جانا ہو اس پر انسان کے

بخل کرنے کا کیا مطلب ہے؟

حسینؑ کیا کہنا آپ کے استقلال کا۔ جب روزِ عاشور اصحاب واقرباء کی شہادت کے بعد خود میدان میں تشریف لے گئے اور گھوڑے سے گرے۔ بَقِيَ الْحُسَيْنُ مَكْبُوْباً عَلَى الْاَرْضِ مُلَطَّخاً بِدَمِهِ ثَلٰثَ سَاعَاتٍ۔ اپنے خون میں غلطان تین گھنٹے دھوپ میں منہ کے بل زمین پر رہے۔ رَامِقاً بِطَرْفِهِ اِلَى السَّمَاءِ آنکھ آسمان کی طرف تھی اور عرض کر رہے تھے اے اللہ میں تیری قضا پر صابر ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور فرما رہے تھے۔

تَرَكْتُ الْخَلْقَ طُرّاً فِي هَوَاكَا	میں نے تیری محبت میں تمام مخلوق کو چھوڑ دیا ہے اور تیری
وَاَيْتَمْتُ الْعِيَالَ لِكَيْ اَرَاكَا	ملاقات کیلئے اپنے بچوں کی یتیمی کا بار اٹھایا ہے
فَلَوْ قَطَّعْتَنِيْ بِالْحُبِّ اِرْباً	اگر تیری محبت میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں
لَمَا حَنَّ الْفُؤَادُ اِلٰى سِوَاكَا	تب بھی دل تیرے غیر کی طرف نہ جھکے گا۔

بے شک حسینؑ! تو نے صبر کا وہ مظاہرہ فرمایا۔ لَقَدْ عَجِبَتْ مِنْ صَبْرِكَ مَلَائِكَةُ السَّمٰوَاتِ۔ تحقیق تیرے صبر کو دیکھ کر آسمان کے فرشتے بھی محوِ حیرت ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ امام حسین علیہ السلام کے آخری وقت کو دیکھ کر ملائکہ نے روتے ہوئے بارگاہِ پروردگار میں فریاد کی کہ یہ حسینؑ تیرا برگزیدہ اور تیرے برگزیدہ ولی اور نبی کا فرزند ہے تو خدا نے حضرت قائم آلِ محمدؐ کی نورانی تصویر کو ان کے سامنے کیا اور فرمایا میں اسکے ذریعے سے اسکے قاتلوں سے انتقام لونگا۔ (امالی طوسی) اِنَّا لِلّٰہ۔

چوبیسویں مجلس۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ

سچوں کے ساتھ رہنے کا حکم ہے۔ اور انہی سچوں کے ذریعے سے خدا کی رضا اور جنت کا پروانہ حاصل ہو سکتا ہے۔

خداوند کریم نے لوگوں کی قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کی رضا کی خاطر اپنی جانیں بیچ دیا کرتے ہیں اور ایک مقام پر ارشاد ہے اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس و مال خرید لئے۔ اور بدلہ میں ان کو جنت دی۔ خرید و فروخت کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں (۱) بیچنے والا (۲) خریدنے والا (۳) جو چیز بیچی جائے (۴) قیمت۔

یہاں بیچنے والا انسان۔ خریدنے والا اللہ۔ جو چیز بیچی گئی وہ ہے جان اور مال اور قیمت ہے رضائے خدا اور جنت۔ اور خدا تعریف کرتا ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کے ساتھ یہ سودا کیا۔

غایۃ المرام میں موفق بن احمد نے باسناد جناب رسالت مآبؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو تم نور کی سواری پر سوار ہوگے اور سر پر نورانی تاج ہوگا جس سے اہل محشر کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ پس اللہ کی جانب سے ندا آئے گی کہ کہاں ہے، محمدؐ کا خلیفہ تو تم جواب دوگے کہ میں حاضر ہوں تو ارشاد ہوگا۔ کہ اپنے محب کو جنت میں داخل کرو اور اپنے دشمن کو جہنم بھیج دو کیونکہ تم ہی جنت و دوزخ کے قسیم ہو۔

اسی لئے حضرت علیؑ فرماتے تھے انا قسیم النار والجنۃ۔ نیز حضورؐ نے فرمایا کہ حضرت علیؑ بروز قیامت حوض پر تشریف فرما ہوں گے اور جنت

میں کوئی نہ جاسکے گا مگر وہ جس کے ہاتھ میں حضرت علیؑ کا ٹکٹ ہو (الروضۃ الندیہ)

(قول مولف) (چونکہ آیت مجیدہ میں خرید و فروخت کی لفظیں ہمارے سمجھانے کے لئے ہیں مقصد یہ ہے کہ جس طرح زرخرید غلام اپنے وجود کا خود مالک نہیں ہوتا بلکہ اس کا آقا اس کا مالک ہوتا ہے اسی طرح میرے بعض بندے میری رضا کے لئے اپنے نفس کو میرے حوالے کر دیتے ہیں یا جنت کی خاطر اپنے جان و مال و نفس اللہ کو دے دیتے ہیں یعنی وہ اپنے تمام تصرفات میں اللہ کے تابع فرمان ہوتے ہیں۔ اور بغیر اللہ کی مرضی کے ان کا کوئی عضو حرکت نہیں کرتا۔)

پس علیؑ کا تمام وجود اللہ کا ہے اس کا نفس۔ نفس اللہ۔ ہاتھ ید اللہ۔ آنکھ عین اللہ چہرہ وجہ اللہ۔ زبان لسان اللہ۔ پہلو جنب اللہ یعنی علیؑ کے اعضاء سے وہی کچھ ہوگا جو اللہ کی منشا ہوگی۔ اور علیؑ ہر فعل میں مظہر ذات خدا ہے۔ چنانچہ علیؑ کے ہاتھ قدرتِ خدا کے مظہر بنتے رہے۔ آیئے یداللہ کے آثار ملاحظہ فرمائیے۔

جب خیبر کے قلعہ قموص کے دروازہ کو جنبش دی تو پورا قلعہ تھر تھرا گیا حتیٰ کہ جناب صفیہ تخت سے گر پڑیں۔ پھر دروازہ کو بائیں ہاتھ کے ساتھ اکھیڑ کر پھینکا جس کو چالیس جوان نہ اٹھا سکتے تھے۔ اس دروازہ کا کنڈا وغیرہ نہ تھا جس کو پکڑا ہو بلکہ ہاتھ کی انگلیاں اس میں در آئیں اور پکڑ کر اپنی پشت کے پیچھے پھینکا کہ چالیس گز دور جا پڑا یہ دروازہ ۱۸ گز لمبا تھا۔ اور دروازہ کے سامنے جو خندق کھدی ہوئی تھی اس کی چوڑائی ۲۰ گز تھی۔ پس دروازہ کو اٹھا کر خندق کے اوپر رکھا۔ اس کا ایک کنارہ خندق کے کنارے سے مل گیا اور دوسرے کنارے کو نیچے اتر کر اپنے ہاتھ پر اٹھائے رکھا حتیٰ کہ فوج اسلام کے ۸ ہزار ۷ سو آدمی اوپر سے گذر گئے اور گھوڑے بھی گذرے کسی صحابی نے عرض کی ہمیں حیرانی ہے کہ کس طرح علیؑ نے اس دروازہ کو اکھیڑا اور اٹھایا پھر پھینک دیا اور زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ نیچے اتر کر ایک ہاتھ پر اٹھا لیا

کہ سارا لشکر اوپر سے گذر گیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے بندۂ خدا تو نے علیؑ کے کی طرف نگاہ کی۔ ذرا علیؑ کے پاؤں کی طرف تو دیکھو۔ جب اس نے دیکھا تو حضرت علیؑ کے پاؤں زمین پر نہیں تھے۔ تو حد سے زیادہ محو حیرت ہو کر عرض کی۔ حضورؐ! علیؑ کے قدم تو ہوا میں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہوا میں نہیں ہیں بلکہ پر جبریلؑ پر ہیں۔

حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ میں نے قلعہ خیبر کو قوتِ جسمانی سے نہیں اکھیڑا بلکہ قوتِ الہیہ سے اس کو اکھیڑا ہے۔

عبداللہ بن خالد کہتا ہے۔ ایک مرتبہ میں حضرت کے ہمراہ تھا کہ آپ کوفہ سے دو فرسخ کے فاصلہ پر مقام نخلہ سے گذرے وہاں سے پچاس یہودی نکلے اور انہوں نے پوچھا کہ آپ علیؑ بن ابی طالب ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں تو انہوں نے کہا۔ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک پتھر ہے۔ جس پر چھ نبیوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ ہم نے اسے ہر چند تلاش کیا ہے لیکن وہ دستیاب نہیں ہو سکا اگر آپ واقعی امام ہیں تو وہ پتھر تلاش کر دیجئے۔ آپ نے ان کو اپنے پیچھے آنے کی دعوت دی، جنگل میں پہنچ کر ایک بڑے بلند ریگ کے ٹیلے کے پاس کھڑے ہو گئے اور ہوا کو حکم دیا کہ خدا کے اسم اعظم کے صدقہ میں پتھر سے ریگ کو دور کر دے۔ چنانچہ ایک ہی گھنٹہ میں ہوا نے ریت کو اڑا کر پتھر کو ظاہر کر دیا۔ پس آپ نے فرمایا یہ وہی پتھر ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس پر نبیوں کے نام کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا اس کو الٹاؤ تو سہی۔ پس کافی آدمیوں نے کوشش کی لیکن ناکام ہو گئے۔ پس آپ نے ان کو ہٹا کر ایک ہاتھ پتھر کی طرف بڑھایا اور اس کو الٹا کر دیا۔ پس اس پر چھ صاحبانِ شریعت پیغمبروں کے نام تحریر تھے۔ حضرت آدمؑ۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ

حضرت موسیٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم۔ پس یہودیوں نے کلمۂ توحید ورسالت وولایت زبان پر جاری کر لیا اور مومن ہوگئے۔ (دمعہ ساکبہ)

میثم تمار سے مروی ہے کہ میں حضرت امیرؑ کے سامنے بیٹھا تھا۔ آپ احکام بیان فرما رہے تھے۔ جب آپ کا بیان ختم ہوا تو ایک نوجوان اٹھا۔ اور اس نے ایک خط حضرت کے سامنے رکھ کر امیر شام کی تعریف کے چند کلمات کہے۔ حضرت امیرؑ نے عمّار کو حکم دیا کہ سوار ہو کر قبائل کوفہ میں اعلان کرو کہ جس نے حق و باطل اور حرام و حلال میں فرق دیکھنا ہو فوراً پہنچ جائے پس اعلان ہوتے ہی لوگ فوراً جمع ہوگئے کہ مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی عالم اورع اور بطل انزع منبر پر تشریف لائے اور تنحنح کیا تو لوگوں پر خاموشی چھا گئی۔ آپ نے فرمایا وہ امام، امام نہیں جس کی دعا یا برکت سے مردہ زندہ نہ ہو۔ اور آسمان سے بارش نہ برسے یا اس قسم کے معجزات نہ ظاہر کر سکے جن کے اظہار سے دوسرے لوگ عاجز ہوں اور تم میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کو یقین ہے کہ میں آیت باقیہ کلمۂ تامّہ اور حجتِ بالغہ ہوں۔ معاویہ نے میری طرف ایک بدزبان بے لگام جاہل عرب کو بھیجا ہے اور تم جانتے ہو کہ اگر میں چاہوں تو اس کی ہڈیاں پیس ڈالوں اور اس کے نیچے سے زمین کو کھینچ لوں یا یہ کہ اسے زمین نگل جائے۔ لیکن جاہل کی باتوں کا برداشت کرنا صدقہ ہے پھر آپ نے خدا کی حمد و ثنا کی اور حضرت رسالت مآبؐ پر درود بھیجا اور فضا میں اپنا ہاتھ بڑھایا تو ایک بادل حاضر ہوا اور اس نے السلام کیا۔ آپ عمار کے ہمراہ اس پر سوار ہو کر آنکھوں سے غائب ہوگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آگئے اور لوگوں نے دیکھا تو آپ دکۃ القضاء پر تشریف فرما تھے اور عمار سامنے تھا۔ پھر آپ نے خطبہ شقشقیہ پڑھا۔ مسجد میں بیٹھے

لوگوں کے جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔ کسی کا ایمان زیادہ ہوا اور کسی کے کفر میں زیادتی ہوئی۔ عمار کہتا ہے جب بادل نے پرواز کی تو تھوڑے وقت میں ہم ایک بڑے شہر میں پہنچے۔ جس کے اردگرد نہریں اور باغات تھے لوگوں کی زبان عربی کے علاوہ کوئی اور تھی وہ فوراً جمع ہوگئے تو آپ نے ان میں انہی کی زبان میں تقریر فرمائی۔ پھر ہم واپس آگئے تو مجھے آپ نے فرمایا اے عمار تجھے پتہ ہے وہ کون سا شہر تھا تو میں نے جواب دیا کہ اللہ رسولؐ اور ولی ہی اس کو جانیں مجھے کیا معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا وہ ملک چین کا سا تواں جزیرہ تھا جس میں ہم پہنچے تھے کیونکہ جناب رسولِ خداؐ تمام لوگوں کے رسول تھے یہ سن کر لوگوں نے عرض کی جب آپ کے پاس اتنی طاقت ہے تو معاویہ سے لڑنے کے لئے آپ فوجیں جمع کیوں کرتے ہیں آپ نے فرمایا یہ اس لئے کہ لوگ اپنے جہاد کے فریضہ کو ادا کریں اور اپنے عہد کی وفا کریں۔ خدا کی قسم اگر میں چاہوں تو اپنے اس مختصر ہاتھ کو اس لمبی چوڑی زمین میں بڑھا کر معاویہ کے سینے پر گھونسہ لگاؤں اور اسی کی ڈاڑھی یا مونچھوں کے بال نوچ لوں۔ پس آپ نے ہاتھ بڑھایا اور واپس کیا تو اس میں بال تھے لوگوں نے تعجب کیا پھر اطلاع پہنچی کہ اسی دن معاویہ اپنے تخت سے گرا تھا اور بے ہوش ہو گیا تھا جب ہوش میں آیا تو اسے ڈاڑھی یا مونچھوں کے بالوں میں کمی محسوس ہوئی۔ (دمعہ ساکبہ)

ایک دفعہ آپ مسجد کوفہ میں تشریف فرما تھے تو بعض صحابہ نے عرض کی کہ اس دنیا پر تعجب ہے کہ لوگوں کے ہاتھوں میں جمع ہوتی ہے اور آپ کے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم دنیا کو چاہیں تو وہ ہمارے پاس نہیں آسکتی۔ فوراً مسجد کے سنگریزے مٹھی میں بند کئے اور کھولا تو وہ بیش بہا جواہر تھے فرمایا یہ کیا ہے؟ ہم نے دیکھا تو وہ قیمتی جواہر تھے۔ آپ نے فرمایا

اگر ہم چاہیں تو دنیا ہماری ہے لیکن ہم نہیں چاہتے۔ پس ہاتھ سے پھینک دیئے تو وہ ویسے کے ویسے سنگریزے بن گئے۔ (دمعہ ساکبہ)

جب جناب فضّہ کو خاتونِ جنت کی کنیزی کا شرف حاصل ہوا تو دیکھا کہ اس گھر میں ایک تلوار ایک زرّہ اور ایک چکی کے علاوہ اور کچھ اثاثہ نہیں ہے یہ چونکہ بادشاہان ہند کی لڑکی تھی اس کے پاس اکسیر کا ذخیرہ موجود تھا تو اس نے پیتل کا ٹکڑا لے کر اس پر دوا ڈالی۔ تو وہ سونا بن گیا اتنے میں حضرت امیرؑ تشریف لائے تو فرمایا اے فضہ تو نے خوب کاریگری کی ہے لیکن اس میں ایک کمی رہ گئی ہے اگر تو فلاں طریقہ اختیار کرتی تو اس سے بھی اعلیٰ ہونا بنتا۔ فضہ نے عرض کی اے آقا و مولا! آپ بھی یہ علم جانتے ہیں تو آپ نے اپنے لختِ جگر حسینؑ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا کہ اس کو تو یہ ہمارا بچہ بھی جانتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا اے فضہ ہم اس سے بھی بہت زیادہ جانتے ہیں۔ پس آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ فضہ نے دیکھا تو سونے کے ڈھیر اور زمین کے خزانے چلتے ہوئے نظر آئے آپ نے فرمایا اپنے سونے کو ان میں ملا دے چناں چہ فضہ نے تعمیل کی اور وہ چل دیئے۔ (دمعہ ساکبہ)

ہاں بے شک طاقت و قدرت کے ہوتے ہوئے صبر و رضا کا مظاہرہ خاصان خدا کی شان ہے ناسخ میں ہے جب امام حسینؑ کو اطلاع ملی کہ کوفہ والوں کے دل آپ کے ساتھ اور ان کی تلواریں آپ کے خلاف ہیں تو آپ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ آسمان کے دروازے کھل گئے اور بہت بڑی تعداد میں ملائکہ اترتے ہوئے دکھائی دیئے۔ پس آپ نے فرمایا اگر حبط اجر نہ ہوتا تو میں دشمنوں کے ساتھ ان فوجوں کو ساتھ لے کر جہاد کرتا لیکن میں جانتا ہوں کہ وہاں میری اور میرے اصحاب کی قتل گاہ ہے اور میرے فرزند علی زین العابدینؑ کے علاوہ

باقی سب وہاں مارے جائیں گے۔ جب مدینہ سے روانگی کے وقت جناب ام سلمہ نے عرض کی اے فرزند آپ کا عراق کو جانا میرے لئے باعث غم و حزن ہے کیونکہ میں آپ کے نانا کی زبانی سن چکی ہوں کہ میرا فرزند زمین عراق میں بمقام کربلا شہید ہوگا۔ آپ نے فرمایا اے مادرِ گرامی۔ بے شک میں وہاں شہید ہوں گا اور میں جانتا ہوں جس دن شہید ہوں گا اور جو مجھے قتل کرے گا اور جس جگہ میں دفن ہونگا۔ اور میری اہل بیتؑ میں سے رشتہ داروں اور میرے شیعوں میں سے جو جو لوگ شہید ہوں گے سب کچھ جانتا ہوں اور اگر تو چاہے تو تجھے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی قتل گاہ بھی دکھا سکتا ہوں۔ تو ام سلمہ کی خواہش پر آپ نے اس کو اپنی قتل گاہ مقامِ دفن۔ خیمہ گاہ۔ لشکر گاہ اور اپنے صحابہ کا مدفن سب کچھ دکھایا اور پھر اس جگہ کی مٹی اٹھا کر دی اور فرمایا کہ جب یہ مٹی خون ہو جائے تو سمجھ لینا کہ میں شہید ہو گیا ہوں۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ دسویں محرم کی عصر کو میں نے ام سلمہ کے گھر میں رونے کی آواز سنی تو اپنے غلام کو کہا کہ میرا عصا پکڑا کر مجھے ام سلمہ کے گھر لے جا۔ مجھے اپنے غلام نے کہا کہ ام سلمہ کے سامنے ایک خون کی شیشی ہے اسے دیکھ کر رو رہی ہے میں نے پوچھا اے ام المومنینؑ کیا ماجرا ہے تو اس نے گریہ کی آواز بلند کرتے ہوئے کہا اے عبدالمطلب کی شہزادیو! آؤ اور مصروف گریہ ہو جاؤ کہ حسینؑ کربلا میں شہید کر دیئے گئے ہیں۔

(صواعق محرقہ صلا "تاریخ الخلفاء)

نیز ام سلمہ نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے خواب میں جناب رسالت مآبؐ کو دیکھا ہے جسم گرد آلود سر اور ڈاڑھی میں خاک تھی میں نے ماجرا پوچھا تو فرمایا میرے فرزند کو لوگوں نے شہید کر ڈالا ہے اور میں وہاں سے آ رہا ہوں۔

اسی طرح مدینہ سے خروج کے موقعہ پر ملائکہ کی فوجیں پہنچیں جن کے ہاتھ میں حربے تھے سلام کہہ کر عرض گزار ہوئے کہ ہم نے آپ کے نانا کی کئی مقامات پر نصرت کی ہے اب آپ کی مدد کے لئے حاضر ہیں تو آپ نے فرمایا میں نے کربلا میں دفن ہونا ہے جب اس زمین میں پہنچوں تو آجانا انہوں نے عرض کی اے حجت خدا ہم بحکمِ خدا آپ کے فرمانبردار ہیں اگر راستہ میں دشمن کا خوف ہو تو ہم آپ کے ہمراہ چلتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنے مقام دفن تک پہنچنے سے قبل کسی کی مجال نہیں کہ مجھے کوئی گزند پہنچا سکے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ چار ہزار فرشتے خداوند کریم سے حکم لے کر اترے تھے جب کربلا کی زمین میں وارد ہوئے تو حسینؑ شہید ہو چکے تھے پس وہ قبرِ حسینؑ کے پاس قیامت تک مشغول گریہ رہیں گے۔ جن کے رئیس کا نام منصور ہے۔ ابوبصیر کی روایت میں ہے کہ وہ فرشتے حسینؑ کے زائرین کا استقبال کرتے ہیں اگر کوئی بیمار ہو جائے تو بازپرس کرتے ہیں اور اگر کوئی مر جائے تو اس کے جنازہ میں حاضر ہوتے ہیں۔

حضرت سید الشہداؑ سے تعلق رکھنے والے فرشتوں کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) ایک وہ تھے جو جھولا جھلاتے تھے جنت سے میوے لباس لاتے تھے۔ اور لباس کو رنگ کرتے تھے۔

(۲) وہ جنہوں نے مدینہ بلکہ مکّہ سے روانگی کے وقت اپنی نصرت کی پیش کش کی۔ اسی طرح کربلا میں بھی حاضر ہوئے جب کہ حسینؑ تنہا تھے اور رفرف نصر آپ کے سر کے اوپر گویا ہوئی کہ آپ کو مدد کی ضرورت ہے یا ملاقاتِ خدا کی ؟ تو آپ نے خدا کی ملاقات کو ترجیح دی۔

(۳) وہ جو قبرِ حسینؑ پر شب و روز روتے ہیں۔ زائرین کا استقبال کرتے ہیں۔ بیمار زوّاروں کی تیمار داری کرتے ہیں اور مرنے والوں کے جنازہ میں حاضر ہوتے ہیں

اور زائرین کو خوشخبری دیتے ہیں کہ تمہارے پہلے گناہ معاف ہو گئے اب آئندہ کے لئے نیک اعمال کرنا۔

(۴) آپ کے زائرین فرشتے جو ہر روز کربلا میں آتے ہیں اور گریہ کرتے ہیں پھر دوسرے دن نئے آتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

(۵) حضرتؑ پر درود بھیجنے والے فرشتے جن کی تعداد ایک لاکھ ہے۔

(۶) زوّاروں کے لئے دعا بخشش کرنے والے۔

(۷) واپس جانے والے فرشتوں کی استقبال کرنے والے۔

(۸) زائرین حسینؑ پر درود بھیجنے والے۔

(۹) جو حسینؑ پر دور دراز سے سلام بھیجے تو ان لوگوں کا سلام پہنچانے والے اور یہ ڈیوٹی فطرس کے سپرد ہے۔

(۱۰) زوّاروں کے چہرے پر نورانی نشان قائم کرنے والے۔

(۱۱) امام حسینؑ کے عزاداروں کے آنسوؤں کو محفوظ کرنے والے۔

(۱۲) زمانِ رجعت میں حسینؑ کی نصرت کی انتظار کرنے والے۔

(۱۳) جناب رسالت مآبؐ کی طرف سے سلام لانے والے۔

(۱۴) امام حسینؑ کی قبر کے پاس نماز پڑھنے والے جن کی ایک نماز ہزار نماز کے برابر ہے اور ان کا ثواب امام پاک کے زائروں کے لئے ہوگا۔

(۱۵) امام حسینؑ کے زواروں کو گھر تک لے آنے والے جو ہمیشہ ان کے گھر کے دروازے پر مامورِ عبادت رہتے ہیں اور اس کے مرنے کے بعد اس کی طرف سے قیامت تک امام پاک کی زیارت کرتے رہیں گے۔

(۱۶) زوّار کی قبر پر تا قیامت اس کے لئے استغفار کرنے والے۔

(۱۷) امام مظلوم کے حرم میں رہ کر عبادت کرنے والے۔

(۱۸) امام مظلومؑ کی شہادت کے وقت سے لے کر تاقیامت سوگ منانے والے

(۱۹) امام مظلومؑ کے قتل گاہ سے خاکِ شفا آسمان پر لے جانے والے۔

(۲۰) امام مظلومؑ کی تجہیز و تکفین کے لئے اترنے والے۔ (ملخص از خصائص)

آیئے ہمارا سلام پہنچانے والا فطرس فرشتہ موجود ہے ہم کیوں نہ سلام بھیجیں کیونکہ اہل بیتؑ کے دل بہت غمگین ہیں۔ جناب ام کلثوم نے صحرا میں پہنچ کر عرض کی تھی۔ بھائی جان اس صحرا سے میرا دل بہت لرزتا ہے آپ نے زمین کربلا میں پہنچ کر چھ گھوڑے تبدیل کئے۔ (کیونکہ گھوڑے کا قدم آگے نہ بڑھتا تھا۔)

پچیسویں مجلس

یا ایّھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ وکونوا مع الصّادقین

ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ مسجد نبویؐ میں مہاجرین و انصار کا مجمع تھا۔ حضرت رسالت مآبؐ پر جبریلؑ کا نزول ہوا اور خداوند کریم کی جانب سے تحفہ درود و سلام پہنچایا اور علی کو اپنے سامنے بلانے کا حکم سنایا اس کے بعد جبریلؑ ایک طبق لایا اور دونو کے درمیان رکھ دیا جب کھا چکے تو ایک طشت اور ایک ابریق لایا کہ علیؑ کے ہاتھ دھلاؤ جب حضورؐ ہاتھ دھلانے لگے تو حضرت علیؑ نے عرض کی آقا یہ میرا حق ہے کہ میں آپؐ کے ہاتھ دھلاؤں تو آپؐ نے فرمایا مجھے خدا کا حکم ہے کہ ایسا کروں لیکن جب دیکھا کہ پانی کا ایک قطرہ بھی طشت میں نہیں گرتا تھا تو دریافت کیا کہ حضورؐ یہ پانی کہاں جا رہا ہے تو حضورؐ نے فرمایا یا علیؑ فرشتے ایک دوسرے سے سبقت کر کے لے جا رہے ہیں تاکہ اس سے برکت حاصل کر کے اپنے اعضاء دھوئیں۔ (دمعہ ساکبہ)

ہاں ایسا کیوں نہ ہو علیؑ نفسِ رسولؐ ہے اور آیت مباہلہ اس پر شاہد ہے کافی میں حسن بن سعید سے مروی ہے کہ ایک شخص نے امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حمل کے زمانہ میں اگر باپ نیت کرے کہ میں بچے کا نام محمد رکھوں گا لیکن جب بچہ پیدا ہوا تو وہ اس کا نام علیؑ رکھ دے آیا اس میں کوئی حرج ہے تو آپ نے فرمایا علیؑ محمدؐ ہے اور محمدؐ علیؑ ہے۔ اسی بناء پر تو فرمان معصوم ہے کہ ہمارا اوّل آخر اوسط بلکہ سب کے سب محمدؐ ہیں۔

جب جنگ احد میں لوگ چھوڑ گئے اور رسولؐ کے بلانے پر بھی کسی نے توجہ نہ کی تو حضرت علیؑ اور ابودجانہ انصاری بچ گئے۔ آپؐ نے ابودجانہ سے فرمایا

کہ بے شک تو بھی جاسکتا ہے لیکن علیؑ اور میںؐ ایک ہی شیئ ہیں۔

عمرو عاص سے مروی ہے کہ غزوہ ذات السلاسل سے واپسی پر میں نے حضورؐ سے پوچھا کہ لوگوں میں سے آپؐ کو زیادہ محبوب کون ہے؟ تو آپؐ نے ایک صحابی کا نام لیا میں نے پوچھا کہ علیؑ پھر کیسے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا دیکھو یہ مجھ سے اپنے نفس کے متعلق پوچھتا ہے۔

(قول مؤلف) (رسولؐ کا معراج تھا عرش پر تشریف لے جانا اور نفس رسولؐ کا معراج تھا کعبہ میں دوش پیغمبر پر قدم رکھنا۔)

ـه مُحَمَّدٌ دَاسَ الْبِسَاطَ بِنَعْلِهٖ　　كَذَالِكَ كَتِفُ الْمُصْطَفٰى دَاسَهَا عَلِىٌّ

حضرت محمدؐ نے اپنے جوتے سمیت عرش پہ قدم رکھے اسی طرح دوش محمدؐ پر علیؑ نے قدم رکھے حسان کی طرف بعض اشعار منسوب ہیں۔ (روضۃ الاحباب)

قِيْلَ لِىْ قُلْ لِعَلِىٍّ مَدْحًا	مجھے کہتے ہیں کہ علیؑ کی تعریف کرو کہ اس
ذِكْرُهٗ يُخْمِدُ نَارًا مُوْصَدَهْ	کا ذکر جلتی ہوئی آگ کو بجھا دیتا ہے۔
قُلْتُ لَا اُقْدِمُ فِىْ مَدْحِ امْرِءٍ	میں کہتا ہوں میں ایسے شخص کی کیا مدح کروں
جِبْرَئِيْلُ وَالرَّسُوْلُ حَمِدَهْ	جسکی مدح جبریلؑ و رسولؐ کرنیوالے ہوں۔
وَالنَّبِىُّ الْمُصْطَفٰى قَالَ لَنَا	اور حضرت محمد مصطفےٰؐ نے فرمایا تھا شب
لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ لَمَّا صَعِدَهْ	معراج جب مقام بلند پر پہنچا۔
وَضَعَ اللّٰهُ عَلٰى كَتِفِىْ يَدًا	کہ خدا نے میرے کندھوں کے درمیانؑ ہاتھ
فَاَحَسَّ الْقَلْبُ اَنْ قَدْ بَرَّدَهْ	رکھا تھا پس دل کو اس سے ٹھنڈک محسوس ہوئی تھی
وَعَلِىٌّ وَاضِعٌ اَقْدَامَهٗ	اور علیؑ وہ ہے جس نے اپنے قدم اس مقام پر
فِىْ مَحَلٍّ وَضَعَ اللّٰهُ يَدَهْ	رکھے جہاں خدا نے اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

ـلہ قول مؤلف خدا جسم و جسمانیات سے پاک ہے اور یہ روایت کسی شیعہ معتبر کتاب میں معصوم سے منقول نہیں ہے

بنی مخزوم میں سے ایک نوجوان نے حضرت امیرؑ سے عرض کی کہ میرا بھائی مرگیا ہے جس سے میرا دل بہت غمزدہ ہے تو آپ رسالت مآبؐ کی چادر زیب دوش فرماکر قبر رسولؐ پر پہنچے چند کلمات پڑھ کر ٹھوکر ماری وہ قبر سے نکلا تو اس کی زبان عربی سے بگڑ چکی تھی آپ نے وجہ پوچھی تو عرض کی آقا میں فلاں فلاں کی سنت پر ہوکر مرا ہوں اس لئے میری زبان بدل گئی ہے۔ (کافی)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت ایک عورت کے پاس سے گذرے جو زار و قطار رو رہی تھی آپ نے وجہ پوچھی تو اس نے عرض کی میری گائے مرگئی ہے جس پر میرا اور میرے بال بچوں کا گذارا تھا۔ پس آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور دست دعا بلند کئے پھر زبان سے دعا مانگی اور گائے کو آواز دی پھر پاؤں سے ٹھوکر ماری تو وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ عورت نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگی مجھے کعبہ کے پروردگار کی قسم یہ تو عیسیٰؑ بن مریمؑ ہے۔ پس آپ وہاں سے چلے گئے (کافی)

ایک مرتبہ حضرت رسالت مآبؐ اپنی دختر نیک اختر بتول معظمہؑ کے پاس گھر پر تشریف لائے۔ اور فرمایا بیٹی! آج میں تمہارا مہمان ہوں۔ تو شہزادی نے عرض کی بابا جان آج تو حسنین شریفین کے کھانے کا انتظام ہمارے پاس نہیں ہے پس جب بیٹھ گئے تو فرمایا مجھے وحی ہوئی ہے کہ جنت کے پھلوں میں سے جس پھل کی ضرورت ہو حاضر کیا جائے، تو سب خاموش ہوگئے اور امام حسینؑ نے خواہش کی کہ میں انتخاب کرتا ہوں اگر تم سب کی اجازت ہو تو۔ سب نے اجازت دی۔ پس امام حسینؑ نے تازہ کھجور کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ فرمان رسالتؐ بتولؑ جب حجرہ کے اندر داخل ہوئیں تو ایک طبق دیکھا جس کے اوپر سندس سبز کا غلاف تھا اور اس میں تازہ کھجوریں موجود تھیں اٹھا کر لائیں اور رسالت مآبؐ کے آگے رکھ دیا۔ آپؐ نے پوچھا کہاں سے آیا ہے۔ تو عرض کی۔ اللہ کی جانب سے اور خدا رزق دیتا ہے جس کو چاہے۔

بغیر حساب کے۔ حضورؐ نے بسم اللہ پڑھ کر ایک دانہ اٹھایا اور حسنینؑ کے منہ میں رکھا اور فرمایا مبارک اور خوشگوار ہو تمہیں اے حسینؑ۔ پھر ایک دانہ امام حسنؑ کے منہ میں دیا اور یہی فرمایا پھر ایک دانہ جناب فاطمہؑ کے منہ میں رکھا اور یہی فرمایا اور پھر ایک دانہ حضرت علیؑ کے منہ میں رکھا اور یہی فرمایا اس کے بعد سب نے کھایا جب فارغ ہوئے تو دسترخوان آسمان کی طرف بلند ہو گیا۔ جناب فاطمہؑ نے عرض کی باباجان آج آپ نے عجیب کام کیا ہے تو آپ نے فرمایا۔ اے لخت جگر جب میں نے کھجور کا دانہ حسینؑ کے منہ میں دیا تو جبریلؑ و اسرافیل نے کہا مبارک و خوشگوار ہو تمہیں اے حسینؑ تو میں نے بھی وہی لفظ کہے۔ پھر ایک دانہ حسنؑ کے منہ میں دیا تو جبرئیل و میکائیل نے آواز دی مبارک و خوشگوار ہو تم کو اے حسنؑ تو میں نے ان کی مطابقت کی۔ پھر ایک دانہ تیرے منہ میں دیا تو حوران جنت نے دریچہ ہائے جنت کھول کر کہا۔ مبارک و خوشگوار ہو تم کو اے فاطمہؑ تو میں نے بھی ویسا ہی کہا اور جب چوتھا دانہ علیؑ کے منہ میں دیا تو اللہ کی جانب سے ندا پہنچی مبارک و خوشگوار ہو تجھے اے علیؑ تو میں نے اپنے پروردگار کے قول کی موافقت کی تو ارشاد ہوا اگر قیامت تک آپ کھجور کے دانے علی کے منہ میں دیتے رہیں تو میں قیامت تک مبارک کہتا رہوں گا۔ (دمعہ ساکبہ)

روز عاشور جب باری باری سے تمام یار و انصار و اقرباء راہ خدا میں کام آگئے تو اپنے صحابہ کو نام لے کر پکارا جیسا کہ مجلس نمبر ۱ میں گذر چکا ہے۔ روایت میں ہے کہ امام مظلوم کا درد بھرا استغاثہ سن کر حضرت سجادؑ تڑپ گئے سہارا لینے کے لیے عصا اٹھایا اور تلوار کو حمائل کیا اور خیام سے نکل کھڑے ہوئے تو جلدی سے جناب ام کلثوم نے آواز دی بیٹا واپس آجاؤ تو حضرت سجادؑ نے فرمایا پھوپھی جان۔ مجھے جانے دیجئے کہ میں فرزند رسولؐ کی مدد کروں تو امام حسینؑ نے دیکھ کر

فرمایا اے ام کلثوم میرے بیٹے کو روک لو تاکہ زمین آل محمدؐ کی نسل سے خالی نہ ہو پھر ایک ایسا درد بھرا استغاثہ کیا کہ جناب زینبؑ خاتون صبر نہ کر سکیں تو در خیمہ پر آگئیں کہ سر پر برقعہ نہ سنبھالا اور پا برہنہ تھیں۔ فرمایا یَا ابْنَ سَعْدٍ یُقْتَلُ اَبُوْعَبْدِاللّٰہِ وَاَنْتَ تَنْظُرُ کہ وہ ملعون سن کر رونے لگا۔ پھر امام مظلوم نے آخری استغاثہ ایک عجیب انداز میں فرمایا اَمَافِیْکُمْ مُسْلِم۔ کیا تم میں کوئی مسلمان نہیں ہے خاص وقت کا خاص استغاثہ خاص حالت میں ایسا اثر انداز ہوا کہ اس نے تمام کائنات کو لرزا دیا۔ دشمنوں نے تو کیا امداد کرنی تھی حضرت قائمؑ کی روح نے ان الفاظ میں جواب دیا جو مجلس نمبر ۱ میں گذر چکے ہیں۔ پس گھوڑے پر سوار ہوئے دریائے فرات پر پہنچے گھوڑے نے منہ کو پانی کے قریب کیا تو آپ نے فرمایا انت عطشان وانا عطشان۔ اے گھوڑا تو بھی پیاسا ہے اور میں بھی پیاسا ہوں تو گھوڑے نے منہ پانی سے اٹھا لیا اور زبان بے زبانی سے عرض کی۔ اے مولا۔ اب میں پانی نہ پیئوں گا اور باوجود ان مصائب و آلام کے اور باوجود شدید پیاس کے اس زور سے حملہ کیا کہ میدان دشمنوں سے خالی ہو گیا اور مقام نخیلہ تک پہنچے اور لشکر کی تعداد بعضوں نے آٹھ لاکھ بھی لکھی ہے آخر جب گھوڑے سے اترے تو گھوڑے نے امام پاک کا طواف کرنا شروع کیا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ امام کے قریب آئے تو عمر بن سعد نے فوج کو آواز دی کہ امام کے گھوڑے کو پکڑو اور میرے پیش کرو اور یہ گھوڑا جناب رسالت مآبؐ کے عمدہ گھوڑوں میں سے تھا۔ جب گھوڑے کو معلوم ہوا تو اس نے قوم اشقیاء پر حملہ کیا یہاں تک کہ اس نے چالیس سوار اور دس گھوڑے مار دیئے۔ پس ابن سعد نے فوجوں کو ہٹ جانے کا حکم دیا۔ جب فوجیں دور ہوئیں تو گھوڑے نے مقتولین میں سے اپنا آقا و مولا کو تلاش کرنا شروع کیا یہاں تک کہ اپنے آقا کی لاش کو تلاش کر لیا تو خوشبو سونگھتا تھا اور اپنی پیشانی کو خون

سے رنگین کرتا تھا اور لاش کو بوسے دیتا تھا اور بلند آواز سے روتا بھی تھا اور خیمہ کی طرف متوجہ ہوا جب جناب زینب علیہا السلام نے گھوڑے کی آواز سنی تو سکینہ خاتون کو فرمایا وہ دیکھ دروازۂ خیمہ پر تیرا باپ پانی لایا ہے۔ چنانچہ بیبیاں جلدی دروازہ پر پہنچیں اور زیارت ناحیہ میں جو الفاظ ہیں، وہ مجلس نمبر ۱۷ میں گذر چکے ہیں۔

ہاں اس وقت بے شک بیبیوں نے اپنے منہ پر طمانچے مارے اور گریبان چاک کئے اور زمین سے لیکر عرش تک تمام کائنات نے ماتم کیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اقول، میں نے ایک واعظ سے سُنا تھا کہ جب امام حسینؑ کے گھوڑے نے اشقیاء پر حملہ کیا تھا تو لوگوں نے اس پر تیر برسائے تھے۔ پس فوراً عمر بن سعد نے حکم دیا کہ لوگو! اس گھوڑے کو تیر نہ مارو کیونکہ یہ محمدؐ کی سواری کا گھوڑا ہے تو لوگوں نے تیر بند کر دیئے۔ لیکن ہائے۔ کس قدر ظالم تھے کہ رسولؐ اللہ کی سواری پر تیر برسانے سے باز آگئے لیکن یہ کسی نے نہ کہا کہ حسینؑ کو تیر نہ مارو کیونکہ یہ دوشِ محمدؐ کا سوار ہے۔

مجلس نمبر ۲۶

کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ۔

آیت مجیدہ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ۔ پ ۶ المائدہ۔ حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہوئی باتفاق کشاف۔ بیضاوی۔ درمنثور۔ تفسیر کبیر۔ کنز العمال۔ مستدرک۔ مشکواۃ۔ نسائی۔ تفسیر حسینی۔ مناقب ابن مغازلی شافعی وغیرہ

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس چاہِ زمزم کے کنارے پر بیٹھ کر رسالت مآبؐ کی احادیث بیان کر رہے تھے کہ ایک عمامہ پوش شخص آکر بیٹھا تو جونہی ابن عباس کے منہ سے نکلتا تھا حضورؐ نے یہ فرمایا تو وہ عمامہ پوش فوراً کہہ دیتا کہ حضورؐ نے یہ فرمایا۔ ابن عباس نے اُسے خدا کی قسم دیکر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو انہوں نے چہرہ سے نقاب ہٹایا اور کہنے لگے اے لوگو! جو مجھے جانتے ہیں وہ تو جانتے ہی ہیں اور جو نہیں جانتے تو میں جندب بن جنادہ ابوذر غفاری ہوں میں نے رسولؐ سے اپنے کانوں یہ سنا اگر جھوٹ ہو تو خدا مجھے بہرہ کر دے۔ اور آپؐ کو میں نے ان دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے اگر جھوٹ ہو تو یہ اندھی ہو جائیں کہ آپؐ فرما رہے تھے۔ عَلِیٌّ قَائِدُ الْبَرَرَةِ وَقَاتِلُ الْکَفَرَةِ مَنْصُوْرٌ مَنْ نَّصَرَہٗ وَ مَخْذُوْلٌ مَنْ خَذَلَہٗ۔ علیؑ نیک لوگوں کا سردار اور کافروں کا قاتل ہے اس کا مددگار منصور اور اس کو چھوڑنے والا ذلیل ہو گا۔ میں نے ایک مرتبہ نماز ظہر رسولؐ کے ساتھ پڑھی ایک سائل نے سوال کیا اور اس کو کسی نے کچھ نہ دیا پس اس سائل نے آسمان کی جانب ہاتھ بلند کئے اور عرض کی اے اللہ تو گواہ رہ کہ میں نے مسجدِ رسولؐ میں سوال کیا اور کسی نے کچھ نہ دیا۔ اس وقت حضرت علیؑ حالت رکوع میں تھے انہوں نے اپنے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کا اشارہ

کیا جس میں انگوٹھی تھی تو سائل نے انگوٹھی اتار لی اور چلا گیا۔ حضورؐ مسجد میں موجود تھے جب نماز سے فارغ ہوئے تو دعا مانگی۔ اے اللہ حضرت موسیٰؑ نے دعا مانگی تھی اے رب میرا سینہ کھول اور میرا معاملہ آسان فرما اور میری زبان کی گرہ دُور کر، تاکہ میری باتیں سمجھیں اور میری اہل سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر مقرر فرما کر اس سے میری کمر کو مضبوط کر اور اسے میرا شریک کار بنا تو تو نے جواب دیا جس کی قرآن حکایت کر رہا ہے۔ ہم تیرا بازو تیرے بھائی کے ساتھ مضبوط کریں گے اور تم دونو کو طاقت دیں گے کہ وہ تم تک نہ پہنچ سکیں گے۔ اے اللہ میں محمدؐ تیرا نبی و برگزیدہ ہوں۔ پس میرا سینہ کھول اور میرا معاملہ آسان کر اور میری اہل سے علیؑ کو میرا وزیر بنا اور اس کے ساتھ میری پشت کو مضبوط کر۔ ابھی تک حضورؐ کی دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ جبریلؑ اترا اور یہ آیت مجیدہ لایا بروایت حموینی آیت مجیدہ پڑھ کر حضورؐ نے فرمایا۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔
بروایت شیخ ابوالفتوح جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں جب صحابہ نے یہ دیکھا تو جس جس کے ہاتھ میں انگوٹھی تھی اس سائل کو دے دی۔ حتیٰ کہ اس اعرابی کے پاس چار سو انگوٹھیاں پہنچ گئیں (انیس الاعلام) اور حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں نے چالیس انگوٹھیاں حالتِ رکوع میں سائل کو دیں تاکہ ویسی آیت اترے جو علیؑ کے بارے میں آئی لیکن نہ اتری (صافی) حضرت علیؑ کی یہ فضیلت سن کر دشمنان اہلبیتؑ کے دل کباب ہو گئے انہوں نے آیت مجیدہ کی تفسیر پر کئی قسم کے اعتراضات کئے
(۱) شان نزول کے متعلق۔ بعض نے کہا تمام مہاجرین و انصار کے حق میں اتری ہے۔ ابن تیمیہ نے منہاج الکرامۃ میں اور اس کے دیگر ہم خیالوں نے بھی یہ کہہ دیا کہ اس آیت مجیدہ کے متعلق حضرت علیؑ کی ولایت کو ثابت کرنے کے متعلق کوئی حدیث صحیح موجود نہیں ہے۔ عکرمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیت ابوبکر کے حق میں

اتری ہے۔ کسی نے اس کا مصداق عبداللہ بن سلام کو اور کسی نے عبادہ بن صامت کو قرار دیدیا۔ لیکن ان سب کی تکذیب کے لئے معتبر تفاسیر میں انگوٹھی کا واقعہ اور نزول آیت کا وجود کافی ہے۔
(۲) کہتے ہیں کہ انگوٹھی والی حدیث کا راوی صرف ثعلبی ہے حالانکہ بڑے بڑے اعلام نے اس کو نقل کیا ہے مثلاً ابن ابی حاتم۔ ابن جریر۔ ابن مردویہ۔ ابن عباس۔ طبرانی ابونعیم ابن جوزی۔ ابن مغازلی سیوطی نیشاپوری بیضاوی وغیرہ
(۳) نیز اس روایت کے نقل کرنے کے جرم میں ثعلبی بے چارے پر جرح و قدح کا دروازہ کھول کر اسے مطعون کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ وفیات الاعیان یافعی۔ طبقات الشافعیہ۔ اسد الغابۃ۔ جواہر العقدین اور ازالۃ الخفاء وغیرہ میں اس کو ثقہ کہا گیا ہے۔
(۴) لفظ ولی کے دو معنی ہیں (۱) امام (۲) ناصر و مددگار۔ ممکن ہے یہاں ناصر مراد ہو کیونکہ لفظِ ولی مشترک ہے۔ اس کے جواب میں نطنزی نے خصائص میں ذکر کیا ہے کہ شوریٰ کے دن حضرت علیؑ نے اپنے استحقاق کو ثابت کرنے کے لئے اسی آیت مجیدہ کو پڑھا اور سامعین صحابہ نے اس کو قبول کیا تو اس سے ثابت ہوا کہ مراد اس جگہ ولی سے امام ہے۔ ناصر و مددگار نہیں۔
ازالۃ الخفاء مقصد اول کی تیسری فصل میں ہے کہ ولی سے مراد امام و خلیفہ ہے لیکن مصداق اس کا ابوبکر ہے۔
صاحب احقاق الحق فرماتے ہیں۔ اگر ولی کا معنی ناصر ہو اور مومنین سے مراد عام ہو تو حصر درست ہے۔ لیکن حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دینے والی وصف کا پھر کوئی ربط نہیں رہتا اگر ولی کا معنی ناصر اور مومنین سے مراد صرف علیؑ ہو تو وصف زکوٰۃ درست لیکن حصر انما درست نہیں کیونکہ سب مومن ایک دوسرے کے ناصر و مددگار

ہوتے ہیں بس باقی ایک ہی صورت ہے اور وہی درست ہے کہ ولی کا معنی امام و خلیفہ ہو اور مومنین سے مراد حضرت علیؑ ہوں تو حصر بھی درست ہے اور وصف بھی بجا ہے۔

(۵) بعضوں نے تنقیص شان علیؑ میں کہہ دیا کہ وہ تو فقیر تھے لہٰذا زکوٰۃ کیسے دیتے تھے اور یہ محض عداوت علیؑ کی غمازی ہے اور نہ زکوٰۃ کا اطلاق قرآن مجید میں صدقات مستحبہ پر بھی آیا ہے اور صدقہ مستحبہ فقیر بھی دے سکتے ہیں۔

بے شک علیؑ اپنی حالتِ ظاہری کے لحاظ سے فقیر تھے لیکن سائل کی حاجات برآری کے لئے وہ خزائن ارضیہ کے مالک تھے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ مسجد نبوی میں منادی کراتے تھے کہ اگر کسی شخص کا قرضہ وغیرہ رسولؐ کے ذمّہ ہو تو وہ بیشک مجھ سے وصول کرے چنانچہ لوگ آتے تھے اور حضرت علی ان کو بغیر ثبوت و گواہ کے دے دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا کہ لوگ فوج در فوج علیؑ کے پاس جاتے ہیں اور وہ ان کو بغیر گواہ و دلیل کے دے دیتا ہے حالانکہ فدک خمس اور فئے وغیرہ تو ہم نے لے لئے ہیں۔ پھر اتنا مال انکے پاس کہاں سے آگیا۔ حضرت عمر نے کہا تم مالدار ہو اور تم بھی منادی کرا دو تو ابوبکر نے منادی کرائی کہ جس شخص کا رسولؐ خدا کے ذمّہ قرضہ ہو تو میں ادا کروں گا۔ تو دو شخص آئے اور ابوبکر نے ان کو منہ مانگی چیز بغیر گواہ و دلیل کے دے دی۔ اتنے میں باہر سے ایک بدوی عرب آ پہنچا اور ابوبکر کی منادی اس نے سن لی تو دربار خلافت میں پہنچ کر کہا۔ حضورؐ نے میرے ساتھ دو سو سرخ ناقہ کا جن کی آنکھیں سیاہ ہوں مہار و سامان کے ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے حیران ہو کر حضرت عمر کی طرف دیکھا تو حضرت عمر نے جواب دیا اے اعرابی دنیا میں ایسی

ناقائیں نہیں ملتیں۔ فوراً اس نے جواب دیا کہ کیا رسولؐ خدا نہ مل سکنے والی چیز کا وعدہ فرما سکتے ہیں۔ پس اس اعرابی کو علیؑ کے گھر کا نشان بتلایا گیا کہ وہ بھی رسولؐ خدا کے قرضے اور وعدے پورے کرتا ہے۔ وہ اعرابی پہنچا حضرت علیؑ نے اسکو کل آنے کا حکم دیا۔ اعرابی یہ تسلیم کرتا ہوا گیا کہ واقعی یہ شخص رسولؐ کا بھائی اور اس کے قرضوں کو پورا کرنے والا ہے۔ ابوبکر و عمر کو یہ بات پہنچی تو حیران ہوئے دوسرے روز حضرت امیرؑ نے امام حسنؑ کو اعرابی کے ہمراہ روانہ کیا کہ وادی جن میں جا کر ندا کرو۔ اے گروہ جن میں حسنؑ بن علیؑ وصی رسول تم کو حکم دیتا ہوں کہ رسولؐ خدا کے وعدے کو پورا کرو یعنی دو سو سرخ رنگ سیاہ چشم اونٹنیاں بمعہ مہار و سامان کے اس بدوی کے حوالہ کرو۔ چنانچہ امام حسنؑ نے تعمیل حکم کی۔ اور ان کی کلام ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ اونٹنیوں کی قطار سامنے آگئی (غایۃ المرام) ایک روایت میں ہے کہ وہ سائل درحقیقت جبریلؑ تھا۔

غزالی نے سر العالمین میں ذکر کیا ہے کہ وہ انگوٹھی حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کی تھی جو حضرت علیؑ نے دی تھی۔ (غایۃ المرام)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس انگوٹھی کا چھلا چار مثقال چاندی تھا اور اس کا نگینہ یاقوت سرخ بوزن پانچ مثقال تھا اور اس کی مالیت خراج شام کے برابر تھی اور شام کا خراج تین سو بھار چاندی اور چار بھار سونا ہوتا ہے۔ یہ انگوٹھی مران بن طوق کے ہاتھ میں تھی حضرت علیؑ نے اس کو قتل کیا تھا اور انگوٹھی اس کے ہاتھ سے اتار کر باقی غنیمتوں میں ملا کر حضرت رسالت مآبؐ کے پیش کی تھی۔ حضورؐ نے وہ انگوٹھی حضرت علیؑ کو دی تھی جو سائل کو دی گئی۔

(۶) جمع کے صیغے پر بھی اعتراض کیا گیا لیکن جمع صرف کثرت افراد کے لئے نہیں ہوا کرتی بلکہ عظمت و جلال کے لئے بھی تو آیا کرتی ہے۔ نیز چونکہ تمام آئمہ طاہرینؑ

ہونے ہیں بس باقی ایک ہی صورت ہے اور وہی درست ہے کہ ولی کا معنی امام وخلیفہ ہو اور مومنین سے مراد حضرت علیؑ ہوں تو حصر بھی درست ہے اور وصف بھی بجا ہے۔

(۵) بعضوں نے تنقیص شان علیؑ میں کہہ دیا کہ وہ تو فقیر تھے لہٰذا زکوٰۃ کیسے دیتے تھے اور یہ محض عداوت علیؑ کی غمازی ہے اور نہ زکوٰۃ کا اطلاق قرآن مجید میں صدقات مستحبہ پر بھی آیا ہے اور صدقہ مستحبہ فقیر بھی دے سکتے ہیں۔

بے شک علیؑ اپنی حالت ظاہری کے لحاظ سے فقیر تھے لیکن سائل کی حاجات براری کے لئے وہ خزائن ارضیہ کے مالک تھے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ مسجد نبوی میں منادی کراتے تھے کہ اگر کسی شخص کا قرضہ وغیرہ رسولؐ کے ذمہ ہو تو وہ بیشک مجھ سے وصول کرے چنانچہ لوگ آتے تھے اور حضرت علی ان کو بغیر ثبوت وگواہ کے دے دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا کہ لوگ فوج درفوج علیؑ کے پاس جاتے ہیں اور وہ ان کو بغیر گواہ ودلیل کے دے دیتا ہے حالانکہ فدک خمس اور فئے وغیرہ تو ہم نے لے لئے ہیں۔ پھر اتنا مال انکے پاس کہاں سے آگیا۔ حضرت عمر نے کہا تم مالدار ہو اور تم بھی منادی کرادو تو ابوبکر نے منادی کرائی کہ جس شخص کا رسولؐ خدا کے ذمہ قرضہ ہو تو میں ادا کروں گا۔ تو دو شخص آئے اور ابوبکر نے ان کو منہ مانگی چیز بغیر گواہ ودلیل کے دے دی۔ اتنے میں باہر سے ایک بدوی عرب آپہنچا اور ابوبکر کی منادی اس نے سن لی تو دربار خلافت میں پہنچ کر کہا۔ حضورؐ نے میرے ساتھ دو سو سرخ ناقہ کا جن کی آنکھیں سیاہ ہوں مہار وسامان کے ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے حیران ہو کر حضرت عمر کی طرف دیکھا تو حضرت عمر نے جواب دیا اے اعرابی دنیا میں ایسی

ناقائیں نہیں ملتیں۔ فوراً اس نے جواب دیا کہ کیا رسولؐ خدا نہ مل سکنے والی چیز کا وعدہ فرما سکتے ہیں۔ پس اس اعرابی کو علیؑ کے گھر کا نشان بتلایا گیا کہ وہ بھی رسولؐ خدا کے قرضے اور وعدے پورے کرتا ہے۔ وہ اعرابی پہنچا حضرت علیؑ نے اسکو کل آنے کا حکم دیا۔ اعرابی یہ تسلیم کرتا ہوا گیا کہ واقعی یہ شخص رسولؐ کا بھائی اور اس کے قرضوں کو پورا کرنے والا ہے۔ ابوبکر وعمر کو یہ بات پہنچی تو حیران ہوئے دوسرے روز حضرت امیرؑ نے امام حسنؑ کو اعرابی کے ہمراہ روانہ کیا کہ وادی جن میں جا کر ندا کرو۔ اے گروہ جن میں حسنؑ بن علیؑ وصی رسول تم کو حکم دیتا ہوں کہ رسولؐ خدا کے وعدے کو پورا کرو یعنی دو سو سرخ رنگ سیاہ چشم اونٹنیاں بمعہ مہار وسامان کے اس بدوی کے حوالہ کرو۔ چنانچہ امام حسنؑ نے تعمیل حکم کی۔ اور ان کی کلام ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ اونٹنیوں کی قطار سامنے آگئی (غایۃ المرام) ایک روایت میں ہے کہ وہ سائل درحقیقت جبرئیلؑ تھا۔

غزالی نے سر العالمین میں ذکر کیا ہے کہ وہ انگوٹھی حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کی تھی جو حضرت علیؑ نے دی تھی۔ (غایۃ المرام)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس انگوٹھی کا چھلا چار مثقال چاندی تھا اور اس کا نگینہ یاقوت سرخ بوزن پانچ مثقال تھا اور اس کی مالیت خراج شام کے برابر تھی اور شام کا خراج تین سو بھار چاندی اور چار بھار سونا ہوتا ہے۔ یہ انگوٹھی مران بن طوق کے ہاتھ میں تھی حضرت علیؑ نے اس کو قتل کیا تھا اور انگوٹھی اس کے ہاتھ سے اتار کر باقی غنیمتوں میں ملا کر حضرت رسالت مآبؐ کے پیش کی تھی۔ حضورؐ نے وہ انگوٹھی حضرت علیؑ کو دی تھی جو سائل کو دی گئی۔

(۶) جمع کے صیغے پر بھی اعتراض کیا گیا لیکن جمع صرف کثرت افراد کے لئے نہیں ہوا کرتی بلکہ عظمت وجلال کے لئے بھی تو آیا کرتی ہے۔ نیز چونکہ تمام آئمہ طاہرین ع

یکے بعد دیگرے اس آیت مجیدہ کے مصداق ہیں لہٰذا اپنے مقام پر یہ صفت سب کے لئے ہے جیسا کہ تفسیر صافی میں مذکور ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی زیارت میں کہا جاتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز ادا کی اور زکوٰۃ بھی دی۔ زکوٰۃ سے زکوٰۃ کے کئی افراد مراد ہو سکتے ہیں۔ زکوٰۃ حالتِ رکوع میں بحیثیت مصداق آیت ہونے کے۔ نیز یتیموں اور بیواؤں کی کفالت و سرپرستی زکوٰۃ مستحبہ کے طور پر۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں ایک سائل آیا اور اس نے عرض کی میں نے دیتِ کاملہ ادا کرنی ہے امام نے فرمایا۔ پہلے میں تم سے تین سوال کرتا ہوں اگر سب کے جواب دیئے تو جو کچھ مانگا ہے دوں گا اور اگر دوؔ سوال کے جواب دے گا تو دو تہائی دوں گا اور ایک سوال کا جواب دے گا تو ایک تہائی دوں گا۔ اس نے عرض کی آقا میری کیا مجال کہ میں آپ کے سوالات کے جواب دے سکوں تو آپ نے فرمایا میرے نانا کا فرمان ہے۔ اَلْمَعْرُوْفُ بِقَدْرِ الْمَعْرِفَۃِ۔ یعنی کسی پر احسان اس کی معرفت کے اندازہ سے ہونا چاہیئے تو سائل نے عرض کی حضور پوچھیئے اگر جواب معلوم ہوگا تو عرض کر دوں گا ورنہ آپ سے اس کا جواب سیکھ لوں گا تو آپ نے پوچھا بتاؤ۔ افضل اعمال کیا چیز ہے اس نے عرض کی معرفتِ خدا اور اللہ پر ایمان لانا۔ آپ نے فرمایا مصائب میں گھرنے کے وقت باعثِ نجات کیا چیز ہوتی ہے تو اس نے عرض کی اللہ پر توکل۔ پھر آپ نے فرمایا۔ انسان کیلئے زینت کیا چیز ہے تو اس نے عرض کی علم بمعہ حلم آپ نے فرمایا اگر عالم نہ ہو تو پھر اس نے عرض کی مال بمعہ مروّت۔ آپ نے فرمایا اگر مال بھی نہ ہو تو پھر۔ اس نے کہا فقر بمع صبر۔ آپ نے فرمایا اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر۔ اس نے عرض کی حضور پھر ایک بجلی گرے جو اس کو نیست و نابود کر دے۔ بس اس کے لئے زینت یہی چیز ہے بس آپ اس کے جوابوں سے نہایت خوش ہوئے اور ایک ہتھیلی اس کو دی۔

جس میں ایک ہزار دینار تھا اور ایک انگوٹھی بھی دی جس کا نگینہ دو سو درہم کا تھا پس وہ اعرابی دعا کرتا چلا گیا۔

آپ امام مظلوم نے ایک اور انگوٹھی بھی دی لیکن اس کی تفصیل قابل بیان نہیں ہے۔ امام مظلوم نے تو اپنے بدن کی زکوٰۃ بھی دی۔ جناب رسالت مآبؐ کے حصہ میں دردِ سر اور زہر کا اثر تھا۔ جناب بتولؑ کے حصہ میں پہلو اور بازو کا زخم تھا جناب امیرؑ کے حصہ میں سر کا زخم تھا اور جناب حسنؑ کے لئے دردِ جگر تھا۔ لیکن جناب امام حسین علیہ السلام کے لئے سب کچھ تھا بدن کا کوئی حصہ خالی نہ تھا۔ ہاں ہاں پیچھے کی طرف بھی دو زخم تھے۔ ایک وہ نشانی جو فقراء و مساکین کی روٹیاں اٹھانے سے ہوا تھا اور دوسرا تیر سہ شعبہ جو سامنے سے لگا تھا اور امام نے اس کو پیچھے سے کھینچ لیا تھا۔

رسولِ خداؐ بچپنے سے امام پاک کے تمام بدن کو چومتے تھے۔ اور فرماتے تھے میں تلواروں کی جگہ کو بوسہ دیتا ہوں اس لئے روتا ہوں۔ ایک دفعہ حضرت رسالت مآبؐ نے حسینؑ کو گلی میں دیکھا کہ اور بچوں کے ہمراہ کھیل رہے ہیں تو حضورؐ حسینؑ کی طرف بڑھے۔ پس شہزادہ آگے دوڑ گیا تو حضورؐ بھی آگے بڑھے اسی طرح یہاں تک کہ حضورؐ نے امام حسینؑ کو اٹھا لیا اور ان کے منہ پر منہ رکھ کر بہت بوسے دیئے اور فرمایا حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ خدا حسینؑ کے دوست کو دوست رکھے۔ (ابن ماجہ)

ایک دفعہ راستہ میں جاتے ہوئے آپؐ نے ایک بچہ کو اٹھا لیا اور اس کے ساتھ بہت محبت کی تو لوگوں نے وجہ پوچھی۔ آپؐ نے فرمایا اس لئے کہ یہ بچہ میرے فرزند حسینؑ کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ حسینؑ کے قدموں کی خاک کو یہ بچہ باعث برکت سمجھ کر اٹھا لیتا ہے۔

(قول مؤلف) مورخین کا خیال ہے کہ یہ تسبیح حضرت حبیب بن مظاہر اسدی کی تھی۔) جنابِ رسالت مآبؐ امام حسینؑ کی گردن کو بوسہ دیتے تھے اور اس کا انکشاف کربلا میں دسویں محرم کی عصر کو ہوا۔

آئیے ہم بھی جنابِ رسولِ خدا کی سنت کو ادا کر کے ان کا احترام کریں۔

(۱) ان کے فضائل و مراتب کے بیان سے (۲) دیکھیں کہ رسولِ خدا کس قدر ان کی حوصلہ افزائی و ناز برداری کرتے تھے اور ظالموں نے اس کے مقابلہ میں کیا سلوک کیا اور اس سے مصیبت کی عظمت بھی خوب معلوم ہوتی ہے رسولؐ کا استقبال کرنا کجا۔ اور لوگوں کا راستہ چھوڑ کر الگ ہو جانا کجا کہ مبادا امام ہم سے نصرت نہ طلب کرے جیسا کہ راہِ عراق میں بعض واقعات ایسے رونما ہوئے۔

(۳) امام کی روح پر سرور داخل کریں کہ ان کے مصائب و آلام پر گریہ کریں۔

ہائے پروردۂ سینۂ نبوت اور نازدیدۂ پرِ جبریل کس طرح بے گور و کفن اپنے زخمی تن کے ساتھ ریگِ گرم صحرا میں رہا ہوگا۔ لباس بھی جسمِ اطہر سے الگ کر لیا گیا۔ ہاں کئی ایک لباس بدنِ اطہر پر موجود تھے جو ظالموں کے بس میں نہ تھے۔

(۱) لباس خون (۲) لباس نور۔ چنانچہ ایک راوی کہتا ہے کہ خاک و خون میں غلطاں ہونے کے باوجود میں نے کسی شہید کو حسینؑ سے زیادہ نورانی نہیں دیکھا اور حسینؑ کے چہرہ کے نور کو دیکھتا رہا جس کی وجہ سے شہادت کی کیفیت کو معلوم نہ کر سکا۔

(۲) لباس گرد و غبار صحرا (۳) قیامت تک کا خونی لباس اور اسی لباس کو دیکھ کر بتولِ معظمہ غش کھا کر گر جائیں گی اور ان کی حالت کو دیکھ کر تمام ملائکہ سما پر گریہ کا عالم طاری ہوگا۔ نور کی ناقہ نوری عماری میں آئیں گی۔ ستر ہزار فرشتے

ساتھ ہوں گے۔ آنکھیں بند کرنے کا حکم ہوگا اور وارد محشر ہو کر استغاثہ کریں گی۔ مجلس نمبر ۱۶ میں ذکر ہو چکا ہے۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

اقول، تقریباً یہ روایت متواتر ہے کہ بروز محشر اللہ کی جانب سے منادی ندا کرے گا:۔ اے محشر آنکھیں بند کر لو اور نظریں جھکا لو کہ بنتِ رسولؐ دربار پروردگار میں تشریف لا رہی ہیں چنانچہ تمام اہل محشر آنکھیں بند کر لیں گے اور خاتونِ جنت عدالت عظمیٰ پروردگار میں خونِ حسینؑ کا مقدمہ دائر کریں گی۔

لیکن ہائے، خاتونِ قیامت کی شہزادی جب کوفہ و شام کے بازاروں و درباروں میں حاضر ہوئی، تو کسی نے یہ نہ کہا کہ مسلمانو! آنکھیں بند کر لو اور سروں کو جھکا لو کہ یہ علیؑ کی شہزادی محمدؐ کی نواسی سر برہنہ آ رہی ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ شیعہ اور خصوصاً سید روتے اور پیٹتے کیوں ہیں تو میں ان کے جواب میں کہا کرتا ہوں کہ یہ نہ کہو کہ تم پیٹتے کیوں ہو بلکہ غیرت سے پوچھا کرو کہ تم جیتے کیوں ہو۔ ہائے! جس غیور عزت دار نوجوان کی ماں، پھوپھی اور بہن سر برہنہ درباروں اور بازاروں میں پھرائی جائیں تو وہ روئے نہیں تو اور کیا کرے اور یہی وہ مصائب ہیں جن کی وجہ سے جناب زینبؑ خاتون کے سر کے بال ایک سال کے اندر سفید ہو گئے اور انہی مصائب کو یاد کر کے حضرت سجادؑ چالیس برس تک روتے رہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ

مجلس نمبر ۲۷

كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ

گذشتہ مجلس کے ساتھ۔ آیت ولایت پر ساتواں اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر تیسرا اولی صرف حضرت علیؑ مراد ہو تو آیت مجیدہ کا سیاق و سباق سے ربط نہیں رہتا کیونکہ اس سے قبل یہودیوں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے پس اس آیت میں مومنوں کو مومنوں کے ساتھ دوستی رکھنے کا حکم ہی زیادہ مناسب ہے تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ قاعدہ عربیہ کے اعتبار سے مضاف اور مضاف الیہ میں تغایر ضروری ہے اور عموم مراد لیا جائے تو مضاف اور مضاف الیہ میں تغایر نہیں رہتا کیونکہ جو ولی ہیں وہ مولی علیہم بھی ہیں اور ثانیاً عرض یہ ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کی موجودہ ترتیب کے متعلق کون یقین سے کہہ سکتا ہے کہ یہ اسی ترتیب سے اتری ہیں۔

(۱) کہتے ہیں کہ نماز میں انگوٹھی دینا فعل کثیر ہے جو مُبطل نماز ہے تو اس کے کئی جوابات ہیں (۱) صاحب کشاف نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے حق میں اتری ہے جب کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے اور سائل نے سوال کیا تو آپ نے حالتِ رکوع میں چھوٹی انگلی سے انگوٹھی پھینک دی اور اس کے اتارنے میں عملِ کثیر لازم نہیں آتا جو نماز میں مخل ہو (۲) اس کی تفسیر میں مجاہد سے منقول ہے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ نماز میں فعلِ قلیل مباح ہے اور اسی بنا پر جناب رسالت مآبؐ نے حالت نماز میں پاؤں سے جوتے اتار لیے تھے اور نیز ابن عباس کے بالوں سے پکڑ کر اور اس کو بائیں طرف سے گھسیٹ کر دائیں طرف کر دیا تھا (عماد) نیز بخاری۔ موطا، مسلم، ابوداؤد اور نسائی

میں ہے کہ رسولِ خدا جماعت کے ساتھ نماز پڑھا رہے تھے اور امامہ بنت ابوالعاص آپ کے کندھوں پر سوار تھی پس جب رکوع میں جاتے تھے تو اس کو اتار کر زمین پر بٹھاتے تھے اور سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد اس کو دوبارہ کندھوں پر بٹھا لیتے تھے۔ اس سے بڑھ کر سنیئے کہ فتاوی ظہیریہ سے منقول ہے کہ نماز کی حالت میں عورت کو بوسہ دینا بھی نماز کو باطل نہیں کرتا۔ (بس صرف حضرت علیؑ کی فضیلت آنکھوں کا خار ہے۔ اسے برداشت نہیں کیا جا سکتا اور انکار کے کئی بہانے بنائے جاتے ہیں) (۹) کہتے ہیں کہ نماز میں کوئی سا دوسرا فعل خشوع و خضوع کے منافی ہے۔ لیکن یہ لوگ اپنی عبادتوں پر حضرت علیؑ کی عبادت کا قیاس کرتے ہیں حضرت علیؑ تو وہ عابد ہے۔ جو ایک وقت میں بدنی اور مالی دونوں عبادتیں کر سکتا ہے بلکہ دو قسم کی بدنی عبادتیں بھی علی بیک وقت کرتے تھے جہاد بھی اور نماز بھی۔ پاؤں سے تیر کھینچا گیا اور مصلیٰ خون سے پُر ہو گیا ذرا دوسرے صحابہ کی عبادت کا خشوع ملاحظہ کیجیے۔ حضرت عمر خود فرماتے ہیں میں نماز کی حالت میں بحرین کا جزیہ شمار کرتا رہتا ہوں۔ ابراہیم نخعی سے مروی ہے ہم نے ایک مرتبہ نماز مغرب حضرت عمر کے پیچھے پڑھی تو انہوں نے قرأت نہ پڑھی جب نماز کے بعد ہم نے قرأت کے متعلق پوچھا تو کہنے لگے میں اس وقت شام کی طرف قافلہ روانہ کر رہا تھا یہاں تک کہ منزل بمنزل طے کر کے شام تک پہنچا عکرمہ سے مروی ہے کہ عشاء کی نماز میں بھی ایسا ہوا تو نماز سے فارغ ہو کر گھر چلے گئے۔ عبدالرحمن بن عوف پیچھے گیا اور اجازت لے کر اندر داخل ہوا اور پوچھا کہ کیا تو نے رسولؐ کو ایسا کرتے کبھی دیکھا ہے کہ نماز میں قرأت نہیں پڑھی حضرت عمر نے جواب دیا کہ مجھے بھول گیا ہے کیونکہ میں اس وقت ایک قافلہ شام بھیج رہا تھا اور پھر خیال ہی خیال میں اس کو وہاں سے واپس مدینہ تک لایا۔ چنانچہ دوبارہ

اذان کہی گئی اور نماز دوبارہ ہوئی اور بعد از نماز بر سر اجلاس حضرت عمر نے اپنا عذر بیان کیا اسی طرح عبدالرحمٰن بن اسود سے مروی ہے کہ حالت نماز میں حضرت عمر جوئیں مارا کرتے تھے۔ نیز مروی ہے کہ حضرت عمر کو نسیان طاری ہو گیا تو ایک شخص کو پیچھے کھڑا کر دیتے تھے اور پھر اسی کی یاد دہانی سے رکوع سجود اور قیام کرتے تھے۔ (کنز العمال)

ایک دفعہ حضرت رسالت مآبؐ نماز پڑھ رہے تھے کہ حسنین شریفین پشت اقدس پر سوار ہو گئے لوگوں نے منع کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ ان کو منع نہ کرو بلکہ جس کو مجھ سے محبت ہے اسے چاہیئے کہ ان دونو کے ساتھ بھی محبت کرے

مَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَهِیْدًا	جو آل محمدؐ کی محبت پر مرا وہ شہید مرا
اَلَاوَمَنْ مات علی حب ال محمد مات مغفورا	جو آل محمدؐ کی محبت پر مرا وہ مغفور مرا
الا ومن مات علی حب ال محمد مات تائبا	جو آل محمدؐ کی محبت پر مرا وہ تائب مرا
الا ومن مات علی حب ال محمد مات مومنا	جو آل محمدؐ کی محبت پر مرا وہ کامل ایمان مرا
مستکمل الایمان۔ الا ومن مات علی حب	جو آل محمدؐ کی محبت پر مرا منکر نکیر اور
ال محمد بشرہ ملك الموت بالجنة ومنکر	ملک الموت اس کو جنت کی خوشخبری
ونکیر۔ الا ومن مات علی حب ال محمد جعل	دیں گے۔ جو آل محمدؐ کی محبت پر مرا
الله قبرہ مزار ملائکة الرحمة الا ومن	اس کی قبر رحمت کے فرشتوں کی زیارت
مات علی حب ال محمد فتح له فی قبرہ بابان	گاہ بنے گی جو آل محمدؐ کی محبت پر مرا
الی الجنة۔ الا ومن مات علی حب ال	اس کی قبر میں جنت کی طرف دو دروازے
محمد یزف الی الجنة کما تزف العروس	کھل جائیں گے جو آل محمدؐ کی محبت
الی بیت زوجها الا ومن مات علی حب	پر مرا وہ نو عروس کی طرح خوشی خوشی
ال محمد مات علی السنة	جنت میں جائے گا۔ جو آل محمدؐ کی

والجماعة	محبت پر مرا وہ سنت رسول پر مرا۔

اور جو شخص آلِ محمدؐ سے بغض لے کر مرے اس کے متعلق بھی فرمان نبویؐ سُن لیجئے۔

الا ومن مات علی بغض ال محمد جاء	جو آلِ محمدؐ کے بغض پر مرا قیامت
یوم القیامة مکتوبا بین عینه	کے دن اس کی پیشانی پر رحمتِ خدا
آئس من رحمة الله	سے مایوسی لکھی ہو گی۔
الا ومن مات علی بغض ال محمد مات	جو آلِ محمدؐ کے بغض میں مرا وہ کافر
کافرا الا ومن مات علی بغض ال محمد	مرا۔ جو آل محمدؐ کی دشمنی میں مرا۔ وہ
لم یشم رائحة الجنة۔	جنت کی بو نہ پائے گا۔

(تفسیر کشاف۔ تفسیر ثعلبی۔ تفسیر کبیر۔ تفسیر نیشاپوری وغیرہ)

واقعی نماز بہت ضروری چیز ہے قرآن میں بہت تاکید ہے احادیث میں بھی اس پر بہت زور دیا گیا ہے مثلاً "نماز مومن کے لئے معراج ہے نماز دین کا عمود ہے۔ معرفت کے بعد نماز سے افضل کوئی عمل نہیں۔ ایک نماز فریضہ ہزار حج سے افضل ہے تمام اعمال کی مقبولیت کا دار و مدار نماز کی مقبولیت پر ہے جو نماز کو خفیف سمجھے وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اور اسی نماز کی جزو ہے درود بر محمدؐ و آلِ محمدؐ۔ شافعی نے خوب کہا ہے۔

كَفَاكُمْ مِنْ عَظِيْمِ الْفَخْرِ اَنَّكُمْ   مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَاصَلٰوةَ لَهٗ

حالتِ نماز میں رسولؐ اور دوش پر حسینؑ سوار، حسینؑ کو نماز کے ساتھ خصوصی تعلق تھا کہ نماز حسینؑ سے جدا نہیں اور حسین نماز سے جدا نہیں۔ حتیٰ کہ جب کربلا میں تیر و تلوار و سنان برس رہے تھے حسینؑ نے اس وقت بھی نماز سے علیحدگی قبول نہ فرمائی۔

مجلس نمبر ۲۸

کونوا مع الصادقین

امکان بشر سے باہر ہے کہ اپنی عمر کے متناہی ایام میں خداوند کریم کی نعمت غیر متناہیہ کا شکر ادا کر سکے۔ خداوند کریم فرماتا ہے۔ اگر تم میری نعمتوں کو گننا چاہو تو نہ گن سکو گے۔ لیکن اعتراف تقصیر بھی عرفان کا حکم رکھتا ہے جیسے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں العجز عن درك الادراك ادراك۔ لہذا ہم بارگاہِ ایزدی میں بصد عجز عرض کرتے ہیں کہ خدایا ہم تیری ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کا شکر ادا کرنے سے بھی قاصر ہیں تاہم بمقتضائے اما بنعمة ربك فَحَدِّثْ۔ ہمارا فرض ہونا چاہیئے کہ بمقدور اس کا شکر ادا کریں۔ مالایدرك كُلُّهٗ لايترك كُلُّهٗ اور مثل اشعری شکر کو لغو و سخریہ نہ سمجھیں جناب مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہٗ کیا خوب فرماتے ہیں۔

اذا اطعمت كلبا كسر خبز	جب میں کسی کتے کو روٹی کا ٹکڑا ڈالوں تو
يظلّ ملازما لو صيد بابي	میرے دروازہ کی چوکھٹ پر پہرہ دیتا ہے۔
وعند الا شعرى الشكر لغو	لیکن اشعری کے نزدیک شکر خدا لغو ہے تو خدا
فهم والله اخبث من كلاب	کی قسم یہ لوگ کتوں سے بھی خبیث تر ہیں۔

خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اسلام جیسی عظیم المرتبت جلیل الشان نعمت سے متمتع فرمایا۔ ان الدين عند الله الاسلام۔ وہ دین جس کی تعلیم حضرت آدمؑ سے حضرت خاتمؐ تک برابر ہوتی چلی آئی اور آنحضرتؐ سے اس کے سچے جانشینوں کی معرفت اس کی دنیا میں ضیا پھیلی اور پھر ایسے وجود ذیجود کے ذریعے اس کو از سر نو زندگی ملنے والی ہے جس کے پیچھے رُوح اللہ آسمان سے

اتر کر نماز پڑھیں گے وہ عدل و انصاف سے دنیا کو اس طرح بھر دیں گے جس طرح ظلم و جور سے پُر ہے۔

ہمیں گورنمنٹ برطانیہ کے زیر سایہ مذہبی آزادی ملی اگرچہ اس کو پولیٹیکل چال ہی سمجھا جائے۔ جس سے کوئی گورنمنٹ خالی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ جب سکندر نے دارا کو شکست دی تو ارسطو سے حکومت کے برقرار رہنے کے لئے مشورہ طلب کیا اس نے جواب دیا کہ اطرافِ مملکت میں مختلف شاہزادوں اور امیروں میں اختلاف ڈال دیجیئے تاکہ وہ باہمی کشمکش کے ذریعے ملک کی واپسی کے خیال سے غافل ہو جائیں۔ بہر حال ہم اس مذہبی آزادی کی قدر کرتے ہیں۔ کہاں وہ زمانہ کہ حضرت علیؑ کا نام لینا بھی جرم تھا اور کہاں یہ زمانہ کہ مساجد میں علی ولی اللہ کی اذانیں ہو رہی ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ خنجروں کا نام رافضی کش رکھا جاتا تھا۔

مشہور ہے سکھوں کے زمانہ میں ایک شخص نے مسجد میں اذان کہی اور نماز پڑھ کر چلتا بنا پھر دوسرا شخص مسجد میں داخل ہوا ابھی نماز کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ سکھ پہنچ گئے اور اس کو پکڑ کر مارنا شروع کر دیا۔ اس نے عذر پیش کرتے ہوئے کہا افسوس گناہ کس کا اور مار کس پر پڑ رہی ہے اور یہ اس مذہبی آزادی کے آثار و برکات میں سے ہے۔ کہ ہم نہایت اطمینان سے اس مظلوم کی صف ماتم بچھاتے ہیں جس کے متعلق حضرت صاحب الامر کا ارشاد ہے کہ آپ کا ماتم اعلیٰ علیین میں قائم ہے اور حوریں منہ پیٹتی ہیں۔

باوجودیکہ جن و ملک وحوش وطیور سب عزاداری میں حصہ لیتے ہیں لیکن مسلمانوں کو اس خاندان کے ساتھ کوئی ایسا بیر ہے کہ سالارِ قافلۂ اسیرانِ اہلبیتؑ حضرت سید الساجدینؑ فرماتے ہیں مادمعت مناعين الا وقوعت۔ یعنی ہم میں سے جب کسی کی آنکھ میں آنسو آتے تھے تو اس کو نیزوں سے چپ کرایا جاتا

اٹھا اور حضرت ام کلثوم اپنے مرثیہ میں فرماتی ہیں وفاطم لو رأیتنا سہاری ومن سھوا اللیالی قد عیننا۔ اے فاطمہؑ کاش تو ہماری بیداری کو ملاحظ کرتی کہ متواتر بیداری کی وجہ سے ہمیں نظر کچھ نہ آسکتا تھا۔ کتنی مجبوری تھی کہ حاکم شام سے رونے کی اجازت لی گئی اور کوئی ہاشمیہ و قریشیہ ایسی نہ تھی جس نے ماتم حسینؑ میں سیاہ لباس نہ پہنا ہو۔ اور ایک ہفتہ تک شام میں ماتم ہوتا رہا۔

غزالی پر تعجب ہے جو کہتا ہے کہ واعظ کو منبر پر شہادت حسینؑ نہ پڑھنی چاہیے کیونکہ اس سے بغض صحابہ پیدا ہوتا ہے (صواعق) حالانکہ حضرت رسالتمآبؐ کے پاس جبریلؑ کربلا کی خاک لائے اور حضرت حسینؑ کی شہادت کی خبر سنائی تو آپؐ بہت روئے (مشکوٰۃ) حضرت امیر علیہ السلام صفین کو جاتے ہوئے نینوی کے قریب پہنچے اور دریافت کیا کہ اس زمین کا نام کیا ہے تو جواب ملا کہ کربلا ہے تو اس قدر روئے کہ آنسوؤں نے زمین کو تر کر دیا۔ پھر رسالت مآبؐ کی پیشگوئی کا تذکرہ کیا اور مروی ہے حضرت علی علیہ السلام امام حسین علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گذرے تو فرمایا۔ یہ ان کے اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے اور یہ ان کے خیمہ نصب کرنے کا مقام ہے اور یہاں ان کی خونریزی ہو گی۔ آلِ محمدؐ کے جوان اس میدان میں قتل ہوں گے جن پر آسمان و زمین گریہ کریں گے (صواعق)

امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے۔ فرمایا اگر ہماری مصیبت میں کسی کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ بھی ٹپکے گا تو خدا اس کو جنت عطا فرمائے گا۔ بہرکیف ٹھیکیداران یزید لاکھ کوشش کریں لیکن غم حسینؑ روز افزوں ترقی پر ہے۔ ایک مرتبہ حضرت رسالت مآبؐ نے اپنی شہزادی کو شہادت حسینؑ اور جمیع واقعہ کربلا کی خبر سنائی تو فاطمہؑ نے رو کر پوچھا اے باباجان یہ واقعہ کب ہو گا تو فرمایا ایسے زمانہ میں ہو گا جب نہ میں ہونگا نہ علیؑ ہو گا اور نہ حسنؑ ہو گا اور نہ تو ہو گی۔ پس بی بی پر

سخت گریہ طاری ہوا اور پھر پوچھا روئے گا کون اور مراسم عزا کون بجالائے گا تو آپؐ نے فرمایا۔ خدا میری امت کا ایک گروہ پیدا کرے گا جو ہر سال مراسم عزا پوری کریں گے ان کے مرد ہمارے مردوں کو اور ان کی عورتیں ہماری عورتوں کو پرسا دیں گی اور بروز محشر تو ان عورتوں کی شفاعت کرے گی اور میں مردوں کی شفاعت کروں گا اور ان کو ہاتھ سے پکڑ کر داخل جنت کریں گے۔ اے فاطمہؑ قیامت کے روز ہر آنکھ رونے والی ہو گی سوائے اس آنکھ کے جو مصائب حسینؑ پہ روچکی ہو گی۔ پس وہ بروز محشر خوش و خرم ہو گی۔

جناب ام سلمہ روایت فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسالت مآبؐ سے سُنا۔ آپؐ نے فرمایا جس مقام پر چند لوگ جمع ہو کر فضائل آلِ محمدؐ کی مجلس قائم کریں تو آسمان سے فرشتے نازل ہو کر ان میں شامل ہوتے ہیں جب وہ واپس آسمان پر پلٹتے ہیں تو آسمان کے فرشتے دریافت کرتے ہیں کہ تم سے ایسی خوشبو آرہی ہے جو اس سے پہلے نہ تھی تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم زمین پر ایسی مجلس میں شامل ہوئے جہاں آلِ محمدؐ کے فضائل کا تذکرہ ہو رہا تھا پس یہ خوشبو اسی مجلس کا نتیجہ ہے پس وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بھی اس مجلس میں لے چلو یا ہمیں اس مکان میں لے چلو جہاں مجلس قائم تھی۔ (مودۃ القربیٰ)

ایک مرتبہ جعفر بن عفان امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا۔ میں نے سنا ہے کہ تو امام حسینؑ کے متعلق شعر کہتا ہے اور خوب کہتا ہے۔ اس نے ہاں میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا سنائیے تو اس نے پڑھنا شروع کیا۔ آپ اس قدر روئے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی اور پاس بیٹھنے والے بھی سب روئے پھر آپ نے فرمایا کہ آسمان کے فرشتے بھی تیرے اشعار سن رہے تھے اور انہوں نے ہم سے بھی زیادہ گریہ کیا ہے۔

اے جعفر خداوند کریم نے تیرے اوپر جنت واجب کر دی ہے اور تیرے گناہ معاف کر دیئے اور فرمایا جو شخص حضرت حسین علیہ السلام کے متعلق کوئی شعر لکھے پس خود روئے اور دوسروں کو رلائے اس پر جنت واجب ہو جایا کرتی ہے اور اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ (خصائص)

مروی ہے کہ جب ہلال محرم نمودار ہوتا تھا تو امام حسینؑ کے مصائب پر امام جعفر صادق علیہ السلام کا گریہ و بکا زیادہ ہو جاتا تھا اور گرد و نواح کے لوگ جمع ہو کر آپ کو پرسا دیا کرتے تھے جب آپ گریہ سے فارغ ہوتے تھے تو فرمایا کرتے تھے حضرت حسینؑ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں اور وہ اب بھی اپنی لشکر گاہ قتل اور اپنے صحابہ کی جگہوں کو دیکھ رہے ہیں اور اپنے زائرین و عزاداروں کو بھی دیکھتے ہیں اور وہ ان کے اور ان کے آباء کے ناموں کو جانتے ہیں جب کوئی رونے والا ہوتا ہے تو اس کے لئے استغفار پڑھتے ہیں اور اپنے نانا باپ بھائی سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی استدعا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر میرے رونے والے کو یہ علم ہوتا کہ اللہ کے پاس میرا اجر کس قدر ہے تو اس کے غم سے اس کی خوشی زیادہ ہوتی اور جب وہ مجلس سے خوش و خرم اپنے گھر کو پلٹتا ہے تو اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں رہتا جس طرح کہ شکم مادر سے پیدا ہوا تھا۔ (اسرار الشہادت)

ایک دفعہ کمیت شاعر امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے حکم سے مصائب امام حسینؑ میں کچھ شعر پڑھے تو امام خود بھی روئے اور پس پردہ اہل حرم نے بھی گریہ کیا۔ حتیٰ کہ ان کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں پس ایک کنیز اندرون پردہ سے نکلی اور ایک چھوٹا سا بچہ لا کر امام کی گود میں رکھ دیا تو امام کا گریہ اور بھی زیادہ ہوا۔ حتیٰ کہ باآواز بلند روئے۔ (اسرار)

استاذ العلماء علامہ الحاج سید محمد باقر شاہ اعلی اللہ مقامہ

ویسے تو ہر دور میں خداوند کریم کی جانب سے ایسے افراد معرض ظہور میں آتے ہیں جن کا وجود اہل ارض کے لئے سایۂ رحمتِ پروردگار شمار ہوتا ہے۔ نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا لیکن بفرمانِ رسالتؐ ہم میں علمائے اعلام کا وجود امم سابقہ کے انبیاء کا بدل ہے اہل پاکستان کے لئے تقسیم ملک سے پیشتر علمائے ایران و عراق کے بعد علمائے لکھنو مشکلاتِ دینیہ میں ملجاء و مرجع رہے خدا ان کی مساعی کو شرف قبولیت بخشے۔

مولانا سید گل محمد شاہ اعلی اللہ مقامہ کی قبر پر باران رحمت ہو جن کے دو لائق فرزندوں نے پوری قوم کی کایا پلٹ دی (۱) مولانا سید طالب حسین اعلی اللہ مقامہ (۲) مولانا سید محمد باقر اعلی اللہ مقامہ۔ ان ہر دو بزرگواروں نے قوت لایموت پر قناعت کرتے ہوئے فرزندان قوم میں علم کی خیرات اپنا مآل زندگی قرار دیا اور اس وقت پاکستان بھر میں جس قدر مدارس دینیہ نظر آ رہے ہیں سب انہی کے چشمۂ علم کی شفاف و شیریں شاخیں ہیں۔ ملک بھر کے مدارسِ دینیہ کے اساتذہ انہی کے بحر علم سے چلو لینے والے اور انہی کے خرمن علم سے ریزہ چینی کرنے والے ہیں۔ مولانا سید طالب حسین شاہ صاحب قبلہ مرحوم اپنے وطن مالوف چکڑالہ میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے اور مولانا سید محمد باقر شاہ صاحب اعلی اللہ مقامہ تقریباً ۲۰ برس چک نمبر ۳۸ ضلع ملتان میں اور بیس برس بدہ رجباہ ضلع جھنگ میں تشنگان علوم کو سیراب فرماتے رہے۔ دونوں بھائیوں نے اسی سال سے زیادہ عمر پا کر پوری زندگی کو علوم دینیہ کی نشر و اشاعت میں گذارا اور تا قیامت پوری قوم پر ایک احسان عظیم چھوڑ کر خدا کو پیارے ہو گئے۔ اس وقت جسقدر اہل علم حضرات خدمت ملت میں مصروف

ہیں خواہ مدرس و مصنف ہوں یا خطیب و واعظ ہوں پیش نماز و نکاح خوان ہوں یہ سب کے سب ان کے شاگرد ہیں یا شاگردوں کے شاگرد۔

خداوندکریم ان کی محنتوں کو قبول فرمائے۔ ہم نے اپنی کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں ان کی زندگی کے مختلف شعبوں کا اجمالی تذکرہ کیا ہے اور مجھے چونکہ مولانا سید محمد باقر شاہ صاحب اعلی اللہ مقامہٗ سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے اس لئے انہی کے حالات ہی وہاں سپرد قرطاس کئے ہیں۔

زیر نظر کتاب ان کی ان مجالس کا زریں مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنے استاد علامہ مولینا شریف حسین خان کے امام باڑہ واقع جگراؤں میں پڑھیں۔ آپ تقسیم سے پہلے ہر سال محرم کی مجالس وہاں پڑھا کرتے تھے۔ ان کی مجالس کا مسودہ اگر پورا چھپ جائے تو یقیناً ایک بیش بہا علمی ذخیرہ ہوگا۔ میں نے ان کے حین حیات یہ مجالس انکے مسودہ سے نقل کی تھیں ابھی تک میری نقل شدہ مجالس ان کے مسودہ سے قطرہ از بحر ذخار یا ذرّہ از ریگزار کی حیثیت سے تھیں کہ ان کے فرزند ارجمند مولوی سید زین الدین حسین شاہ زید مجدہ نے مجھ سے مسودہ کسی ضرورت کیلئے طلب کرلیا اور اس کے بعد مولانا مرحوم کی وفات ہو گئی پھر مجھے وہ مسودہ دستیاب نہ ہوسکا۔ میں کوشش کرکے مسودہ سے ان کی تمام مجالس کو منظر عام پر لاؤں گا۔ اگر مجھے وہ مل گیا۔

آج وہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں لیکن ان کے فیوض و برکات کا سایہ اب بھی ہم پر موجود ہے خداوندکریم ان کو اپنے ظل عاطفت میں رکھے اور اس مجموعہ کی اشاعت اور محنت کا ثواب ان کی روح پر فتوح کو عطا کرے۔ میں تمام قارئین کرام سے مولانا موصوف کیلئے ایک فاتحہ پڑھ لینے کی درخواست کرتا ہوں۔ والحمد للہ رب العالمین۔

میں نے آج شب اتوار ۹ مئی ۱۹۷۶ء قبل اذان صبح خواب میں دیکھا ہے کہ استاد العلماء حضرت مولانا سید محمد باقر شاہ صاحب اعلی اللہ مقامہٗ ایک کرسی پر تشریف فرما ہیں اور میں ان کے سامنے ایک دوسری کرسی پر بیٹھا ہوں، سرکار قبلہ کے کپڑے بالکل صاف سفید اُجلے تھے اور بینائی درست تھی۔ مجھے فرمایا کہ اپنا عمامہ مجھے دیدو۔ چنانچہ میں نے اپنے سر سے عمامہ اتارا اور ان کے حوالہ کیا انہوں نے وہی عمامہ اپنے سر پر رکھ لیا اور چند منٹ کے بعد فرمایا کہ تم میرے قریب آجاؤ، جب میں قریب جاکر بیٹھا تو توانہوں نے اپنے دونو ہاتھوں سے عمامہ اپنے سر سے اٹھایا اور میرے سر پر رکھ کر مجھے گلے سے لگا لیا اور دائیں کندھے پر بوسہ دیتے ہوئے رونے لگ گئے، اور حالت گریہ میں یہ الفاظ کہے، اَللّٰهُمَّ قَوِّمْهُ مَقَامِیْ یَا اَقِمْهُ مَقَامِیْ وَسَدِّدْ اَمْرَهٗ وَنَوِّرْ قَبْلَهٗ۔ اس کے بعد والے جملے مجھے یاد نہیں رہے بہت دیر تک دعا مانگتے رہے اور روتے بھی رہے اور میں بھی روتا رہا اور ان کی دعا عربی میں تھی میں نے اس کے بعد دستار بندی کی خوشی میں تقسیم کرنے کے لیے مٹھائی منگوائی اور اس دوران میں اذان صبح شروع ہوگئی اور میں بیدار ہوگیا۔